

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُعَذِّبُكُمُ اللَّهُ مَسْرُورِينَ

# مسلمان کا عقیدہ

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی کتاب عقیدہ المسلم کا تعاقب

مترجم: طیب

علاء غلام مصطفیٰ مجاہدینی  
(ایم اے)

قادیانی رضوی مفت خانہ گنج بخش دہلی

وَلَا تَقُولُوا لِلْأَثَانِ مِثْلَ خُبْرٍ

# مسلمان کا عقیدہ

شیخ ابن باز نجدی کی کتاب عقیدۃ المسلم کا تعاقب

تالیف لطیف

علامہ غلام مصطفیٰ مجددی  
(ایم اے)

قادی رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور



## فیضانِ رحمت

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ

نام کتاب	مسلمان کا عقیدہ
نام مؤلف	علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے
نام کمپوزر	محمد اکرام مجددی
پروف ریڈنگ	غلام دستگیر احمد
تاریخ اشاعت	جنوری 2005ء
صفحات	388
تحریک	چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر	چوہدری عبدالجید قادری
قیمت	

Rs 200

ملنے کے لیے

- (۱) مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
- (۲) مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور
- (۳) شبیر برادرزادہ بازار لاہور
- (۴) اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور

قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

مسلمان کا عقیدہ

﴿..... آئینہ کتاب.....﴾

صفحہ نمبر	عنوانات
6	❖ ابتدائیہ
33	❖ باب اول :
	❖ انبیاء کا عقیدہ توحید
	❖ ایک سوال کا جواب
	❖ اشکال کہاں ہے
	❖ مفسرین کرام کی توجیہات
	❖ ایک اشکال کا جواب
	❖ شیخ ابن باز کا سوائے ظن
	❖ مذکورہ صدر ایک آیت کا مفہوم
77	❖ باب دوم :
	❖ صحیح اسلامی عقیدہ اور اس کے منافی امور
	❖ احترام و تعظیم میں غلو کرنا
	❖ انبیاء اور اولیاء سے دعائیں کرنا
	❖ نبیاء اور اولیاء سے مدد طلب کرنا
	❖ چند آیات کی درست تفسیر
	❖ شیخ ابن باز کی ایک اور نا انصافی
	❖ آج کے مشرک

..... استغاثہ، پناہ، مراد.....

..... چند آیات کا افہام.....

باب سوم :

..... کلمہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم کی وضاحت.....

باب چہارم :

..... نوافل اسلام.....

باب پنجم :

..... قرآن اور رسول کا مقام.....

باب ششم :

..... نبی کریم ﷺ سے مدد مانگنے کا حکم.....

..... چند ایمان افروز واقعات.....

..... اسمائے مصطفیٰ کا تقاضا.....

..... استعانت کا ثبوت.....

..... چند آیات کا افہام.....

..... غلو فی الدین.....

باب ہفتم :

..... بدعت سے اجتناب.....

181

199

208

212

286

..... میلاد اور قرآن.....

..... میلاد اور حدیث.....

..... میلاد اور علما.....

..... ایک ہمارا بھی سوال.....

..... محفل میلاد میں قیام.....

..... حضور ﷺ کی تشریف آوری.....

..... علما کے فیصلے اور واقعے.....

..... شب معراج کی تخصیص.....

..... نصف شعبان کی رات.....

باب ہشتم :

..... حیات برزخی کا اثبات.....

..... قرآن پاک کا فیصلہ.....

..... رسول پاک ﷺ کا فیصلہ.....

..... صحابہ کرام کا فیصلہ.....

..... دیگر صالحین امت کا فیصلہ.....

..... امر ملت کا فیصلہ.....

335



ہوں گے، جیسے کمان سے تیر، پھر اس کے پیکان پر کچھ نظر نہیں آتا، اس کے پٹھے پر بھی کچھ نظر نہیں آتا، اس کی لکڑی پر بھی کچھ نظر نہیں آتا، اور نہ اس کے پروں پر کچھ نظر آئے کہ وہ لید اور خون کو چھوڑ کر نکل گیا، وہ لوگوں کی تفرقہ بازی کے وقت نکلیں گے، ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی کا ہاتھ عورت کے پستان یا انڈے کی طرح ہوگا، جو ہلتا ہوگا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، جب ان لوگوں سے قتال کیا گیا تو اس کی مقتولین میں تلاش کی گئی پھر اس نشانی کا آدمی مل گیا جو نبی کریم ﷺ نے بتائی تھی، (بخاری ص ۱۰۳) (دب)

تاریخ شاہد ہے کہ حضور پیغمبر برحق ﷺ کا فرمان پورا ہوا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عبداللہ بن وہب راہبی کی قیادت میں ایک قوم نے جنم لیا جسے صحابہ کرام کے ساتھ مسئلہ تحکیم میں اختلاف تھا، اُن کے نزدیک خدا کے علاوہ کسی انسان کو حاکم نہیں بنایا جاسکتا۔ الاخبار الطوال میں ہے کہ اس قوم کے دو آدمی زرہ بن برح الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو توبہ کرنے لیے کہا تو آپ نے فرمایا، تحکیم کا عہد نامہ لکھا جا چکا ہے، میں اس کو توڑ نہیں سکتا۔ انہوں نے بہت مجبور کیا لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے۔ آخر انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ نے تحکیم کو تسلیم کر لیا تو ہم خدا کے لیے آپ سے جنگ کریں گے، آپ نے فرمایا، تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی، یہی واقعہ علامہ ابن اثیر نے بھی رقم کیا ہے، اس واقعہ سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی، خارجیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کی تکفیر شروع کر دی اور ان کے خلاف ”جہاد کرافرض“ قرار دیا، یہ لوگ اپنے عقیدے میں بہت زیادہ متعصب اور متشدد تھے، ان کی جماعت اکٹھی ہو گئی تو ہر مسلمان سے پوچھتے،

ابتدائیہ

☆.....

بسم الله الرحمن الرحيم

اسلام میں فتنہ خارجیت کی تاریخ بہت ہولناک ہے۔ حضور نبی غیب آشنا، محبوب کبریا، شہنشاہ ہر دوسرا، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں اس کی نشاندہی فرمادی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

”ایک روز نبی کریم ﷺ مال تقسیم فرمانے لگے تو ذوالخویصرہ نامی شخص نے کہا، جو بنی تمیم سے تھا کہ یا رسول اللہ، انصاف کیجئے، فرمایا، تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ اس کی گردن اڑا دوں، فرمایا کہ نہیں، کیونکہ اس کے ساتھی بھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے، اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے، وہ دین سے ایسے نکلے ہوئے



تیرا حکیم کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اگر وہ برأت ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے، ورنہ قتل کر دیتے، (الاخبار الطوال ص ۲۱۶) خود حضرت شیر خدا، علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، کے ساتھ ان کا باغیانہ انداز ملاحظہ کیجئے،

”تم کو اس فیصلہ پر خدا کے لئے نہیں، اپنے نفس کی خاطر برہمی ہے، اگر تم حکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کرو تو ہم تمہارے ”سوال اتحاد“ پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں، اور اگر توبہ نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑیں گے، خدا خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا“ (ایضاً ص ۲۲۰)

ذرا تصور کیجئے، جن لوگوں کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم انسان مسلمان نہیں، ان کی نظر میں کسی اور مسلمان کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی، چنانچہ انہوں نے سارے عالم اسلام کے خلاف ایک زہریلا محاذ کھول دیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا کیونکہ ان کی فتنہ انگیزی حد سے بڑھ چکی تھی، جو شخص ان کے خیالات باطلہ کی تائید نہ کرتا، اُس کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیتے، ایک صحابی حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ، کو اس ”جرم“ میں شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دریغ قتل کر دیا، قبیلہ طے کی متعدد عورتوں کو مار ڈالا، (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۶) آخر نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اہل اسلام فتح یاب ہوئے۔

خارجی کیا تھے، ایک طوفان بلا خیز تھے، جس نے عالم اسلام میں فکر گستاخ کو فروغ دیا۔ یہ لوگ تو حید پرستی کی آڑ میں محبوبانِ خدا کے کمالات و فیوضات کے منکر ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مرقوم ہے،

وكان ابن عمر يراهم شرار خلق الله و قال انهم انطلقوا الى ايات نزلت في الكفار فجعلوا ها على المؤمنين وه خارجيون كوساري مخلوق خدا سے زیادہ شرارتی قرار دیتے تھے، اور فرماتے تھے، خارجی، کافروں کے رو میں نازل ہونے والی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں، (بخاری ۲/۱۰۲۳)

خارجیوں کے اس فکر گستاخ کو شیخ ابن تیمیہ حرانی (۷۲۸-۷۲۹ھ) نے اپنے زور علم سے پروان چڑھایا۔ چونکہ خارجی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے شدید دشمن تھے، اس لیے اُن کا ”روحانی وارث“ بھی دشمن ثابت ہوا، حضرت علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے اُس کا عقیدہ لکھا ہے، ان علیاً اعطاء فی اکثر من ثلاث مائة مكان، یعنی حضرت علی نے تین سو سے زیادہ مقامات پر غلطی کھائی ہے، (قادیانی ص ۱۰۰) بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ انہوں نے کئی مسائل میں غلط فتوے دیئے، علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے الدرر الکامنه میں لکھا ہے کہ ابن مطلق نے اپنی کتاب منہاج الکرامۃ میں ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے، اُس نے اپنی کتاب الاملۃ میں قصداً جاہلانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے بہت سی احادیث شریفہ کو چھوڑ دیا ہے۔ (خیف الممات ص ۵۷)

حضرت علامہ سید غلام مصطفیٰ شاہ علیہ الرحمہ کا نہایت جامع تجزیہ پڑھئے، ”ابن تیمیہ خدا کو مجسم کہتا تھا اور سفر زیارت رسول خدا ﷺ کو حرام، اور تحقیر و توہین بعض خلفائے راشدہ اور ائمہ مجتہدین، طریقہ اس کا تھا، اور کتاب صراط مستقیم اُس کی اس باب میں موجود ہے، آخر علمائے عصر شیخ داود سامان و شیخ کمال الدین سبکی نے اس کے



عقیدہ باطل کو رد کیا، اور اُسے گرفتار کر کے مدرسہ کالمیہ مصر میں لے گئے، مجلس منعقد ہوئی، قاضی و مفتی تمام جمع ہوئے اور اُس کو قائل کیا، اور حکم سلطان تمام بلاد میں جاری ہوا کہ عقیدہ ابن تیمیہ خلاف اجماع ہے، جو کوئی اس کی پیروی کرے گا، سزا یاب ہوگا، پھر تحقیر اولیاء اللہ و مشائخ و علما کفر ہے، اور تو سل نبی الرحمہ متفق علیہ علمائے اُمت ہے، اور منکر اس کا گمراہ ہے، چنانچہ زمانہ دولت ناصریہ میں ابن تیمیہ نے توبہ کی اور رہائی پائی۔ جب شام میں آیا تو پھر ایسی باتوں سے قید خانہ دمشق میں قید ہوا، اور حکم عام بادشاہی جاری ہوئے کہ جو کوئی عقیدہ ابن تیمیہ پر ہوگا، اس کا خون و مال حلال ہے۔ اور ابن تیمیہ قطع نظر ظاہری ہونے کے خارجی بھی تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کی جناب میں بے ادبی کرتا تھا، (تختہ الناطقین ص ۶۸)

شیخ ابن تیمیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کرتا تھا کہ انہوں نے بچپن میں اسلام قبول کیا تھا، اور بچے کا بچپن میں اسلام قبول کرنا صحیح اور معتبر نہیں (الدرر الكامنه ۱۵۵) بلکہ شفاعتِ مصطفیٰ کا منکر تھا، اُن کے تو سل اور استغانت کا انکاری تھا، حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ”ان عقائد کا انکار ابن تیمیہ کے سوا اور کسی نے نہیں کیا۔ اس نے ہی ایسا راستہ اختیار کیا ہے کہ کسی (مسلمان) نے کسی زمانے میں بھی اختیار نہیں کیا“ (شفاء السقام ص ۱۱۹) شیخ ابن تیمیہ کے حوالہ بھی اُس کی طرح بہت تشہد واقع ہوئے،

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ لکھا ہے،

”بادشاہ کے مرنے کے بعد ابن تیمیہ کے شاگرد احمد بن محمد نے جامعہ امیر حسن اور جامعہ عمر بن عاص میں ابن تیمیہ کے مسلک کی تقریر کی، احمد بن محمد نے منبر پر کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ اور مقررانِ خدا کی شان اقدس میں گستاخانہ الفاظ کہے تو اس کو ناصر بادشاہ نے اپنے نائب کے سپرد کر دیا۔ اس نے عدالت ہی میں احمد بن محمد کو مار مار کر خون آلود کر دیا اور گدھے پر اُلٹا سوار کر کے شہر میں چکر لگوا دیا، اور اعلان کر دیا کہ یہ وہ آدمی ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی توہین میں تقریر کی، پھر اس کو قید کر دیا گیا، (الدرر الكامنه ۲۰۲/۲)

یہ تو ایک شاگرد کا حال ہے، ابن قیم الجوزیہ، ابن رجب اور آگے چل کر قاضی شوکانی وغیرہ کا کیا حال ہوگا، جنہوں نے ساری عمر اسی فکر گستاخ کی نشر و اشاعت میں بسر کر دی، اس لیے اہل اسلام کے نامور علما کرام نے اس جماعت کی کتابوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، اسی سلسلہ میں حضرت امام یوسف نبھانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”اے شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی صالح موفق مسلمان، جب تم نے ابن تیمیہ کے عقائد و مسائل باطلہ جان لیے، اب اس بات کا یقین رکھو کہ یہ تمہیں واجب ہے کہ تم ابن تیمیہ اور اس کی جماعت کی کتابوں سے مکمل پرہیز کرو تا کہ تم گمراہی کے گڑھے میں نہ گر پڑو، اور بعد میں ندامت تمہیں کوئی نفع نہ دے گی، (شہاد الحق ص ۲۰۵)

یہ خارجیت جاری رہی، یہاں تک کہ شیخ ابن عبد الوہاب نجدی نے اسے نکتہ عروج پر پہنچا دیا۔ حضرت علامہ ابوالخالد بن مرزوق علیہ الرحمہ نے لکھا ہے،

”ہم محمد بن عبد الوہاب اور ان کے مقلدین کے چار بنیادی



عقائد بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق خدا کے ساتھ تشبیہ دینا، (صرف) ربوبیت اور الوہیت کے لحاظ سے یکتا ماننا، نبی کریم ﷺ کی توقیر نہ کرنا، مسلمان کی تکفیر کرنا، اور وہ ان تمام عقائد میں شیخ ابن تیمیہ کا مقلد تھا، (التوسل بالنبی ص ۲۱) مولانا عبید اللہ سندھی نے لکھا ہے،

”شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ماننے والوں میں سے سرزمین نجد میں محمد بن عبدالوہاب پیدا ہوئے، دراصل محمد بن عبدالوہاب نجدی نے کسی ایسے استاد سے علم حاصل نہ کیا تھا، جو انہیں صحیح ہدایت کی راہ پر لگاتا، اور نفع مند علوم کی طرف رہنمائی کرتا، اور دین کے معاملات میں ان میں تفقہ کی سمجھ پیدا کرتا، طلب علم کے سلسلہ میں محمد بن عبدالوہاب نے صرف اتنا کہا کہ شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد کی بعض کتابیں پڑھ لیں اور ان کی تقلید کی،، (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۳۰) مولانا عبدالرحمن سلہٹی نے لکھا ہے،

”سلطان محمود خان ثانی کے زمانہ میں ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نامی ظاہر ہوا، ابن تیمیہ کے مرجع کے بعد اس نے اس کے مٹے ہوئے عقائد فاسدہ کو ظاہر کیا اور اہل سنت کے خلاف ایک گروہ بنالیا،“ (سیف البراص ص ۱۱) سوانح نگار احمد عبدالغفور عطار نے لکھا ہے،

”وہابی ابن تیمیہ، ابن القیم الجوزیہ اور ان کے تبعین کے

مسلم پر چلتے ہیں تو انہیں راہ صواب سے کچھ بعد نہیں، بلکہ اصح یہی ہے کہ وہابی انہی ائمہ کے تبعین میں سے ہیں، اور شیخ الاسلام نے بھی انہی کے طریق کی پیروی کی ہے، (محمد بن عبدالوہاب ص ۱۷۴)

اس حقیقت ثابتہ کیلئے لمبے چوڑے حوالوں کی ضرورت نہیں، موجودہ سعودی خاندان شیخ نجدی کا پروانہ ہے اور شیخ حرانی کا دیوانہ ہے۔ ان دونوں شخصیتوں کے نام پر ادارے کام کر رہے ہیں، اور ان کے عقائد و نظریات کی خوب ترویج ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں اس فکر گستاخ کے بانی مہابی جناب مولانا اسماعیل دہلوی متوفی ۱۳۳۵ھ اور ان کے شیخ گرامی جناب سید احمد شہید کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، ان کے علاوہ نواب صدیق حسن بھوپالی، نواب وحید الزمان اور نذیر حسین دہلوی وغیرہ نے بھی شیخ ابن تیمیہ کی وراثت کا حق ادا کر دیا۔ ملکہ بھوپال کی دولت و ثروت اور حکومت انگریزی کی تائید و نصرت نے خارجیت و وہابیت کو چار چاند لگا دیئے۔

مولانا خلیل احمد لکھنوی نے ان ”غیر مقلدین“ سے استفسار کیا ہے،

”دنیا کے تختے میں سوائے انگریزی سلطنت کے اور کہیں آپ کا پتہ نہیں چلتا، پھر انگریزی سلطنت سے باہر جا کر بندگان خدا کو بچانے کی بھرپور کوشش نہیں کرتے، مگر تم جانتے ہو، اگر تم کسی اسلامی سلطنت میں گئے تو جو قادیانیوں کا حال کابل میں ہوا یا کسی مرتد کی گت اسلامی سلطنت میں ہونی چاہئے، وہی تمہاری ہوئی۔ اس لئے انگریزی سلطنت سے باہر نہیں جاتے، دنیا کے کسی گوشے میں، اور غدر سے پہلے ہندوستان کے کسی شہر میں تمہارا کوئی مذہبی مدرسہ ہے یا تھا، تو بتاؤ، غدر سے پہلے اور انگریزی



سلطنت سے باہر تمہاری کوئی مسجد ہے تو بتاؤ“ (ساعۃ التعلیم ص ۲۳)

بلاد عرب میں بھی خارجیت کی تحریک انگریزی تائید کی بدولت غالب ہوئی۔ اس تلخ حقیقت کیلئے ”ہمٹے کے اعتراضات“ نامی کتاب کا مطالعہ ضروری ہوگا۔ الغرض شیخ ابن عبدالوہاب فرات سے لے کر شام، بغداد، بصرہ تک شہروں میں گھومتا رہا، وہاں سے بلاد عرب کی طرف لوٹ آیا، امیر ابن سعود کی مدد کی وجہ سے اس نے شہر کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا، وہ اپنے سردار محمد بن عبدالوہاب کے نام پر وہابیہ کے نام سے پکارے گئے، (سیف الابرار ص ۱۱)

جناب سردار حسنی بی اے لکھتے ہیں،

”شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ ان مزاروں اور ان کے متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا، ابن معمر نے قبول کیا، دونوں ہم مشورہ ہو کر جلیلہ گئے، یہاں چند صحابیان رسول ﷺ کے مزارات تھے، دونوں نے مزارات مسمار کر دیئے“ (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۱)

اس طرح یکے بعد دیگرے عرب کے بہت سے قبائل اس کی اطاعت کرنے لگے، یہاں تک کہ اس کو قوت نصیب ہو گئی تو جنگلی خوف کھانے لگے، وہ بدو بالکل جاہل تھے، امور دین سے قطعی نااہل تھے، انہوں نے اس کی غلامی اختیار کر لی، حکومت آل سعود کی برقرار ہو گئی اور مذہبی معاملات آل عبدالوہاب کے قبضے میں چلے گئے۔ پھر کیا ہوا، تاریخ کا وحشت ناک دور شروع ہو گیا، مسلمانوں کو کفر و شرک کے فتوؤں سے آزر دہ کیا گیا، روضہ رسول کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے والوں کی داڑھیاں موٹھ کر گدوں پر اُلٹا سوار کیا گیا (انجیر الصادق ص ۲۰)

دلائل الخیرات جیسی ایمان افروز کتابوں کو شرک آلود سمجھ کر جلا دیا گیا، مزارات

کی جگہ پر بیت الخلاء تعمیر کیے گئے، جنت البقیع اور جنت المعلیٰ جیسے قبرستانوں کو مسمار کر دیا گیا، جہاں صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار اور اُمت کے جلیل القدر علما کبار کے مزارات مرجع اسلام تھے۔ میلا دمصفیٰ کی تقریبات پر پابندی عائد کر دی گئی، میناروں پر پڑھا جانے والا درود بند کر دیا گیا، اولیا کرام سے توسل کرنے والوں کو کافر قرار دیا گیا، مسلمانوں کے علما اور خواص کو قتل کر کے خون کی ندیاں بہائی گئیں، ان کے مال و اسباب کو لوٹنا حلال تصور کیا گیا۔ توحید کی آڑ میں وہ ظلم برپا ہوئے کہ خود توحید لعنت برسانے لگی، اپنی لاشیٰ کو حضور خیر الانام ﷺ سے بہتر سمجھا جانے لگا، اجماع اُمت کے خلاف آپ کی حیات برزخی کا انکار عام ہو گیا، روضہ انور کی توقیر پر حملے کیے گئے، کوئی آج بھی جا کر دیکھ لے، اُن فکر گستاخ کے پروردہ انسانوں کا کیا رویہ ہے،

حضرت علامہ آفندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”محمد بن عبدالوہاب نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں، علی الاطلاق مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا، اس کے لیے جنت لازم ہے۔ وہ ان لوگوں میں نبی کی طرح تھا، وہ اس کے کسی قول کو نہ چھوڑتے تھے، اور نہ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام سرانجام دیتے تھے، اس کی از حد تعظیم کرتے تھے، (انجیر الصادق ص ۲۰)

ذرا اندازہ کیجئے، اپنے رہبر کی از حد تعظیم کرنے والے، ساری کائنات کے رہبر اعظم ﷺ کی بے ادبی کو اپنے خود ساختہ ایمان کی جان سمجھتے ہیں، قاضی شوکانی کے شاگرد محمد بن ناصر حازمی نے بھی ان صریح زیادتوں کو محسوس کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے، ”شیخ ابن عبدالوہاب کی دو باتیں ہیں جو پسند نہیں کی جاتیں، ایک تو یہ ہے کہ



انہوں نے چند بے اساس امور کی بنا پر تمام دنیا کو کافر قرار دیا ہے، اور دوسری زیادتی یہ تھی کہ بلا کسی دلیل و حجت کے انہوں نے بے گناہوں کو قتل کرنے کی اجازت دی، چنانچہ شیخ موصوف یہ اعلان کرتے تھے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کی یا کسی نبی، بادشاہ اور عالم کو اس نے وسیلہ بنایا تو وہ مشرک ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے روئے زمین کے سب مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنا دیا، چنانچہ جو مسلمان اولیا سے دعا کرتے ہیں، ان کو موصوف نے کافر قرار دیا۔ اور جوان کے کفر میں شک کرے، شیخ موصوف نے ان شک کرنے والوں کو بھی کافر ثابت کیا، اس طرح دنیا جہان کے مسلمانوں کو زمرہ کفار میں داخل کر دیا“ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۲۹)

ان لوگوں کے تشدد پر ایک اور گواہی پیش کی جاتی ہے، علامہ سید احمد بن زینی مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”اسلام میں یہ بہت بڑا فتنہ نمودار ہوا، جس سے عقلیں پرواز کر گئیں اور عقلمند حیران ہو گئے، وہ لوگوں کے جان و مال کو حلال سمجھتے تھے، اور طرح طرح سے حضور انور ﷺ اور آپ کے محبان کرام کی تحقیر کرتے تھے، جب کوئی شخص طوعاً و کرہاً ان کے دین کی اطاعت کرنا چاہتا تو اول اُسے کلمہ پڑھنے کا حکم صادر کرتے تھے، اور پھر اُسے کہتے کہ تو اپنے آپ پر گواہ ہو جا کہ تو پہلے کافر تھا، اپنے والدین اور فلاں فلاں اکابر علما پر گواہ ہو جا کہ وہ حالت کفر میں فوت ہوئے، اگر وہ اس کی گواہی دے دیتا تو اسے قبول کر لیتے وگرنہ اس کے قتل کا حکم دے دیتے تھے، جب کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہو جاتا، اگر اس نے پہلے کوئی حج کیا ہوتا تو اسے دوبارہ

حج کرنے کا حکم دیتے کہ پہلا حج اس نے شرک کی حالت میں کیا تھا، لہذا وہ ادا نہیں ہوا، باہر کے تہج لوگوں کو مہاجر اور شہر کے لوگوں کو انصار کہتے، (الدر النسیہ ص ۳۶)

شیخ ابن عبد الوہاب نے کفار و مشرکین اور ان کے معبودان باطلہ کی تردید میں نازل ہونے والی آیات کو اہل اسلام پر چسپاں کیا، علامہ آفندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں،

”لوگوں کو کافر بنانے میں محمد ابن عبد الوہاب نے ان آیات سے دلیل حاصل کی جو مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں، اس نے ان آیات کو ہر موجد مسلمان پر جڑ دیا۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خوارج کی علامات والی روایت حاصل کی ہے کہ وہ کفار کے رد میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کیا کرتے تھے۔ اور دوسری روایت بھی انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اخوف ما اخاف علی امتی رجل متاول للقرآن یضعہ فی غیر موضعہ، یعنی مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس شخص سے خوف ہے، جو قرآن کی بے محل تاویل کرتا ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد اور اس سے پہلا ارشاد شیخ محمد بن عبد الوہاب اور اس کے تبعین پر صادق آتا ہے، اس کے کاموں اور باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دین جدید کا مدعی تھا، اور اسی مقصد کیلئے اس نے نبی اکرم ﷺ کے دین کو قبول نہیں کیا۔ اس نے کثیر علما کرام، صالحین عظام اور مسلمانوں کے عوام کو قتل کیا کہ انہوں نے اس کی اس بدعت میں کوئی موافقت نہیں



کی، (انجیل ص ۱۸)

ان لوگوں کی شدت پسندی اور اسلام دشمنی کا ذکر مولوی وحید الزمان غیر مقلد نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں،

”ہمارے بعض متاخرین (شیخ نجدی اور اسماعیل دہلوی) نے شرک کے معاملہ میں بہت تشدد کیا ہے۔ اور اسلام کے دائرہ کو بہت تنگ کر دیا ہے کہ امور مکروہہ یا محرمہ کو بھی شرک قرار دیا ہے“ (ہدیہ الہدی ص ۲۶)

اس فتنے کو روکنے کیلئے علما اسلام نے بہت محنت کی، کتابیں رقم کیں، مناظرے کئے اور ان کا خوب رد بلیغ کیا۔ ان علما اسلام میں حضرت علامہ ابراہیم سمودی، حضرت علامہ سلامہ الغرامی، حضرت علامہ سید علوی الحداد، حضرت علامہ ابراہیم رفاعی، حضرت علامہ عبدالرحمن سلہبی، حضرت علامہ احمد بن زینی مکی، حضرت علامہ مصطفیٰ کریمی، حضرت علامہ جمیل آفندی، حضرت علامہ ابو الحامد بن مرزوق، حضرت علامہ سلیمان بن عبد الوہاب نجدی، حضرت علامہ مصطفیٰ بن احمد شطی، حضرت علامہ طاہر سنہلی، حضرت علامہ عید ابن الحاج، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، حضرت علامہ احمد رضا خان بریلوی، حضرت شیخ الطریقہ احمد سعید دہلوی قابل ذکر ہیں اور دیگر عظیم القدر علما نے بھی اپنا فرض منصبی ادا کیا، مولا کریم ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ خود شیخ ابن عبد الوہاب کے برادر مکرم جناب علامہ سلیمان ابن عبد الوہاب نے ان سے مباحثہ کیا، انہوں نے پوچھا، اسلام کے کتنے ارکان ہیں، اس نے کہا پانچ، انہوں نے فرمایا انت جعلتہا ستۃ، لیکن تو نے تو چھ کر دیئے، چھٹا یہ کہ جو تیری اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں رہتا، (نور الباقین فی بحث الثقلین ص ۴) اس کے استاذ گرامی علامہ شیخ محمد سلیمان کردی علیہ الرحمہ نے فرمایا، اے

محمد بن عبد الوہاب، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی زبان کو مسلمانوں کے متعلق روک لے، (فتنہ دہلیہ ص ۶۹) علما کرام نے جس طرح ابن تیمیہ اور اس کے پیرو کاروں کے رسائل اور عقائد سے بچنے کی وصیت فرمائی، اسی طرح ابن عبد الوہاب اور اس کے جانثاروں سے دور رہنے کی نصیحت فرمائی۔ اسے خارجیت کا ایک تسلسل قرار دیا۔ علامہ سید علوی بن احمد علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ”یہ مغرور ابن عبد الوہاب قبیلہ تمیم سے ہے، تو احتمال ہے کہ وہ ذوی الخویصرہ تمیمی کی نسل سے ہو، جس کے متعلق بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور اہل اصنام کو چھوڑ دیں گے، اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عادی طرح قتل کر ڈالوں، چنانچہ یہ خارجی اہل اسلام کو قتل کرتا تھا اور اہل اصنام کو چھوڑ دیتا تھا۔ (جلاء الظلام)

اس تحریک کے ایک ایک پہلو سے یزیدیت کی جھلک نمایاں ہوتی تھی، نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا ہے کہ ”عبد العزیز نجدی نے دوسرے سال ایک لشکر تیار کر کے طائف بھیجا اور انہوں نے وہاں قتل و قلع کے بعد فتح پائی اور کربلا کی طرح وہاں بھی قتل عام کیا، ان کے اموال لوٹ لئے، اپنے بیٹے سعود کو مکہ معظمہ روانہ کیا، اسی نے اہل مکہ کو زیر و زبر کر کے تین مہینے تک محاصرہ کیا، ان کا تو شہ تمام ہوا تو تار چار انہوں نے اطاعت اختیار کی۔ سرداروں اور شریفوں کو قتل کیا اور کعبہ کو برہنہ کر دیا اور لوگوں کو وہابیت کی دعوت پر مجبور کیا، (مخلصا، ترجمان دہلیہ ص ۳۴) حدیث پاک میں ایک قوم کی نشانی سرمنڈوائے رکھنا ہے، سو وہ ان پر پوری ہوتی ہے، انہوں نے مرد و مرد عورتوں کے بھی سرمنڈوا دیئے، ابن عبد الوہاب نے ایک عورت کو سرمنڈوانے کا حکم دیا تو اس نے کہا اگر تو مردوں کو داڑھی موٹنے کا حکم دیتا تو عورتوں کے سر موٹنے کا حکم ٹھیک تھا کیونکہ عورت کے سر کے بال مردوں کی داڑھی کی طرح ہیں، اس پر وہ مبہوت ہو گیا اور جواب



ندے سکا، (انجیر صادق ص ۲۱) اس لشکر تحریک نے مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے، زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی، حرم کعبہ کے خلاف پھاڑ دیئے گئے، (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۲۸) انہیں اصرار تھا کہ مکہ کے مشرکین کی جانیں بچ جائیں تو بچ جائیں، لیکن مقابلہ مزارات ضرور منہدم کر دیئے جائیں گے، اور مساجد کی آرائشیں ضائع کر دی جائیں گی، کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق ان چیزوں کے وجود میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے، چنانچہ حرم کے تمام مقدس مزارات جو صدیوں سے زائرین کے مرجع رہے تھے، ان کی آن میں تباہ و برباد کر دیئے گئے، اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں غصہ و اضطراب کی لہر اٹھی، (ایضاً ص ۱۵۵) مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ کی باری بھی آگئی، انہوں نے یزیدی لشکر کی طرح اس شہر خواہاں کی رونقوں کو بھی اجاڑ دیا، مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں ”سعود ابن عبدالعزیز ۱۸۰۳ء کے آخر میں مدینہ منورہ پر قابض ہوا، تو اس نے مدینہ منورہ کے اور مقبروں سے گزر کر خود حضور نبی کریم ﷺ کے مزار شریف کو بھی سلامت نہ چھوڑا، آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا اور اس کی چادر کو اٹھا دیا جو آپ ﷺ کی قبر انور پر پڑی رہتی تھی“ (حیات طیبہ ص ۲۸۵) ان لوگوں نے روضہ مصطفیٰ ﷺ پر گولہ باری بھی کی، جس سے تمام عالم اسلام نے احتجاج کیا، ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا، ۱۹۲۵ء کے آخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعی حضور اکرم ﷺ کے روضے کے گنبد میں پانچ گولیاں لگی ہیں، (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۱۵۷) اس طرح، نجف، کربلا اور دیگر مقدس مقامات کی توہین و تحقیر میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا، دراصل یہ لوگ انگریزی استعمار کے آلہ کار تھے، چنانچہ آل سعود نے تمام فتوحات حاصل کر کے انگریزوں سے بہت شرمناک معاہدہ کیا کہ وہ حکومت برطانیہ کے ارشاد کی تعمیل کرے گا، اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد مفاد کے خلاف

ہو یا موافق، (نجدی تحریک پر ایک نظر ص ۱۵) مولانا حسرت موہانی علیہ الرحمہ نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے کہ شریف اور ابن سعود دونوں پہلے بھی انگریزوں کے زیر اثر تھے اور اب بھی ہیں، ترکوں کے خلاف دونوں لڑے اور انگریزوں کے وظیفہ خوار رہے۔ آج کل ابن سعود کی ساری کوشش اس باب میں صرف ہو رہی ہے کہ انگریز میری سیادت کو جزیرۃ العرب کے اکثر حصوں پر تسلیم کر لیں گے، اس کے معاوضہ میں وہ انگریزوں کی جملہ شرائط ماننے کو تیار ہیں، (خطبہ صدارت ص ۱۱) تاریخ اپنے آپ کو دہرائی ہے، آج کی نجدی حکومت نے امریکہ اور برطانیہ کی افواج کو اس مقدس ملک پر قابض کر رکھا ہے، تمام عالم اسلام کی عقیدت و محبت کے مرکز شدید خطرے سے دوچار ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس نازک موقع پر بھی ان لوگوں کے مذہبی جنون میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، تمام عالم اسلام کے کروڑوں مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کی مشینیں آج بھی اسی طرح کام کر رہی ہیں، میڈیا ز میں تیزی پیدا ہونے کی بدولت زیادہ موثر طریقے سے کام ہو رہا ہے۔ حج و زیارت کے لیے جانے والے مسلمانوں کو ایسا دیدہ زیب لٹریچر ”فی سبیل اللہ“ فراہم کیا جاتا ہے، جنہیں پڑھ کر ان کے ایمان کی دنیا متزلزل ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں ان کے ایجنٹ بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ان کی کبھی ہوئی کتابوں کے ترجمے کر کے انہی کی فراہم کردہ دولت کے بل بوتے پر مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ بلکہ پاکستان اور ہندوستان کے مزارات پر ہونے والی ”بدعات“ اور مسلمانوں کی عقیدت کے مناظر کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بیان کر کے انہیں کتابیں لکھنے پر اکسا رہے ہیں، پھر ان کتابوں کی اشاعت کی آڑ میں نجانے کیا کچھ کمار ہے ہیں، ہمارے ان سلفیوں اور اثریوں کی مساجد اور مدارس چند مہینوں میں پروان چڑھ جاتے ہیں تو اس میں سعودی شیوخ کی خصوصی اعانت کا فرما ہوتی ہے۔ یہ کتابیں، یہ مساجد، اور یہ مدارس



کیا ہیں، مسلمانوں پر نجدی اقتدار کو مسلط کرنے کے عملی پروگرام ہیں، اب تو ان لوگوں کے پاس جدید ترین اسلحہ کے انبار کھل رہے ہیں، جن کا شاید مسلمانوں کو تھوڑا بہت احساس ہونے لگا ہے، دجل و فریب سے فضا اس قدر رکدر ہو چکی ہے کہ ذیوں حال اہل سنت ان کی کس کتاب کا جواب دیں اور کس کا جواب نہ دیں، کس مدرسے کا ناطقہ بند کریں اور کس کا نہ کریں، یہی افراتفری اور مذہبی انارکی پیدا کرنا ان کا مشن تھا، پاکستان میں لشکر طیبہ جیسی تنظیموں کا ”جہاد“ بھی اسی خارجی تحریک کا جدید روپ ہے، جہاد کے نام اور اسلام کے نام پر، اہل اسلام کا سرمایہ اکٹھا کرنا اور توحید کے نام پر بزرگان دین کے خلاف استعمال کرنا ان کی زندگی کا اہم کردار ہے۔ یہ تنظیمیں اسی ”خارجی جہاد“ کی تصویر ہیں، جو ابن عبدالوہاب نے دیار عرب میں شروع کیا اور مولوی اسماعیل دہلوی نے سرحد کے مسلمانوں کے ساتھ لکر لے کر جاری کیا۔ ان دونوں شخصیات کے طرز فکر، انداز جہاد اور باقی کردار حیات میں ایک ہی ”خارجی نظریہ“ لہر لہر انگڑائیاں لے رہا تھا کہ مسلمانوں کے اندر پھیلے ہوئے ”شرک“ کو ختم کر دیا جائے۔ اب یہ تنظیمیں بھی اسی نظریے پر عمل پیرا ہیں، کسی نو جوان کو جہاد کے فضائل بتا کر ٹریننگ کیمپوں میں لے جاتی ہیں اور وہاں اس کی عسکری تربیت کے ساتھ ساتھ فکری تربیت کا خاص اہتمام کرتی ہیں، بے روزگار نو جوان ان کی چمک کے ہاتھوں اپنا دین ایمان گنوا بیٹھتا ہے، وہ مجاہد کامل بن کر اپنے گاؤں میں آتا ہے تو لوگوں کو بخاری شریف اور مسلم شریف دکھا دکھا کر رفع یدین پر اکساتا ہے، امین بالجبر اور سورت فاتحہ خلف امام اور اس طرح کے فقہی مسائل پر الجھاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آباؤ اجداد کے سنی حنفی طریقے کا نام لے تو کافروں کے رد میں نازل ہونے والی آیات پڑھ کر سناتا ہے، جن میں آباؤ اجداد کی نسبت دین کے روشن نظریات پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ علم دین سے کورے اور

علمائے دین سے بیزار سیدھے سادھے دیہاتی مسلمان اس خارجی طریق تبلیغ سے متاثر ہو جاتے ہیں، ہم نے کئی دیہاتوں میں ایسی صورت حال کا سامنا کیا ہے۔ مناظروں تک نوبت آپہنچی۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ آخر ہمیں بتایا جائے کہ کون سچا ہے۔ یہ مجاہد کامل بھی تو قرآن ہی پڑھتا ہے، حدیث ہی پیش کرتا ہے، ہمارے مولوی تو ساری عمر ہیر رانجھے کی کتاب سناتے رہے۔ ہمیں کچھ خبر نہیں، ہم کیا کریں، بلکہ اس مجاہد کامل کے مقابلے میں ہمارے کئی نام کے مولوی بری طرح مات کھا جاتے ہیں تو عوام کا اس کی ”سچائی“ پر یقین اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، پھر اس کے لگا تار ”خارجی جہاد“ کے اثرات رنگ دکھاتے ہیں، چند جذباتی نو جوان اس کی ”دعوت تحریک“ کے ”انصار“ بن جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں سے باہر ایک ”مسجد ضرا“ معرض وجود میں آ جاتی ہے، جس میں درس ہی یہی دیا جاتا ہے کہ کیا ہیں نبی، کیا ہیں ولی، کیا ہے ختم درود، قبر کیا دیتی ہے، اللہ کے سوا کسی کو نہیں ماننا چاہئے، ہمارے ایسے ہی کئی نو جوانوں سے اچھی خاصی منہ ماری ہو چکی ہے، مثلاً ایک دفعہ قرہی گاؤں میں جلسہ ہوا تو ایک نو جوان جلسے کے دوران کھسر پھسر کرتا رہا، یہ بھی ان کی تربیت کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے جلسوں اور محفلوں میں جاؤ اور وہاں کے ماحول کو خراب کرو، تاکہ کسی محفل کے فیوضات عام نہ ہو سکیں، آدھے لوگ تقریریں رہے تھے اور آدھے اس نو جوان کی حرکتوں کی طرف متوجہ تھے، ہم نے کہا، اس نو جوان کو کیا تکلیف ہے، لوگ کہنے لگے، جی یہ نو جوان کالج میں پڑھتا ہے، آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہے، پھر اس نے کھڑے ہو کر بولنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ ہی غوث ہے، اللہ تعالیٰ ہی داتا ہے، تم لوگ ولیوں کو غوث اور داتا مان کر شرک کر رہے ہو، ہم نے کہا، اللہ تعالیٰ ہی ”مولانا“ ہے، تم لوگ اپنے مولویوں کو ”مولانا“ مان کر شرک کر رہے ہو، ہمارے اس برجستہ جملے سے نو جوان کو دھچکا لگا اور وہ خشک لبوں



پر زبان پھیرنے لگا، اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے، اس کی اسی کشمکش نے اس کے دجل و فریب کو آشکار کر دیا تو سیدھے سادھے دیہاتی لوگ کھلکھلا کر ہنسنے لگے، پھر ہم نے اپنا اصلاح اعمال پر مبنی موضوع ایک طرف رکھتے ہوئے اصلاح عقائد پر گفتگو شروع کی اور لوگوں کو بتایا کہ ہم ولیوں کو کسی معنی میں غوث اور داتا مانتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس نوجوان کی ”دعوت و تحریک“ نے ہمیں ڈگمگایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور اقدس ﷺ کی نظر رحمت سے ہم بچ گئے ہیں، ایسے مجاہدین اب جگہ جگہ نظر آتے ہیں، ٹرینوں میں، بسوں میں، تانگوں میں ایک ایک سواری پر محنت کر رہے ہیں اور ”خارجی دعوت“ کو عام کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک رکشے میں ایک نوجوان سے ہماری ملاقات ہو گئی، اس نے کہا، آپ ”مولوی صاحب“ ہیں، احقر نے کہا، مولویوں کا خادم ہوں، وہ کہنے لگا، پھر آپ نے مولانا عبد الوہاب صاحب کا نام تو سنا ہوگا، ہزاروں لوگ ان کے پیچھے جمعہ ادا کرتے ہیں، لاہور میں فلاں جگہ ان کی بڑی عالی شان مسجد اور مدرسہ ہے، وہ قرآن و حدیث سے باہر نہیں نکلتے، آپ ان سے ضرور ملا کریں، احقر نے کہا، میں ایسے اوصاف و کمالات والی شخصیت کو نہیں جانتا، مجھے افسوس ہے، موقع ملا تو ان کی زیارت کروں گا، احقر خاموش ہو گیا تو وہ پھر گویا ہوا، اصل میں ناوہ توحید پر بڑا زور دیتے ہیں، احقر پھر اس کی طرف دیکھنے لگا، وہ کہتا جا رہا تھا، وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ اللہ ہی خالق و رازق ہے، وسیلہ کچھ نہیں، نبی اور ولی کا توسل حاصل کرنا مسلمان کو مشرک بنا دیتا ہے، احقر نے کہا، پھر تو آپ کے مولانا صاحب عجیب آدمی ہیں، کیا وہ نہیں جانتے کہ یہ عالم اسباب ہے، عالم وسائل ہے، یہاں جس طرح ہمارے جسم کو منزل مقصود پر پہنچنے کیلئے فرین، بس اور رکشے کی ضرورت ہے، اس طرح ہماری روح کو منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے اہل اللہ کے وسیلے اور ذریعے کی

ضرورت ہے، کیا آپ کے مولانا صاحب یا آپ، والدین کے وسیعے کے بغیر ہی دنیا میں تشریف لائے تھے، کیا آپ لوگ عالم ارواح سے عالم اسباب میں اندھی چھلانگ لگا کر اترے ہیں، یہاں پاکستان ہی کیا، پورے عالم اسلام کے مسلمان اللہ تعالیٰ ہی کو خالق و رازق تسلیم کرتے ہیں، جس طرح اس خالق و رازق نے ہمارے جسم کے لئے وسیلے پیدا کئے ہیں، اس طرح ہماری روح کے لئے بھی وسیلے پیدا کئے ہیں، ان وسیلوں سے رابطہ کرنا اور ان سے استفادہ کرنا اس خالق و رازق ہی کا فرمان ہے، آپ اگر اس رکشے پر نہ بیٹھتے تو نجانے کب منزل مقصود پر پہنچتے، وہ نوجوان احقر کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگا، یہ تمام باتیں اس کے لئے بالکل نئی تھیں، اس کو ”خارجی مجاہدوں“ نے صرف ایک ہی پٹی پڑھائی تھی، انبیاء کرام اور اولیاء کرام کا وسیلہ شرک ہے، احقر نے کہا، یا آپ اس مولانا صاحب کے پاس ہدایت لینے جاتے ہیں، کیا وہ آپ کی اس ہدایت کا وسیلہ نہیں، آپ نے ان کی اتنی تعریف کی ہے، تو کیا وہ پیغمبر برحق، جس کا آپ کلمہ پڑھتے ہیں، اس کا آپ پر کوئی حق نہیں، وہ مولانا کیسے ہیں، جو آپ کو نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے دور کر کے اپنی محبت میں گرفتار کر رہے ہیں، ہم تو کبھی ان سے نہیں ملیں گے۔

تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور

ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

ایسی کتنی ہی مثالیں ہیں، جو ہمارے محبت شعار معاشرے کو نفرتوں سے آلودہ کر رہی ہیں۔ اسی طرح احقر دربار داتا کی طرف جانے والی ویگن پر بیٹھا تو آگے ایک بستر بردار جماعت بھی جلوہ افروز تھی، ان کے امیر نے مجھے بیٹھنے ہی تاڑ لیا۔ وہ میرے قریب بیٹھ کر فرمانے لگے، ماشاء اللہ! آپ کوئی مولانا لگتے ہیں، آئیں نا ہمارے ساتھ چلیں، احقر نے کہا، کہاں، وہ کہنے لگے رائیوٹ اور کہاں، احقر نے کہا، آپ بھی بڑے



باشعور لگتے ہیں، انہیں ناہارے ساتھ چلیں، وہ حیرت سے پوچھنے لگے، کہاں، احقر نے کہا، دربار داتا اور کہاں، وہ کہنے لگے وہاں کیا رکھا ہے، احقر نے کہا، تو وہاں کیا رکھا ہے، وہ کہنے لگے، افسوس آپ نہیں سمجھیں گے، احقر نے کہا، افسوس آپ بھی نہیں سمجھیں گے، اب امیر صاحب لا جواب ہو کر ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگے تو ان کی اس دلچسپ حالت پر باقی سواریاں بہت محظوظ ہوئیں، یہاں ہم یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اب ہمیں اپنی ”اسی فیصدی“ پر نازاں ہونے کی بجائے کوئی کام کرنا پڑے گا، سرحد کی صورت حال آپ کے سامنے ہے، وہاں کے سادہ دل پٹھانوں کو ان لوگوں کی ”دعوت و تحریک“ نے بہت متاثر کر دیا ہے۔ دور دور تک ان کی مساجد اور مدارس کا جال بچھا ہوا ہے۔ بلوچستان بھی آپ کے سامنے ہے۔ دونوں صوبوں کی اسمبلیوں میں وہ لوگ کتنی تعداد میں قابض ہو چکے ہیں اور ”اسی فیصدی“ لوگوں کے پاس باتوں کے سوا اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے بلکہ توڑنے کے سوا کیا رکھا ہے۔ اس دور میں ”خارجی دعوت اور تحریک“ کے مراکز پر اقوام عالم کا اپنے مذموم منصوبوں کے تحت ہی سہی، ایک عذاب نازل ہوا تو ہماری حکومت نے بہتی لنگا میں چھلانگ لگا دی، ہر حکومت کو علم تھا کہ ان ”خارجی علمبرداروں“ کے پاس کتنا اسلحہ جمع ہو چکا ہے، ان کے مراکز کتنے مضبوط ہو چکے ہیں، ان کے افراد کتنے ہٹ دھرم، ضدی، جوشیلے اور کھل کر سامنے آچکے ہیں، جہاد کی آڑ میں کس قدر فساد برپا ہو رہا ہے، ایک واقعہ سنئے، ایک بس لاہور جا رہی تھی، احقر بھی اس میں سوار تھا، اس میں تین مجاہد سوار ہوئے تو ان کے وحشی چہروں اور بالوں کو سب مسافر حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے، ڈرائیور نے گانا لگا دیا، ایک مجاہد نے نہایت نگلی گالیاں دیتے ہوئے شپ کا پسٹیکرا اپنے آنٹی مکوں سے توڑ دیا۔ سب لوگ خوفزدہ ہو گئے، پھر انہوں نے ”توحید“ کی تبلیغ شروع کر دی۔ احقر نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر

کے کہا، یہ گانا بری بات تھی، آپ نے اس کے مخرج کو مکوں سے توڑ دیا، بالکل اسی طرح مسلمان کو گالیاں دینا بھی بہت بری بات ہے، آپ اس کے مخرج یعنی اپنی زبان کو کاٹ کر باہر پھینک دیں، ہمیں تو آپ کی تربیت پر حیرت ہوتی ہے کہ آپ ایک غلط کام کو ختم کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ غلط کام کا ارتکاب کر رہے ہیں، احقر کی ان باتوں سے لوگوں کا خوف کچھ دور ہوا وہ بھی احقر کے ہمنوا بن گئے۔ اتنے میں ان کا شاپ آ گیا تو وہ بڑبڑ کرتے ہوئے اتر گئے۔ اتنا قشہ دروہ پاکستان جیسا ”ناؤک مزاج“ ملک کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان افراد کی سرگرمیوں سے حکومت کے ادارے بے خبر ہیں، حکومت نے عالمی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو دھمک دیا اور ان کی تحفیموں پر پابندیاں عائد کر دی ہیں تو اس میں عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کا فائدہ ہے۔ اگر زبانی جمع خرچ نہ ہوگا تو نتائج عوام المسلمین کے لئے سودمند ثابت ہوں گے، ان حالات میں سواد اعظم پاکستان کا کردار بڑا جاندار ہونا چاہئے تھا۔ ہمارے مشائخ، ہمارے علما، ہمارے خطباء، ہمارے نعت خوان، ہمارے فرائد، خدا خیر کرے، کس شعبے پر تبصرہ کیا جائے۔ صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ ان حالات میں بھی نہ سنجنہل سکے تو شاید بہت زیادہ دیر ہو جائے گی، پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی نکل چکا ہے، بہت سا پانی نکل جائے گا، سانپ گزر جائے تو لکیر پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، وقت گزر جائے تو محنت بھی رنگ نہیں لاتی، خدا را اپنے اس فرض منصبی کو پہچاننا چاہئے، جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے ذمے عائد کیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے ہر ”بزرگ“ کی اپنی ترجیحات ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جو ہم کر رہے ہیں، کوئی اور نہیں کر سکتا، اپنے حلقہ اثر میں بیٹھنے والے افراد کو صرف اور صرف اپنے انفرادی مشن کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ ہمارے کتنے ہی اداروں اور شخصیتوں کو دوسروں سے نبھانے



کتنے شکوے ہیں، اس رویے سے مسلمانوں کی اکثریت میں اجتماعیت کا جذبہ پروان نہیں چڑھ رہا، لوگ ایک خود ساختہ دائرے میں بند ہیں، جس آلود ماحول میں ان کے فکر و نظر کی نشوونما رک گئی ہے۔ کاش انہیں کوئی بتا دیتا۔

اتھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ہم اور ہمارے اکثر بزرگ ہر روز تقریر و تحریر میں امریکہ، برطانیہ، اسرائیل، انڈیا اور ان جیسے عالمی بد معاشوں کو خوب کوستے ہیں، لیکن ان سے مقابلے کے لئے اپنی نوجوان نسل میں کونسا ولولہ بیدار کر رہے ہیں، اگر ہمارے شاگرد ہو یا ہمارے مرید ہو تو خبردار فلاں کی شکل و صورت بھی نہ دیکھنا اگرچہ وہ بیچارہ بھی حضور رحمت دو عالم ﷺ کا محتاج نظر ہو، وہ بیچارہ بھی ”یا رسول اللہ“ پکار کر اپنے سچے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو، حضور سراپا نور ﷺ ہی جان مرکزیت ہیں، لیکن ایسی حرکات کرنے والوں نے لاشعوری طور پر شاید اپنی ذات کو جان مرکزیت سمجھ رکھا ہے۔ اگر نہیں تو ہمیں بتایا جائے کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے ناراض رہنے کا کیا شرعی جواز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے ایک کمال کا واقعہ لکھا ہے، پڑھیے اور عمل کی کوشش کیجیے،

”وہ شیخ اکبر فرماتے تھے کہ مجھے ایک شخص سے اس لئے عداوت تھی کہ وہ شیخ ابو مدین مغربی پر طعن کرتا تھا، جبکہ مجھے شیخ مغربی کی بزرگی کا یقین تھا، ایک روز بغیر ﷺ کی خواب میں، میں نے زیارت کی، گویا آپ ﷺ فرماتے ہیں، کہ تم فلاں شخص سے کیوں بغض رکھتے ہو، میں نے عرض کیا، کیونکہ وہ ابو مدین سے دشمنی رکھتا ہے، اور میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں، آپ ﷺ نے

فرمایا، کیا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست نہیں رکھتا، میں نے عرض کیا، ہاں رکھتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، تو ابو مدین کے ساتھ بغض کی وجہ سے اس سے عداوت رکھتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ دوستی کیوں نہیں رکھتا، شیخ اکبر نے کہا، میں نے اس کے بعد اس دشمنی سے اللہ کے حضور توبہ کی، اور اس کے گھر گیا، اس سے معذرت کی اور قصہ بیان کیا، قیمتی کپڑا تحفہ پیش کر کے اسے راضی کیا، پھر میں نے ابو مدین کے متعلق ناراضگی کا سبب پوچھا تو اس نے جو وجہ بتائی، وہ ایسی نہ تھی، جس کی وجہ سے ابو مدین کے ساتھ دشمنی رکھی جائے۔ میں نے اسے حقیقت سمجھائی، پس اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کی اور طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور ہم سب میں رسول اللہ ﷺ کی برکت جاری ہو گئی، والحمد للہ، (انفاس الحارثین ص ۲۹۳)

اللہ، اللہ، وہ تو شیخ اکبر تھے، جنہوں نے اصل معیار محبت اور جان مرکزیت کا شعور حاصل کر لیا، لیکن ہمارے ہاں کئی شیخ اصغر ایسے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے عاشق و رابھی کہلاتے ہیں، لیکن اہل سنت کو کٹھنوں کے کٹھنوں میں دن رات مصروف ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک مسلمان کے ساتھ بائیکاٹ کرنا دین اسلام کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے، ٹھیک ہے یہ لوگ بڑے پارسا ہیں، شب زندہ دار ہیں، فکر عظیم کے حامل ہیں، لیکن کسی گنہگار سے نفرت نہ کریں کیونکہ قیامت کے دن حضور شفیع اعظم ﷺ کی کلام شفاعت گنہگاروں کو تلاش کر رہی ہوگی۔

بات بہت دور نکل گئی، بیگانوں کا ذکر کرتے کرتے یگانوں کا ذکر بھی ہونے لگا،



ہمارے ایک دوست سعودی عرب گئے تو وہاں سے بڑی دیدہ زیب کتابیں لے کر آئے۔ ان کتابوں میں ایک بہت زہر آلود کتاب تھی، ”عقیدۃ المسلم“ جس کا اردو میں ”مسلمان کا عقیدہ“ کے نام سے ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ کتاب شیخ حرم جناب عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے چند رسائل پر مشتمل ہے۔ جسے دارالداہی للنشر والتوزیع ریاض اور مرکز علامہ عبدالعزیز بن باز للدراسات الاسلامیہ، جامعہ ابن تیمیہ مدینہ الاسلام بہار ہند، نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، نظر ثانی کا فریضہ جناب ڈاکٹر محمد لقمان السلفی نے ادا فرمایا۔ تا کیل کے اوپر لکھا ہے ”ہماری دعوت اتباع قرآن وسنت، اسلامی عقیدہ سے متعلق شیخ الاسلام عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کے بے حد مفید اور اہم ترین رسائل و فتاویٰ“ اس جلی عبارت پر زیادہ تبصرہ نہ بھی کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ بھی اسی ”خارجی دعوت“ کا ایک شاخسانہ ہے جس کو قرآن وسنت کی دعوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ اکبر، ژولیدہ فکری کا کیا عالم ہے کہ ان کے شیخ الاسلام کے رسائل اور فتاویٰ ”بے حد مفید“ ہیں، یعنی بے حد نفع اور بے شمار فائدہ عطا کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے محبان کرام اور محبوبان عظام سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچتا، پھر اللہ تعالیٰ کا بڑے سے بڑا محبوب بھی فرد عام ہے، جبکہ ان کا شیخ، شیخ الاسلام ہے۔ پھر اگر نقشبندی، چشتی، قادری، سہروردی کہلانا تو بدعت ہے، سلفی کہلانا کیوں بدعت نہیں، کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارا نام سلفی رکھا ہے، اثری رکھا ہے، اہل حدیث رکھا ہے، اہل قرآن رکھا ہے، افسوس! اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو نظر نہیں آتا۔ پھر کیا حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند، حضرت شیخ معین الدین چشتی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہم الرحمہ عالم اسلام کے اسلاف نہیں، اگر ان کی سلفی نسبت عین قرآن وسنت کے مطابق ہے تو ہماری یہ نسبتیں کیوں مطابق نہیں، پھر اشاعتی اداروں کا نام شیخ عبدالعزیز ابن باز اور شیخ ابن تیمیہ کے نام پر رکھا

کیا ہے، ہمارے مسلمان کسی مدرسے کا نام جامعہ نقشبندیہ یا ادارہ قادریہ وغیرہ رکھ لیں تو مشرک ہو جاتے ہیں، اب خود کیا کیا ہے؟ کیا غیر اللہ کے ساتھ منسوب یہ ادارے حرام ہیں یا حلال؟ اس کا فیصلہ شاید ابن باز کا فکر گستاخ بھی نہ کر سکے، یہ تھی اس کتاب کے تا کیل کی داستان، اندر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے پاکباز بندوں کو باطل معبودوں کی صف میں شامل کر کے کافروں اور مشرکوں کی ترویج میں اترنے والی آیات کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ پیش لفظ میں عیاری کا یہ کمال دکھایا گیا ہے، کہ ”شیخ موصوف کے انتقال پر پوری امت اسلامیہ“ سو گوار ہو گئی، جبکہ کتاب کے اندر شیخ موصوف نے پوری امت اسلامیہ کی اکثریت کو کلمہ توحید کی حقیقت سے نا آشنا قرار دیا ہے، اور اس کو دور جاہلیت کے مشرکوں سے بھی بڑا مشرک ثابت کیا ہے، عجیب بات ہے ایک طرف تو یہ لوگ ساری امت کے لیڈر بنتے ہیں اور دوسری طرف ساری امت کو کلمے سے نا بلد تصور کرتے ہیں، اس نجدی اونٹ کا کیا جائے، نجانے اس کی کوئی کل سیدھی ہے۔ بہر حال ہمارے اس دوست نے فرمایا کہ یہ کتاب بہت زہر آلود ہے، ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کی جا رہی ہے، لوگ اصل حقیقت سے بیگانہ ہیں، ان کی راہنمائی کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا چاہئے، اس راقم عاجز نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور محبوب خدا ﷺ کی رحمت و عنایت پر تکیہ کرتے ہوئے ہاں کہہ دی، مذکورہ کتاب کے رسائل و فتاویٰ کے عنوانات یہ ہیں۔

- ۱: انبیاء کا عقیدہ توحید
- ۲: صحیح اسلامی عقیدہ اور اس کے منافی امور
- ۳: کلمہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم کی وضاحت
- ۴: نواقض اسلام
- ۵: قرآنی آیات کو متعارض اور مجموعہ خرافات کہنے والا اور رسول اللہ ﷺ



کی شان میں گستاخی کرنے والا اسلام کی نظر میں،

- ۶: اہل بدعت کے خلاف اتمام حجت
- i نبی کریم ﷺ سے مدد مانگنے کا حکم
- ii جنوں اور شیاطین سے مدد مانگنے کا حکم
- iii بدعتیوں کے ایجاد کردہ غیر مسنون اور شرکیہ اور اوونظائف کا حکم
- ۷: بدعت سے اجتناب
- i عید میلاد النبی ﷺ
- ii شب معراج میں قیام لیل
- iii پندرہویں شعبان کی رات کی تعظیم،

راقم عاجز نے اس کتاب کے جواب میں جو کچھ رقم کیا ہے، اس کا عنوان بھی ”مسلمان کا عقیدہ“ ہے، جو آپ کی خدمت میں اس دعا کے ساتھ پیش کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو ”شیطانی توحید“ کے اثرات سے محفوظ فرمائے اور ”رحمانی توحید“ پر قائم رکھے، جس میں محبوبانِ خدا کو عزت و عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ربنا تو فنامع الابرار یا عزیز یا غفار یا رب العالمین

بحرمة سيد الانبياء والمرسلين

عليه وعليهم الصلوة والسلام

الى يوم الدين



﴿غلام مصطفیٰ مجددی﴾

ایم اے شریعت

## باب اول

انبیاء کا عقیدہ توحید



بسم الله الرحمن الرحيم

توحید کیا ہے، اس کو سمجھنے کیلئے حضرت محمد الف مانی قدس سرہ کافرمان دیکھئے،  
 ﴿.....﴾ ”اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وجود میں  
 اور نہ الوہیت میں، اور نہ استحقاق عبادت میں، کیونکہ شریک کی  
 ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ  
 نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیت کے منافی ہے، اور  
 جب وہ کافی اور مستقل ہے تو شریک بے کار ٹھہرے گا (مکتوب ۷۷، ص ۳۰)  
 ﴿.....﴾ لا الہ الا اللہ، کوئی بھی ایسا نہیں جو الوہیت و معبودیت کا  
 استحقاق رکھتا ہو، مگر خداوند تعالیٰ، جو بے مثل ہے، واجب الوجود  
 ہے، حدوث و نقص سے پاک اور بری ہے، عبادت کی مستحق وہی  
 ذات ہو سکتی ہے جس کے پاس تمام کمالات ہوں، کیونکہ عبادت  
 کمال تذل اور خضوع و اکسار کا نام ہے، اور خدا تعالیٰ کے سوا تمام

چیزیں اپنے وجود اور اس کے توابعات میں خدا تعالیٰ کی محتاج ہیں،  
 جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں، اور حقیقی نافع و ضار وہی ہے، اور کوئی چیز  
 بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتی، ایسی  
 صفات کاملہ والا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، (مکتوب ۳، ص ۲)  
 ﴿.....﴾ اللہ تعالیٰ اپنی ذات قدیم کے ساتھ موجود ہے، اور تمام  
 اشیاء اس کی ایجاد سے وجود میں آئی ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے  
 سے انہوں نے عدم سے وجود کے میدان میں قدم رکھا ہے، پس  
 اللہ تعالیٰ قدیم و ازل ہے اور باقی تمام چیزیں حادث اور نو پید ہیں،  
 جو قدیم و ازل ہی ہو وہ باقی و ابدی ہے، اور جو حادث و ناپید ہے، وہ  
 فانی اور زوال کے میدان میں ہے، (مکتوب ۶۷، ص ۲)

﴿.....﴾ حق تعالیٰ قدیم و ازل ہے، اس کے سوا کسی کا قدم اور  
 ازلیت ثابت نہیں، تمام مسلمانوں کا اس عقیدے پر اجماع ہے اور  
 جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے قدیم اور ازل ہونے کا قائل  
 ہے، وہ کافر ہے، امام غزالی علیہ الرحمہ نے ابن سینا اور فارابی کی اسی  
 وجہ سے تکفیر کی تھی کہ وہ عقول اور نفوس کے قدیم ہونے کے قائل  
 ہیں، نیز صورت اور پہچانی کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں،  
 اور آسمانوں کو بھی ان اشیاء سمیت جو ان میں ہیں، قدیم سمجھتے ہیں،  
 (مکتوب ۵۵، ص ۳)

﴿.....﴾ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے، جو ہر اور عرض نہیں  
 ہے، محدود اور متناہی نہیں ہے، طویل اور عریض نہیں ہے، دراز



اور کوتاہ نہیں ہے، فراخ اور تنگ نہیں ہے، وہ فراخی والا ہے، لیکن ایسی فراخی کے ساتھ نہیں جو ہمارے فہم میں آ سکے، وہ محیط ہے لیکن اس کا احاطہ ایسا نہیں جس کا ادراک کیا جاسکے، وہ قریب ہے لیکن ایسے قرب کے ساتھ نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے..... اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور کوئی چیز اس سے متحد نہیں، وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا، اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اجزا اور حصص ہونے محال ہیں، ترکیب اور تحلیل اس کی بارگاہ میں ممنوع ہے، اس کا کوئی مثل اور کفو نہیں، اس کے بیوی بچے نہیں،..... جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بلند ہے، (مکتوب ۶۷ و فتر ۳)

..... واضح ہو کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ تو حید یہ ہے کہ اس ذات پاک کو واجب الوجود اور معبود برحق تسلیم کر لیں، اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اسی نتیجے پر آخرت کی نجات اور غیر فانی سعادت کا دار و مدار ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام نے مخلوق خدا کو اسی امر کی دعوت دی تھی، صوفیہ کرام جو خدا پرست، صاحب کشف اور شمع نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں، زمین ان کے سہارے قائم ہے، اور انہی کے فیوض و برکات سے اہل زمین پر نزول رحمت ہوتا ہے، انہی کی وجہ سے لوگوں پر بارش برسائی جاتی ہے، اور انہی کی بدولت انہیں رزق دیا جاتا ہے، اور ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد نصیب نہیں رہتا، ان کے نزدیک تو حید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں، اس لئے وہ وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں مانتے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ موجود مطلق تھا، اور اس وقت نہ کسی کی تخلیق تھی اور نہ کوئی قید لگی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح وہ اب بھی موجود ہے، اور جس چیز کو دنیا، غیر، مقید اور سوا سے موسوم کیا جاتا ہے وہ محض دیکھنے کی چیزیں اور قدرت کے کرشمے ہیں، (رسالہ تہذیب ص ۲۹)

..... اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے، اس کی ہستی بذات خود قائم ہے، اور جس طرح وہ اب ہے، ہمیشہ اسی طرح ہے، اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا، عدم سابق اور عدم لاحق کی اس کی ذات مقدس تک رسائی نہیں۔ کیونکہ وجوب وجود اس کی بارگاہ عالی کا ادنیٰ خادم ہے، اور سلب عدم اس کی مقدس بارگاہ کا کمترین خاکروب ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے جسے ہم عالم کہتے ہیں، خواہ وہ عناصر و الملائک ہوں، خواہ عقول و نفوس اور خواہ بساط و مرکبات، تمام خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں، اور عدم سے وجود میں آئے ہیں، ذاتی و زمانی قدم صرف اسی کے لئے ثابت ہے، اس کے ماسوا کے لئے ذاتی اور زمانی حدث ثابت ہے، (مکتوب ۵۷ و فتر ۲)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ صوفیہ اور علما میں یکساں مقبول لیں،

۱۔ بلکہ تمام فرقے ان کی شخصیت کو عزت و عظمت کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن مقلد حافظ عبد اللہ روپڑی نے لکھا ہے، حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوبات میں تو حید و ملت کی ترغیب اور شرک و بدعت کی تردید اور اعمال شرکیہ اور بدعتیہ کی جس ہمہ کی نشان دہی فرمائی ہے، یہ انہی کا حصہ ہے، اور ایمان اور اعتقاد کی سلامتی کے لئے صحابہ کرام اور علما ملت کے تعامل کا سہری اصول پیش فرمایا ہے، یہ ہر قسم کے انجاد اور گمراہی کی شیطانت کے لئے راجح بھی ہے، اور اس سے بچنے کے لئے تریاق بھی ہے۔ (ملت روزہ الاحقاص ص ۳، ۴، ۱۳ دسمبر ۱۹۵۹ء)



انہوں نے تمام اہل اسلام کا عقیدہ توحید نہایت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ خالقیت، معبودیت اور وجوبیت میں واحد و یکتا ہے، جو اس کے سوا کسی اور کو خالق مطلق، معبود برحق اور واجب الوجود تسلیم کرے گا، وہ کافر و مشرک ہے۔ اسی توحید کی تعلیم انبیاء کرام اور مرسلین عظام نے عطا فرمائی۔ چند آیات ربانی کی تلاوت کیجئے،

..... وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ، ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو، صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور طاغوت (یعنی باطل معبودوں) سے بچ جاؤ، (نحل آیت ۳۶)

..... وَادْعُ إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَوْمٌ لَا يَخْلِفُونَ عَهْدَ اللَّهِ، اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا، میں تو تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں، مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت دینے والا ہے، (زخرف آیت ۲۶، ۲۷)

..... وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ، ہم نے تم سے پہلے بھی جس رسول کو بھیجا، اسکی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو، (انبیاء: ۲۵)

قرآن پاک کی یہ آیات مبارکہ اعلان کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، تمام انبیاء کرام اسی اعلان کے لئے مبعوث کئے گئے، ان آیات مبارکہ کی تشریح اب شیخ عبدالعزیز بن باز کی زبان سے سنئے، فرماتے ہیں:

”اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں جو عبادت کا مستحق

ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو یہی حکم دیا کہ صرف اسی ایک ذات کی عبادت کرو، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ

جتنے بھی معبود ہیں، خواہ وہ انبیاء ہوں یا اولیاء کی شکل میں ہوں، یا شجر و حجر کی شکل میں، جن ہوں یا ملائکہ، سب کے سب معبودان باطلہ ہیں۔“ (عقیدہ المسلم ص ۱۳)

حضرت شیخ کا انداز دیکھئے، انبیاء کرام، اولیاء عظام اور ملائکہ فحam کو بھی کفار و مشرکین کے معبودوں میں شامل کر لیا۔ یہی خارجی اور نجدی فکر ہے۔ حالانکہ ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کوئی مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان مقدس بندوں کو معبود نہیں مانتا، باقی رہی یہودیوں اور عیسائیوں کی بات، کہ وہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کرتے ہیں تو مسلمانوں کو ان کے ذمے میں شامل نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی انبیاء کرام کو باطل معبودوں کی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے، کیونکہ باطل معبود وہ ہے جو اپنی عبادت سے خوش ہوتا ہے، جبکہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا، وہ قیامت کے دن اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے، یہودی اور عیسائی تو انبیاء کرام کو خدا کی اولاد سمجھتے ہیں، کیا اس میں بھی انبیاء کرام کا قصور ہے، ان تمام باطل عقائد کی سزا ان باطل قوموں اور باغی امتوں کو ملے گی یا ساتھ ساتھ انبیاء کرام کو بھی ملے گی، کیا قرآن پاک میں کوئی ایسی آیت موجود ہے، جس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدہ اہیت اور نظریہ عبادت کی تردید کرتے ہوئے معصوم انبیاء کرام کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہو، ہاں کتنی ہی آیات میں ان کے کمالات و فیوضات کا تذکرہ چھیڑا گیا ہے۔

**ایک سوال کا جواب دیجئے:** اگر آپ کا یہ عقیدہ درست ہے کہ انبیاء کرام علیہم

السلام محمد بن عبد الوہاب نجدی نے کتنے دشمنانک انداز میں لکھا ہے، اما السابقون الاولون والنساء والنساء والاولاد حقون فمحمداً وعلی وعبداً بقادر وکلن سواء یعنی پہلے معبودات، عزری اور سواہ ہیں اور بعد والے معبود محمد علی اور عبد القادر ہیں، اور سب برابر ہیں (کتاب التوحید)



السلام، اولیاء عظام اور ملائکہ فحتم بھی باطل معبودوں میں شامل ہیں تو پھر اس آیت کا کیا جواب ہوگا، انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم یعنی اے کافرو، تم اور تمہارے سب معبود دوزخ کا ایندھن ہیں، ہمارا سوال ہے کہ کیا انبیاء، اولیاء اور ملائکہ دوزخ میں پھینکے جائیں گے، (معاذ اللہ) اسی طرح ایک اور آیت ہے، اف لکم ولما تعبدون من دون الله افلا تعقلون یعنی اے کافرو، تف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے، یہاں بھی یہی سوال ہے کہ کیا انبیاء، اولیاء اور ملائکہ پر بھی تف ہوگی، (معاذ اللہ) اس سوال سے بچنے کے لئے تمام مفسرین امت نے کہا ہے "من دون اللہ" سے مراد کافروں کے اصنام اور اوثان ہیں، جن کی وہ عبادت کرتے تھے، جن کو قرب الہی کا وسیلہ تصور کرتے تھے، جن کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں حصہ دار تصور کرتے تھے، یا نمرد، فرعون جیسے بد معاش انسان ہیں جو اپنی عبادت پر خوش ہوتے تھے بلکہ مخلوق خدا کو جبراً اس پر مائل کرتے تھے، پھر یاد رہے کہ خالق کائنات اور رسولان موجودات نے جہاں باطل معبودوں کی مذمت بیان کی ہے وہاں محبوبوں کی عظمت بھی بیان کی ہے، تاکہ عقل انسانی ان دونوں گروہوں میں بنیادی فرق کا خیال رکھے۔

المسوس "فکر خارجی" نے تو ہر امتیاز ہی ختم کر دیا ہے۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں کو جھجھوڑا ہے۔

"ہرگز برابر نہیں ہو سکتے دوزخی اور جنتی، بے شک جنتی لوگ ہی کامیاب ہیں"

**اشکال کہاں ہے:** شیخ عبدالعزیز بن باز نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو معبودان باطلہ کی صف میں کیوں شامل کیا ہے، ان کے پیش نظر یہ آیت مبارکہ ہے،

ذالک بان الله هو الحق وان ما يدعون من دونه هو الباطل، یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے، اس کے سوا جیسے

بھی یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ باطل ہے، (عقیدہ المسلم ص ۱۳)

گویا شیخ کے نزدیک انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی پکارا جاتا ہے اس لیے وہ بھی باطل ہو گئے، حالانکہ تمام مفسرین امت نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہاں پکار سے مراد عبادت ہے، یعنی یہ دعویٰ کا مطلب معبودان ہے، تو اب پوری آیت کا ترجمہ یہ بنا کہ "یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے، وہ باطل ہے اس کے سوا جیسے بھی یہ لوگ پوجتے ہیں، یا جسکی بھی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، وہ باطل ہے، الحمد للہ کوئی مسلمان کسی نبی اور کسی ولی اور کسی فرشتے کی عبادت نہیں کرتا لہذا اس آیت کریمہ کی زد سے مسلمان بھی خارج ہو گئے اور انبیاء، اولیاء بھی خارج ہو گئے، یہ تو کافروں اور ان کے باطل معبودوں کی تردید میں نازل ہوئی ہے، خدا را اسے اہل اسلام پر تو چسپاں نہ کریں، اگر آپ کو اصرار ہے کہ پکارنا بھی دراصل عبادت کرنا ہے، تو ہم کہیں گے کہ پھر بھی فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑے گا، یعنی اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر، مستعان حقیقی سمجھ کر، یا اللہ کے سوا کسی کو مشکل کشا سمجھ کر پکارنا شرک ہے، کوئی مسلمان کسی نبی اور کسی ولی اور کسی فرشتے کو اللہ کے سوا معبود سمجھ کر یا اللہ کا مقابلہ کرنے کے لیے نہیں پکارتا، ہم ان کو رسول اللہ، ولی اللہ، نبی اللہ، صفی اللہ، خلیفۃ اللہ، ذبیح اللہ، روح اللہ، کلیم اللہ، خلیل اللہ اور حبیب اللہ سمجھ کر پکارتے ہیں، حضرت شیخ کو کیا ہو گیا ہے، اللہ عارف و رحیم ہے تو کیا اس نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو رءوف و رحیم نہیں کہا، کیا اللہ نے ان کو اپنے مقابلے میں رءوف و رحیم کہا ہے، یا اپنے سوا معبود بنا کر پیش کیا ہے، اب مسلمان انہیں رءوف و رحیم کہتے ہیں تو کیا برا کرتے ہیں، کیا حضرت شیخ کو اس میں بھی شرک کی آمیزش نظر آتی ہے، ہاں ہر خارجی سوچ والے انسان کو نظر آتی ہے، جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے لکھا ہے،



”نجدی وہابی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت نہیں کرتے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۹۳۶ء میں راقم الحروف کو گنبد خضرا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے اسما مبارکہ میں سے رد و ف اور رحیم مٹے ہوئے ہیں، میں نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نجدیوں کو ان ناموں سے شرک کی بو آتی ہے، اس پر میں نے کہا، بات تو جب ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ان دونوں لفظوں کو خارج کر دیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و بالسموین

رد و ف رحیم (شرح ارمغان حجاز)

**مفسرین کرام کی توہمات:** یاد رہے کہ بہت سی آیات قدسیہ میں اللہ تعالیٰ نے تدعون، يدعون کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس کا معنی سب کے نزدیک تعبدون، يعبدون ہے۔ یعنی عبادت کرتے ہیں۔ علامہ جمیل افندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، بے شک دعا جو ان آیات میں مستعمل ہے، تو اس کا معنی عبادت ہے، اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اور وہ نہ انبیاء و اولیا کو الہ بنااتے ہیں اور نہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں، وہ اللہ کے بندے ہیں اور مخلوق ہیں، اور وہ قبروں کی زیارت اور توسل سے ان کے تبرک کا ارادہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ہیں، (انجیر الصادق ص ۳۸) اب یہاں چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں ایک آیت ہے، قل اراء ينسم شركاء كم الذين تدعون من دون الله، یعنی فرما دے، اپنے ان شریکوں کو دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، تفسیر جلالین میں ہے، تعبدون ای غیرہ وہم الاصنام، یعنی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، اور وہ بت ہیں، یہی

بات تفسیر روح البیان، تفسیر خازن، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل میں موجود ہے، حضرت امام قرطبی فرماتے ہیں، و کان هذا رد علی من عبد غیر اللہ عزوجل لانہم یحصلون فی کتاب من الکتاب ان اللہ عزوجل امر ان یعبد غیرہ اس آیت میں اس آدمی کا رد ہے جس نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی، کیونکہ اس کا اللہ نے کسی کتاب میں بھی حکم نہیں دیا، (تفسیر قرطبی ۷/۶۲۷)

ایک اور آیت ہے، من اضل ممن یدعوا من دون الله من لا یتحیب له الی یوم القیامۃ و ہم عن دعاء ہم غفلون و اذا حشر الناس کانوا لہم اعداء و کانوا بعبادتہم کافرین ۵ اور اس سے بڑا گمراہ اور کون ہوگا، جو اللہ کے سوا الہیوں کو پکارتے (یعنی ایسوں کی عبادت کرے) جو قیامت تک ان کی کوئی بات نہیں سن سکتے، اور وہ ان کی پکار (عبادت) سے غافل ہیں، اور جب لوگوں کا حشر قائم ہوگا، وہ ان کے دشمن ہوں گے، اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے (سورۃ الاحقاف آیت ۶۵)

یہاں بھی یدعوا کا معنی یعبد ہے، اور معبود سے مراد اصنام ہیں، تفسیر ابن عباس میں ہے، ”اس سے بڑا گمراہ کون ہے، جو عبادت کرتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی کہ وہ بت قیامت تک ان کی نہیں سن سکتے، بت ان کی عبادت سے غافل ہیں اور جب قیامت آئے گی تو وہ بت اپنے پجاریوں کے دشمن ہوں گے، اور ان کی عبادت سے بیزار ہوں گے“ تفسیر ابن جریر میں ہے، ”قیامت تک وہ بت ان کی نہیں سن سکتے، اس لئے کہ وہ پتھر اور لکڑی کے ہی تو بنائے گئے ہیں“ تفسیر معالم التنزیل میں ہے، ”لا نہا حماد لا نسمع ولا نفہم، کیونکہ وہ پتھر ہی ہیں، جو نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں“ تفسیر قرطبی میں ہے، ”وہی الاوثان، اور مراد بت ہیں، تفسیر ابن کثیر میں ہے ”لا نہا حماد حجارة صم“، کیونکہ وہ بت پتھر ہیں، کچھ نہیں سن سکتے، تفسیر روح البیان میں ہے،



”ای الاصلنام عن دعا الداعین المشرکین وعبادتم یعنی وہ بت ہیں جو پکارنے والے مشرکوں کی عبادت سے غافل ہیں“ یہی تفسیر جلالین، تفسیر خازن، تفسیر مظہری اور باقی تفاسیر اسلاف میں موجود ہے۔ حیرت ہے کہ ایسی آیات میں انبیاء اولیا کا ذکر تک نہیں، لیکن ان کے بغض سے مالا مال لوگ کس طرح جرأت کے ساتھ قرآن کی تحریف معنوی میں مصروف ہیں، پھر اس آیت کریمہ پر ہی غور کر لیا جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے، فرمایا لو کانوا بعد انهم کافرین، یعنی ان کے معبودان کی عبادت سے کافر ہوں گے، یعنی انکار کریں گے، معلوم ہوا کہ پیچھے مذکور لفظ ”بدعوا“ سے مراد عبادت کرنا ہی ہے، یا ان کو معبود سمجھ کر پکارنا ہے، پھر اگر انبیاء اور اولیا ان معبودان باطلہ کی صف میں شامل ہیں تو کیا وہ بھی غافلون اور کافرین کے الفاظ کے حقدار ہیں، کیونکہ معبودان باطلہ کو ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کو خدا تعالیٰ کا خوف کرنا چاہئے کہ ایسی آیات کو محبوبان خدا پر چسپاں کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔

ایک اور آیت ہے، ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً، بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں، تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو یعنی کسی کی عبادت نہ کرو، یا کسی کو خدا سمجھ کر نہ پکارو، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، فلا تدعوا، فلا تعبدوا نہ پکارو، یعنی نہ عبادت کرو، یہی مفہوم تفسیر روح البیان، تفسیر معالم المتزیل، تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر اس آیت کو ایک اور آیت کی روشنی میں سمجھا جائے، فرمایا لا تدع مع الله الهاً اخر، اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الہ کو نہ پکارو، معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو الہ سمجھ کر پکارنا یا اسکی عبادت کرنا شرک ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔ یہاں تک انبیاء اور اولیا کو پکارنے کا تعلق ہے تو انہیں الہ سمجھ کر یا اللہ کا مقابلہ کرنے کے لئے نہیں پکارا جاتا، ایک غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان نے سارا

مسئلہ حل کر دیا ہے، لکھتے ہیں،

”دعائے شرعی کا معنی ہے عبادت، صلوات کی طرح، لہذا اللہ کے علاوہ یہ کسی اور کے لئے جائز ہی نہیں، اور یہی مراد ہے ان آیات کی جن میں یہ لفظ ”دعا“ بیان ہوا ہے، اور دعا کا لغوی معنی ہے آواز دینا، یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی جائز ہے، یہ آواز زندہ اور فوت شدہ کو دینا ثابت ہے، اس حدیث کی رو سے جسمیں تاجینے صحابی کو ”یا محمد انی اتوجه بک الی ربی“ کے الفاظ سے دعا سکھائی گئی ہے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے، یا عباد اللہ اعبنونی، اے اللہ کے بندو، میری مدد کرو، سے ثابت ہے، بادشاہ روم کی قید میں شہید ہونے والے مجاہدوں نے بھی ”یا محمد“ پکارا، حضرت عبداللہ بن عمر کا پاؤں سن ہو گیا تو انہوں نے ”واحمدہ“ پکارا، ہمارے اصحاب میں حضرت ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ حضرت اولیس قرنی نے حضرت عمر فاروق کی وفات پر یوں آواز بلند کی، یا عمرہ، یا عمرہ، یا عمرہ (حدیث احمدی ص ۲۲)

**ایک اشکال کا جواب:** قرآن پاک میں ہے،

والذین اتخلوا من دونه اولیا ما نعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ زلفی ان اللہ یحکم بینہم فی ما ہم فیہ یختلفون ان اللہ لا یہدی من ہو کاذب کفار اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنائے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ”یہ بزرگ“ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری



رسائی کرا دیں گے، بے شک یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، اس کا سچا فیصلہ اللہ خود کرے گا، جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا (زمر: ۳۰)

یہ ترجمہ: سلفیوں نے فرمایا ہے، نبیؐ نے ”یہ بزرگ“ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے، تاکہ لوگ بزرگوں اور ولیوں کا رد قرآن پاک میں دیکھ لیں، لا حول ولا قوة الا باللہ، اب ذرا تشریح بھی ملاحظہ فرمائیے۔

”ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بیان کر دیا ہے کہ وہ مشرکین جن کی طرف محمد ﷺ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، انہوں نے بتوں اور انبیاء صالحین کی عبادت اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ وہ نفع نقصان کا اختیار رکھتے ہیں، پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یا روزی دیتے ہیں، بلکہ ان مشرکین نے ان چیزوں کی عبادت اس وجہ سے کی کہ وہ اللہ کے پاس شفاعت اور اللہ کی قربت کے مرتبے تک ان کی رسائی کی امید کر سکیں، ان مشرکین کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر یہ حکم لگایا کہ وہ جھوٹے اور ناشکرے ہیں، (عقیدہ المسلم ص ۲۵)

پھر آگے مزید آیات بیان کی گئی ہیں جن میں ہے کہ ”من دون اللہ“ کے پاس کھجور کی گھٹلی جتنا بھی اختیار نہیں، جو ان کی پکار سنتے ہی نہیں، اگر سن بھی لیں تو فریادری نہیں کریں گے، بلکہ وہ ان کے شرک کا صاف انکار کر جائیں گے، خدا کی پناہ، یہ آیات بھی بتوں اور باطل معبودوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں، لیکن حضرت شیخؒ نے اپنی دست درازی سے کام لیتے ہوئے انبیاء صالحین کو بھی شامل کر لیا ہے۔ کوئی مسلمان کسی نبی اور

ولی کی عبادت نہیں کرتا، یہاں مشرکین کا بتوں اور مصنوعی خداؤں کو قربت و شفاعت کے لیے منتخب کرنا باطل محض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کب شفیع بنایا تھا، جبکہ مسلمان انبیاء اور اولیا کو شفیع مانتے ہیں تو اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے شفیع بنایا ہے، اس عقیدے پر کتنی ہی آیات اور احادیث بیان کی جاسکتی ہیں، جن سے حضرت شیخؒ بھی آگاہ ہیں اور ان کے بارے میں کار بھی آشنا ہیں، پھر مشرکین بتوں اور خود ساختہ خداؤں کی عبادت کر کے سچے خدا کا قرب تلاش کرتے تھے، جیسا کہ ”ما نعبدکم“ کے الفاظ سے ثابت ہے، جبکہ مسلمان نبیوں اور ولیوں کی اطاعت کر کے خدا کا قرب چاہتے ہیں، جیسا کہ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جازک سے ثابت ہے، کونوا مع الصديقین سے ثابت ہے، ان رحمة الله قريب من المحسنين سے ثابت ہے، مو ابغوا اليه الوسیله سے ثابت ہے، مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ہر طرح کی عبادت کا حقدار صرف اللہ وحدہ ہے۔ کسی نبی ولی اور اس کی قبر کو سجدہ کرنا، حرام محض ہے۔ لہذا مشرکین اور مسلمین میں فرق کرنا چاہئے۔ اگر انبیاء کرام کے پاس جا کر دعا کرنا حرام ہوتا تو صحابہ کرامؓ کبھی حضور اکرم ﷺ کے پاس جا کر دعا کی التجا نہ کرتے اور اپنی ہر مشکل میں اُن کو وسیلہ نہ بناتے، بتوں کے پاس جانے سے خدا نے روکا ہے تو ان کے پاس جانا حرام ہے، شرک ہے، انبیاء کے پاس جانے کا خدا نے حکم دیا ہے تو ان کے پاس نہ جانا بغاوت ہے، عداوت ہے، پھر بتوں اور دیگر جھوٹے خداؤں کے پاس تو کھجور کی گھٹلی جتنا بھی اختیار نہیں، وہ سارے مل جائیں تو مکھی کا پر بھی بنا سکتے، کیونکہ وہ اللہ کے مقابلے میں کل آئے ہیں۔ جبکہ انبیاء کرام اور اولیا عظام اور ملائکہ فحاش نے ہمیشہ اللہ کی بندگی کی ہے، اللہ کی اطاعت کی ہے، اللہ کی خلافت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں، لہذا ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی وراثت کا مالک و مختار بنا دیا ہے، فرمایا،



ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذکر ان الارض يرثها  
عبادی الصالحون، بے شک ہم نے زبور میں اپنے ذکر کے بعد  
لکھا کہ زمین میرے نیک بندوں کی وراثت ہے، (سورہ الانبیاء)

اس اشکال کو نہایت سادہ انداز میں سمجھنے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی  
آدمی کسی بت کے سامنے کھڑے ہو کر پکارے، تو روف ہے، تو رحیم ہے، تو کریم ہے، تو  
سمیع ہے، تو بصیر ہے، تو جواد ہے، تو ولی ہے، تو مولا ہے، تو سید ہے، تو عزیز ہے، تو امین  
ہے، تو حفیظ ہے، تو اولی ہے، تو محمود ہے، تو حاکم ہے، تو وارث ہے، وغیرہ، تو وہ مشرک  
ہے، کافر ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ القاب و اسماء  
استعمال کرے تو وہ مشرک نہیں، کافر نہیں، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ القاب و اسماء  
عطا فرمائے ہیں، اور مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ان شانوں کا مالک ہے  
اور حضور نبی کریم ﷺ ان کی عطا سے ان شانوں کے مالک ہیں، ذاتی کا اقرار کرنا اور  
عطائی کا انکار کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ جسے کچھ نہیں دیا گیا، اس کے لئے کچھ ماننا  
کفر ہے اور جسے کچھ دیا گیا ہے، اس کے لئے کچھ نہ ماننا کفر ہے۔

ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے

دیکھ سرکار کا انکار نہ ہوتا پائے

خدا را سوچئے، اصنام اور اوثان کیا کہی کا پر بنائیں گے، وہ کیا کسی کو نفع و  
نقصان پہنچائیں گے، وہ کیا کسی کی حاجت براری کریں گے، جبکہ انبیاء و اولیا کرام  
اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے مالا مال ہیں، وہ مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دیتے ہیں، وہ  
سوکھی کھجوروں کو ہاتھ لگائیں تو تازہ کر دیتے ہیں، وہ اندھوں کو آنکھیں دیتے ہیں، وہ  
کوڑھیوں کو شفا بانٹتے ہیں، وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں، وہ چھپی ہوئی چیزوں کی خبر

دیتے ہیں، وہ خزائن الہی کے وارث ہیں، وہ ہواؤں میں پرواز کرتے ہوئے چوٹی کی  
آواز سے بھی واقف ہیں، آنکھ جھپکنے سے پہلے ہزاروں من وزنی تخت سینکڑوں میل کے  
فاصلے سے لاسکتے ہیں، یا جوج ماجوج جیسی جابر قوم کو ایک فسیل میں بند کر دیتے ہیں،  
اپنے قرب سے سزاوار ہونے والے کتے کو قرآن کا مذکور بنا دیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے  
لور سے پکڑتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، کلام کرتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں، کیا  
قرآن وحدیث میں ان تمام کاموں کی نسبت بندگان خدا کی طرف نہیں، یقیناً ہے اور یہ  
لوگ ان آیات واحادیث کو جان بوجھ کر چھپا کر یہودی روش کا ارتکاب کر رہے ہیں،  
مسلمان ان بندگان خدا کو ان کمالات سے متصف مانتے ہیں، جو صرف اور صرف  
اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، پھر مذکورہ صدر تمام کمالات مافوق الاسباب ہیں، ماتحت الاسباب  
نہیں، جبکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بندہ اپنے خالق کا محتاج ہے۔ اگر  
خدا نہ چاہے تو بندہ ماتحت الاسباب بھی کسی کی امداد نہیں کر سکتا، اس اعتبار سے ہماری  
توحید نجدی توحید سے زیادہ مضبوط ہے۔ کسی صنم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ صاحب  
شفاعت اور باعث قربت ہے تو یقیناً جھوٹ اور ناشکری ہے، لیکن حضور جان کرم ﷺ  
کے بارے میں کہنا یقیناً توحید اور ایمان کا ثبوت ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے،

..... اے محبوب، عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر

فائز کر دے گا۔ (القرآن)

..... اے محبوب، عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو راضی کر دے گا۔

..... اے محبوب، وہ کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک

گواہ لائیں گے اور آپ کو ان تمام پر گواہ بنائیں گے، کیا ان تمام

آیات مبارکہ کو تسلیم کرنا تمہارے ایمان کا حصہ نہیں۔



خالص، محبوب کا حق تھا یہی

عشق کے بدلے عداوت کیجئے

**شیخ ابن باز کا سونے ظن:** اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے، اور پیغمبر برحق نے اس کو جھوٹ سے تعبیر کیا ہے، لیکن حضرت شیخ ابن باز اور ان کے پیروکار سب اس بدگمانی کے رسیا ہیں، پہلے ان کے راہنماؤں کی سینے، وفد خلافت کی رپورٹ میں مذکور ہے،

”مدینہ پہنچ کر جب ہم نے اس کی تحقیقات کی تو جو انکشافات ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے..... قاضی عبداللہ بن باہید (نجدی) جب مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے علمائے مدینہ کو اپنے مکان میں بلوایا، علماء مدینہ ان کے مکان پر جمع ہو گئے تو قاضی عبداللہ بن باہید مکان کے اندر تھے، ان کے حقیقی بھائی حمد بن باہید پہلے باہر نکلے اور علمائے مدینہ کو ان کے الفاظ میں مخاطب کیا،

يا اهل حجاز انتم اشد كفرا من هاهنا و فرعون نحن قتلناكم مقاتلة المسلمين مع الكفار انتم عباد حمزة وعبد القادر، (یعنی اے حجاز والو، تم ہا مان اور فرعون سے بھی زیادہ کفر کے مالک ہو، ہم نے تم سے قتال کیا جس طرح مسلمان کافروں کے ساتھ مقاتلہ کرتے ہیں۔ تم حمزہ اور عبد القادر کے بندے ہو، علمائے مدینہ نے کہا کہ ہم سوائے خداوند قدوس کے کسی کی پرستش نہیں کرتے، اور ہم بجز اللہ مسلمان اور مومن ہیں، اس کے جواب میں حمد بن باہید نے کہا کہ کفار بھی بالکل ایسا ہی کیا

کرتے تھے، اور ما نعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ زلفی، کہہ کر اپنی بت پرستی اور کفر نوازی سے انکار کیا کرتے تھے، علمائے مدینہ نے اس اعتراض کا جواب دیا، مگر حمد بن باہید نے جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں کی،“ (مسئلہ جازر پورٹ وفد خلافت ۱۹۴۶ء، ص ۸۵)

اس تاریخی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کا اظہار جناب شیخ کی موروثی جہلت میں شامل ہے، اجنبی شیخ رقمطراز ہیں، ”کلمہ توحید کی یہ حقیقت اکثر لوگوں سے مخفی رہ گئی، یہاں تک کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ جولا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیتا ہے، وہ مسلمان ہو جاتا ہے، اور اس کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے، مگر چہ وہ عبادت کی بہت ساری قسمیں غیر اللہ کے لئے کرتا ہو، مثال کے طور پر دعا مانگنا، ڈرنا، امید وابستہ کرنا، قبر پرستوں سے یہ ساری چیزیں صادر ہوتی ہیں، وہ لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں، جن کو وہ اولیا کا نام دیتے ہیں، اور انہی سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے، مصائب و آلام دور کرنے اور دشمنوں پر غالب آنے کا سوال کرتے ہیں، اور ان کا یہ عمل کبھی تو قبر کے پاس جا کر ہوا کرتا ہے، اور کبھی دور ہی سے ہوا کرتا ہے، کبھی کبھی تو ان قبر پرستوں کا یہ عمل ہمارے نبی کریم ﷺ اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوا کرتا ہے، (عقیدۃ المسلم ص ۱۳)

۱۔ حضرت شیخ کی سوانح امام احمد میں ان کے بارے میں لکھا ہے، حضرت کی سب سے بڑی اور حسین صفت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک اصل بھی حسن ظن ہے، (امام احمد ص ۱۳۹) لیکن ان کے مقالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صفت میں نام و نشان بھی نہیں تھا، ورنہ کروڑوں مسلمانوں کو کافر و مشرک نہ قرار دیتے۔



اس عبارت میں شیخ ابن باز نے کھل کر عالم اسلام کی غالب ترین اکثریت کو ”قبر پرست“ کے لقب سے نوازا ہے۔ حالانکہ خدا شاہد ہے کہ ہماری کسی مستند شخصیت نے کبھی قبر پرستی کا حکم نہیں دیا، اہل اسلام صرف قبروں کی زیارت کرتے ہیں، وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں، ایصال ثواب کرتے ہیں، ایسا فعل حضور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارک سے ثابت ہے، آپ خود قبروں کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے، آپ نے اس کا حکم بھی دیا ہے، قبروں پر دعا بھی مانگا کرتے تھے، یہی صحابہ کرام کا طریقہ ہے، تابعین، ائمہ اربعہ اور امت کے کثیر علماء اور اولیا کا دستور ہے، اس کو ”قبر پرستی“ کی اصطلاح سے یاد کرنا اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے، ہمارے علمائے قبروں کی زیارت کے آداب رقم کئے ہیں، اور ان سے یہ بخدی مفکرین بھی بخوبی واقف ہیں، اگر کوئی جاہل کسی بزرگ کے مزار پر غیر شرعی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے اہل علم بری الذمہ ہیں، ایک جاہل کے عمل کو اکثر مسلمانوں کا طریقہ لکھ دینا نہایت بے انصافی ہے، حضرت شیخ نے دعا کرنے، ڈرنے، امید وابستہ کرنے، اعتماد کرنے، ذبیحہ پیش کرنے، اور نذر ماننے کو عبادت کی اقسام قرار دے کر ان پر عمل کرنے والوں کو توحید سے بیگانہ تصور کیا ہے، سچی بات ہے کہ یہ باریک مسائل حضرت شیخ کے موئے دماغ سے حل نہیں ہو سکے، انہوں نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سیکھا تھا، وہی آگے سکھا دیا۔ غور کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، کاش وہ سوچتے کہ یہ تمام امور تو تب عبادت کی اقسام میں داخل ہوتے ہیں، جب کوئی آدمی کسی قبر والے یا غیر قبر والے کو مستعان حقیقی سمجھ کر سرانجام دیتا ہے۔ ہر عمل کا ایک حقیقی پہلو ہے اور ایک مجازی پہلو ہے، اور ہر عمل کی طرح اس کا دار و مدار بھی نیت پر ہے۔ مسلمانوں کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

**امیرِ اول:** دعا کرنا تو کسی بزرگ دین کو خدا سمجھ کر دعا کرنا یعنی شرک ہے، جس سے

ساری امت محفوظ ہے، رہا یہ کہ اس سے عرض کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، ہمارے لئے دعا کریں۔ یہی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ کا مفہوم ہے کہ اے عبدالقادر جیلانی، اللہ تعالیٰ کے لئے ہمیں کچھ دیں، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ اے اللہ، یہ بزرگ تیرا محبوب ہے، اس کے صدقے میری مشکل آسان کر دے، اس میں کوئی عبادت ہے، مستعان حقیقی تو خدا تعالیٰ کو ہی سمجھا گیا ہے، اس کی کافی وضاحت ہو چکی ہے، حدیث مبارک ہے،

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کرانا کاتبین کے علاوہ اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں، جب کسی ویران زمین پر کسی کو مشکل پیش آئے تو وہ ندا کرے، اے اللہ کے بندو! میری امداد کرو، (مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۲)

اسی مضمون کی حدیث مختلف اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کسی کی سواری بھاگ جائے تو کہے اللہ کے بندو! اسے روک لو، کیونکہ زمین میں اللہ کے نیک بندے روکنے والے موجود ہیں، وہ اس کو عنقریب روک لیں گے، اس کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، حضرت امام علی القاری نے لکھا ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، مسافروں کو اسکی ضرورت پڑتی ہے اور مشائخ سے منقول ہے کہ یہ مجرب نسخہ ہے، (الحزر العین ص ۳۷۹)

قاضی شوکانی نے حضرت ابن عباس والی روایت کے بارے میں لکھا ہے،

”مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کے روای ثقہ

ہیں، اس میں ان لوگوں سے امداد حاصل کرنے کا ثبوت ہے جو نظر



نہیں آتے، جیسے فرشتے ہوں یا نیک جن ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے کہ سواری بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے، (تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۶)

اسی طرح اور بھی متعدد احادیث اس موقف پر پیش کی جاسکتی ہیں، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

”ایک نابینا شخص حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آیا، اس نے عرض کی کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ میری آنکھیں ٹھیک کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو میں اس کام کو موخر کر دوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا، اگر چاہو تو ابھی دعا کر دوں، اس نے کہا ابھی دعا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا، تم اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا کرو، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، محمد نبی رحمت ﷺ کے وسیلہ سے، اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں، اے محمد، میں آپ کے وسیلہ سے اس حاجت کے لئے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں، تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ نبی رحمت ﷺ کو میرے لئے شفیع بنادے، ابواسحاق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، (سنن ابن ماجہ، ص ۹۹، جامع ترمذی ص ۵۱۵، مسند احمد ۱۳۸/۳، مستدرک ۵۱۹/۱)، حضرت امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ بن سہل کی سند سے روایت کیا ہے کہ ابھی ہم مجلس سے اٹھے نہیں تھے کہ وہ نابینا اس حالت میں داخل ہوا کہ اس کی آنکھ میں پینائی موجود تھی۔ (دلائل النبوة ۶۸/۱۶۷)

علامہ قاضی شوکانی نے لکھا ہے،

”اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے، امام طبرانی نے اس کی تمام اسناد بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے، ابن خزیمہ نے بھی کہا ہے کہ صحیح ہے، البتہ نسائی کی روایت میں تفرد ہے، کہ اس میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اس حدیث میں بارگاہ خدا میں رسول خدا ﷺ کا وسیلہ پیش کرنے کا جواز ہے، اس کے ساتھ یہ عقیدہ لازمی ہے، کہ حقیقی طور پر دینے والا اور روکنے والا اللہ تعالیٰ ہے، (تحفۃ الذاکرین ص ۱۳۷)

نیز حضرت امام نووی نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے، (الذکار ص ۱۶۷) پھر وصال مصطفیٰ کے بعد بھی صحابہ کرام کا اس حدیث پر عمل رہا، تو ثابت ہوا کہ حضور نبی دو عالم ﷺ کے حضور یا آپ ﷺ کی امت کے اولیاء کے حضور دعا والہما کے لئے التماس کرنا شرک نہیں، قرآن پاک میں اس کی مثالیں موجود ہیں، قوم بنی اسرائیل کے مظلوم نے قبلی کے خلاف حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے حضور استغاثہ پیش کیا تھا۔ بنی اسرائیل ہمارے نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمایا کرتا تھا،

**امر دوم:** ڈرنا، تو کسی بزرگ دین کو خدا سمجھ کر اس سے ڈرنا یقینی شرک ہے، جس سے ساری امت محفوظ ہے، ہاں اسے مقرب بارگاہ سمجھ کر ڈرنا اور اسے مظہر جلال کبریا سمجھ کر ڈرنا عین توحید ہے، اصل ایمان ہے، حضور پر نور ﷺ نے اپنے خصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا، نصرت بالرعب، میری رعب سے مدد کی گئی، آپ کے چہرہ اقدس کی جلالی کیفیتوں سے ہر انسان کا پتا پانی ہو جاتا تھا، حضرت امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت



ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، حضور ﷺ تشریف لائے تو ان کے ہاتھ سے کوڑا چھوٹ گیا۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے جلال سے ڈرتے تھے، یہ تو وہ بارگاہ ہے جہاں جنید و بایزید کا سانس گم ہو جاتا ہے، آج بھی دیکھ لیں، روضہ مصطفیٰ پر ہیبت مصطفیٰ کے ایسے اثرات طاری ہیں کہ ذائقہ کے جسم سے جیسے روح نکل چکی ہو، یہ رسول کریم ﷺ کا احترام ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ دو آدمی مسجد نبوی میں بلند آواز سے گفتگو کر رہے تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو اشارے سے پاس بلایا اور شدید سرزنش فرمائی، انصار مدینہ نے آپ کا جلال دیکھا تو کہا، ہم اللہ اور رسول اللہ کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا فضل سب سے زیادہ ہے (مصنف ابن ابی شیبہ)، حیرت ہے حضرت شیخ بزرگان دین سے ڈرنے کو شرک سمجھتے ہیں، جبکہ والدین سے اولاد کا ڈرنا، اساتذہ سے شاگرد کا ڈرنا ان کے آداب کا تقاضا ہے، حالی کہتے ہیں۔

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین  
دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے  
جس کو کسی کی شرم نہیں، اس کو کیا کہوں  
فطرت کا وہ رذیل ہے، دل کا کثیف ہے

**امر سوم:** امید وابستہ کرنا، تو کسی بزرگ دین کو خدا سمجھ کر اس سے کوئی امید وابستہ کی جائے تو یقینی شرک ہے، اس سے ساری امت محفوظ ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ سمجھ کر امید وابستہ کی جائے تو تعلیم اسلامی سے ثابت ہے، کیا حضرت شیخ بھول گئے کہ صحاح ستہ کی احادیث شفاعت میں کتنا واضح مضمون ہے، قیامت کے ہولناک دن ساری مخلوق کی حسرت بھری نگاہیں چہرہ مصطفیٰ پر لگی ہوں گی، حضور اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ

السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے انبیاء کرام کی بھی پناہ گاہ ہوں گے، فرمایا، میں قیامت کے دن تمام نسل انسانی کا سردار ہوں، حضور نبی کریم ﷺ واقعی اللہ کے فضل سے امید گاہ ہیں، ارشاد خداوندی ہے، جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو تیرے پاس آجائیں، اور اللہ سے توبہ کریں، اور رسول بھی ان کے لئے سفارش کرے تو اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، (سورہ النساء) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں لوگ اپنی مشکل آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے، بارش کی دعا کراتے، کٹے ہوئے بازو کا علاج کراتے، ٹکلی ہوئی آنکھ کی شفا طلب کرتے، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے، جنت مانگتے، ہاں ہاں، حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے یہی تو کہا تھا، انسی اسلک مرافقتک فی الجنة، میں آپ ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت طلب کرتا ہوں، (مسلم شریف) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تکیہ کلام تھا کہ جہاں وہ اللہ کا ذکر کرتے، ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ، کیا آپ ایک مکان لے کر جنت میں ایک مکان کی ضمانت دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، (مسند احمد) حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مہ

امن علينا رسول الله في كرم

فانك المرء توجوه وتدع

ترجمہ: یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم پر کرم کریں، کیونکہ آپ کی طرف امید وابستہ کی جاتی ہے، (طبرانی شریف) آپ ہی فیصلہ کریں کہ کون سچا ہے، صحابی یا وہابی؟

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

بنت ان رسول الله او عدنی



والعفو عند رسول الله مامول

فقد اتيت رسول الله معتذراً

والعذر عند رسول الله مقبول

ترجمہ: آپ ﷺ نے میرے قتل کی وعید سنائی حالانکہ آپ سے درگزر کی امید رکھی جاتی ہے، میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں کہ اس بارگاہ میں معافی قبول ہوتی ہے، (سیرت ابن ہشام)

اولیا کرام حضور کے نائب ہیں، وہ بھی اللہ کے حکم سے امید گاہ ہیں، قیامت کے دن ان کی شفاعت بھی برحق ہے، اور احادیث سے ثابت ہے، حدیث میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی سے بھلائی کا کام لیتا ہے تو اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے، (شعب الایمان ۱۱۷/۶) اور فرمایا، اللہ کے کچھ بندے لوگوں کی حاجت روائی کے لئے خاص ہیں، یفزع الناس الیہم فی حوائجہم، لوگ گھبرا کر ان کے پاس حاجتیں بیان کرتے ہیں، یہ لوگ عذاب سے امان میں ہیں، (طبرانی کبیر، کنز العمال ۶/۳۵۰)

قیامت کے دن کا منظر سامنے لائیے، ارشاد خداوندی ہے، تمام دوست آپس میں دشمن بن جائیں گے لیکن متقی دشمن نہیں بنیں گے، (القرآن) معلوم ہوا کہ بندگان خدا ایک دوسرے کا سہارا ہوں گے، ایک دوسرے کو رحمت الہی کی امید اور لوید سنائیں گے، ساری امت کا صالحین کی شفاعت و وجاہت پر اتفاق ہے،

**امیر چہارم:** اعتماد کرنا تو کسی بزرگ دین کو خدا سمجھ کر اس پر اعتماد کرنا یقیناً شرک ہے۔ اس سے ساری امت محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ سمجھ کر اس کی محبت و ہدایت،

اعانت و حمایت پر اعتماد کرنا بالکل جائز ہے، اور دراصل یہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے، حضرت شیخ نے توحید کو مانا، انبیاء کو مانا، فرشتوں کو مانا، کتابوں کو مانا، یوم آخرت کو مانا، اسلام اور اس کے ارکان کو مانا، قرآن اور اس کے فیضان کو مانا تو رسول اللہ ﷺ پر اعتماد کر کے مانا یا دیسے ہی مانا، خدا کی عزت و عظمت کی قسم، اگر رسول اللہ ﷺ پر اعتماد نہیں تو پھر کسی چیز پر اعتماد نہیں، پھر ہمارے آباؤ اجداد کافر و مشرک تھے، انہوں نے صوفیہ کرام کے قول و فعل پر اعتماد کیا تو مسلمان ہو گئے، کیا حضرت شیخ بھول گئے کہ جب کفار مکہ نے معراج رسول کا مذاق اڑایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا تھا، فرمایا میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں، ہمیں بتایا جائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس پر اعتماد کیا تھا، کیا خدا تعالیٰ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر وحی نازل فرماتا تھا، ایک لاکھ کئی ہزار صحابہ کرام کس کے اعتبار پر مسلمان ہوئے تھے، آج کہا جاتا ہے کہ انبیاء کرام اور اولیا کرام پر اعتماد کرنا عبادت کی قسم ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تمام مفسرین امت کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے،

”غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام ہوگی جب انسان صرف اس پر اعتماد کرے، اور اس کو مدد الہی کا مظہر نہ جانے، اگر اللہ کے اسباب اور حکمت کو سامنے رکھے اور غیر اللہ سے ظاہری استعانت کرے تو عرفان الہی سے بعید نہیں ہے، اور شریعت میں بھی جائز ہے، اس طرح کی استعانت انبیاء و اولیا کی بھی ہے، حقیقت میں یہ استعانت غیر اللہ سے نہیں، بلکہ اللہ سے ہے، (تفسیر عزیزی سورۃ فاتحہ)

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی نے مختصر سیرت الرسول میں واقعہ لکھا ہے، جس میں عمرو بن سالم نے حضور پر نور ﷺ سے استعانت کی ہے، آپ ﷺ نے



جواب میں فرمایا ہم تیری مدد کو آئیں گے، کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کا بندہ سمجھ کر اس سے مدد طلب کرنا اور اس پر اعتماد کرنا کوئی شرک نہیں، حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، اپنی قوت سے میری مدد کرو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، کون ہے جو اللہ کے لئے میرا مددگار ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کون ہے جو تخت بلقیس کو حاضر کرے گا، یہ سب واقعات قرآن کریم میں درج ہیں، کیا یہ شرک کی تعلیم ہے، اس میں اسباب کے ماتحت اور اسباب سے ماورا استعانت بھی آرہی ہے، ایک تو یہ قید لگانا بدعت ہے، قرآن وحدیث سے ہرگز ثابت نہیں، دوسرا کیا آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو حاضر کرنا اسباب سے ماورا کام نہیں اور کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے صحابی کی خداداد صلاحیت پر اعتماد نہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

**امر پنجم:** ذبیحہ پیش کرنا، تو کسی بزرگ دین کا جانور کو ذبح کرتے وقت نام لینا یقیناً شرک ہے اور اس سے ساری امت محفوظ ہے، جانور ذبح کرتے وقت سب کہتے ہیں بسم اللہ اللہ اکبر، کوئی بسم عبد القادر نہیں کہتا، ہاں ذبیحہ کا ثواب اللہ کے بندوں کی ارواح کو پہنچانا جائز ہے، اس پر بے شمار دلائل ہیں۔ کیا حضرت شیخ کو معلوم نہیں کہ ہزاروں زندہ لوگوں کا جانوروں پر نام آتا ہے، مثلاً زید کی گائے، بکر کا مینڈھا، عمرو کی بھیڑ، خالد کی بھییس، قیس کا مرغ وغیرہ، پھر ان جانوروں پر انسانوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ادا کر لیا جائے تو کیا گوشت حرام ہوگا، اور یہ زید، بکر، عمرو، قیس وغیرہ کی عبادت ہوگی، اسی طرح اگر کوئی جانور پالے تو اس کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے ساتھ منسوب کر دے مگر اسے ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرے تو کیسے حرام ہو گیا، کیا غیر اللہ ہونے میں زید، بکر

اور شیخ جیلانی میں کوئی فرق ہے کہ وہاں شرک نہیں ہوا یہاں ہو گیا، آئیے یہ مسئلہ مفسرین امت کی تفاسیر کی روشنی میں حل کریں، شاید کسی کو عقل آ جائے،

..... حضرت امام بغوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، وما اهل به لغیر اللہ، یعنی جو بتوں اور طاغوتوں کے لئے ذبح ہوا اور اصل میں احلال آواز بلند کرنا ہے اور کفار کا معمول تھا کہ وہ جانوروں کو ذبح کرتے وقت اپنے باطل معبودوں کی شان ظاہر کرتے ہوئے انہی کے نام سے ذبح کرتے تھے۔ (معالم النوریل ۱/۱۳۰)

..... حضرت امام ابوالسعود علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، وما اهل به لغیر اللہ یعنی وہ چیز جس کو بت کے لئے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کی گئی ہو، (تفسیر ابوالسعود ۲/۳۹)

..... حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، هو المراد بقوله وما ذبح علی النصب، اس قول سے مراد ہے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (تفسیر کبیر ۲/۹۰)

..... یہ مفہوم تفسیر تنویر المقیاس لابن عباس میں، تفسیر خازن، تفسیر روح البیان میں، تفسیر مدارک میں، تفسیر جلالین میں، تفسیر قرطبی میں، تفسیر بیضاوی میں، تفسیر درمنثور میں، تفسیر مظہری میں، تفسیر بحر الحیط میں، تفسیر مراغی میں، تفسیر ابن کثیر میں، تفسیر جامع البیان میں، تفسیر کمالین میں، مفردات القرآن میں، تفسیر نیشاپوری میں بھی مذکور ہے، گویا امت کے مفسرین کا اتفاق ہے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام آنے سے چیز حرام ہو جاتی ہے، غیر مقلد مولوی وحید الزمان صاحب کا فیصلہ بغور پڑھئے،

”وما اهل به لغیر اللہ، مخصوص حیوان کے ساتھ ہے، پھر اس میں اختلاف ہوا اور بعض نے کہا، اس سے مراد ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارتا ہے، پس اگر حیوان پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا جائے جیسے کہا جاتا ہے، سید احمد کبیر کی گائے، شیخ صدر الدین کا مرغ



پھر وہ اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو حلال ہے“ (ہدیۃ الہدی ص ۳۹)

مسلمان جو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لئے ذبیحہ کرتے ہیں تو اس کی صورت صرف ایصالِ ثواب ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ خود نبی کریم ﷺ اپنی امت کے لئے قربانی کرتے تھے، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے قربانی دیا کرتے تھے، تو مراد نبی ﷺ اور امت نبی کو ثواب پہنچانا ہے، جو بکرے اور مرغے خانقاہوں اور مزاروں کے قریب ذبح کئے جاتے ہیں، ان کے ذبیحے پر بزرگوں کا نام نہیں لیا جاتا، صرف ان کو ثواب کا ایصال ہوتا ہے، گوشت سے وہاں کے طلباء فقر اور مسافر لوگوں کی خدمت ہوتی ہے، یہ سارا کام شرک ہے، یا قرب رضائے الہی کا ذریعہ ہے۔

**امر ششم:** نذر و نیاز ماننا، تو کسی بزرگ دین کو خدا سمجھ کر کوئی چیز نذر و نیاز کے طور پر اس کے حضور پیش کی جائے تو یقیناً شرک ہے، اس سے ساری امت محفوظ ہے، اور اگر اس کو خدا کا مقبول بندہ سمجھ کر نذر بمعنی نذرانہ، ہدیہ، تحفہ پیش کی جائے تو ہرگز شرک نہیں، اس کا ثبوت احادیث سے اخذ ہوتا ہے، مولوی وحید الزماں صاحب نے کھل کر بیان کیا ہے،

”غیر اللہ کی نذر صریح شرک ہے، کیونکہ نذر عبادت ہے،

نبی پاک ﷺ نے فرمایا، بیشک نذر خالص اللہ کے لئے ہے، اور اگر نذر اللہ کے لئے ہو اور اس کا ثواب نبی پاک یا ولی کی روح یا مردوں میں سے کسی کی روح کو پہنچانا ہے تو وہ جائز ہے، اس زمانے میں لوگ اس کو فاتحہ کہتے ہیں، اس کا صریحاً جواز ہے مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی، اور مولانا اسحاق دہلوی نے بیان فرمایا ہے، اور بعض علما نے اس عمل کی اصل کو شرعی نہیں کہا، اس پر ان کو بدعت کا خیال ہے، بعض علما نے اس کا جواز فرمایا ہے کہ اس کی اصل

شریعت میں موجود ہے، اور وہ ام سعد اور ابو طلحہ والی حدیث ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت ہے، اور دوسری روایت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے صدقہ والی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بغیر کسی انکار کے صوفیہ کرام کے نزدیک یہ عمل سند اول ہے۔ اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس کو ہدیہ کے طریقہ پر ثواب پہنچایا جائے تو وہ حلال ہے، فائدہ، ہمارے زمانے کے لوگوں میں رواج ہے کہ طعام پکاتے ہیں کہ یہ اولیا میں سے فلاں ولی اللہ اور انبیاء میں سے فلاں نبی کے لئے ہے، پس اس کا معنی نیاز، فاتحہ اور ہدیہ ہے، غیر اللہ کی نذر کا ارادہ نہیں کرتے، بلکہ ان کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، پس اس کا حلال ہونا رائج ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں، (ہدیۃ الہدی ص ۳۸، ۳۹)

ما شاء اللہ غیر مقلد عالم مولوی وحید الزماں صاحب نے دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے، کاش ان کی برادری کے افراد غور فرمائیں تو کتابوں اختلاف ختم ہو سکتا ہے، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی نے اس مسئلہ کو بہت واضح کیا ہے، فرماتے ہیں،

”یہاں نذر کا معنی عربی مراد ہے، اس لئے کہ (لوگ) جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں، اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔“

(نذر و نیاز بزرگان دین ص ۱)

مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب بھی لکھتے ہیں،

”جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے، درست ہے، جو نذر بمعنی



تقرب ان کے نام پر ہے، تو حرام ہے، (فتاویٰ رشیدیہ ۱۴/۱)  
مولوی اسماعیل دہلوی صاحب بھی لکھتے ہیں

”در خوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ و اعراس و نذر و نیاز

اموات شک و شبہ نیست“ (مرآۃ المستقیم ص ۵۵)

مولانا عبدالحی کھنوی صاحب فرماتے ہیں،

”اگر تقرب خداوند تعالیٰ و جان کشی برائے ادایصال ثواب یکے

منظور باشد حلال است، (فتاویٰ مہدائی ۱۰۴/۳)

مزید فرماتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ گائے جس کی نذر اولیا کے لئے مانی جائے  
جیسا کہ ہمارے زمانے میں رسم ہے، تو وہ حلال اور پاکیزہ ہے، کیونکہ اس پر ذبح کے  
وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا، گو کہ ان کی نذر کے لئے کرتے ہیں۔ (ایضاً ۱۰۵/۳)  
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

”اگر مالیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح

ایشان پزندہ بخورند مضائقہ نیست، جائز است و طعام نذر اللہ اغنیاء

را خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے وادہ شود پیش اغنیاء

را ہم خوردن در اں جائز است“ (بدعۃ الصالح ص ۱۳۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،

”حضرت امیر و ذریعہ طاہرہ اور اتمام امت بر مثال پیران و

مرشداں سے پرستند و امور نیکو بیہ را وابستہ بایشان می دانند و درود و

صدقات و نذر بنام ایشان رائج و معمول گردید، چنانچہ با جمیع اولیاء

اللہ ہمیں معاملہ است، (تحدیث عشریہ ص ۴۳۵)

ہمارے علما کرام کی تصریحات کے مطابق ثابت ہوا کہ ہم مسلمان بزرگان دین  
کو معبود نہیں مانتے، اُن کے ایصال ثواب کے لیے نذر و نیاز کا اہتمام کرتے ہیں، تو یہ امر  
کتاب و سنت کے اصول سے ثابت ہے۔ اس کی تصدیق ان سلفیوں اور اُثریوں کے علماء  
نے بھی کی ہے۔ سعودی علما کو فتویٰ صادر کرتے وقت شیخ ولی اللہ دہلوی، شیخ عبدالعزیز  
دہلوی کی تحریروں پر اعتماد کرنا چاہیے، نہیں تو مولوی وحید الزماں، مولوی صدیق حسن  
بہوپالی، مولوی رشید گنگوہی، مولوی اسماعیل دہلوی کی تصدیقات کو ملاحظہ کرنا چاہیے، نہ کہ  
چندہ خورشکاقتی مولویوں کے الزامات اور بدترین خیالات پر چراغ پا ہونا چاہیے،

مذکورہ صدر ایک آیت کا مفہوم: اوپر ہم نے ایک آیت کا ذکر کیا ہے، جس سے  
تمام شیوخ نجد بار بار استدلال پیش کرتے ہیں، اور گویا کہتے ہیں کہ مشرکین عرب بھی اللہ  
تعالیٰ کو ہی زمین و آسمان کا خالق و رازق تسلیم کرتے تھے، جبکہ اس کا تقرب حاصل کرنے  
کے لئے اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے، تو آج کل کے ”مشرک“ بھی اپنے  
بزرگوں کو اس کے تقرب کا وسیلہ سمجھتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ وہ آیت یہ ہے

الا للہ الدین الخالص والذین اتعزلوا من دونہ اولہا ما نعبد

ہم الا لبقربونا الی اللہ زلفی، یعنی خبردار، اللہ ہی کے لئے ہے

خالص دین، اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے والی بنا رکھے ہیں

(اور کہتے ہیں) ہم اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ

ہمیں اللہ کے قریب پہنچادیں،

اس آیت مبارکہ کی کچھ تفسیر ہم بیان کر چکے ہیں، آئیے اب حضرت شیخ اور تمام

علمائے نجد کے روحانی مرشد قاضی شوکانی کی تفسیر نقل کرتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے،

”انبیاء و صالحین کے توسل سے منع کرنے والے قرآن مجید کی ان



آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ مانعبدہم الا بقربونا..... ہم ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، اور فلا تدعوا مع اللہ احدا، اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو، اور لا تدعوا الحق والذین یدعون من دونہ..... اسی کو (معبود سمجھ کر) پکارنا برحق ہے، اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے ہیں، جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے، تو ان آیات سے مانعین کا استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ سورۃ زمر کی آیت میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، وہ اس کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس عالم کے علم کی وجہ سے اس کی اللہ کے نزدیک فضیلت اور وجاہت ہے، اور اس وجہ سے اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے۔ اسی طرح سورۃ جن کی آیت میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے پکارنے (یا عبادت کرنے) سے منع کیا ہے، مثلاً جو کوئی شخص کہے، میں اللہ اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے، جیسا کہ ایک غار میں تین شخص تھے، اور غار کے منہ پر ایک چٹان گر گئی، تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی، اس طرح سورۃ رعد کی آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ان لوگوں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے تھے جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور اپنے

رب کو نہیں پکارتے تھے، جو ان کی دعا قبول کرتا ہے، اور شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور کسی اور سے دعا نہیں کرتا، اللہ کے بغیر نہ اللہ کے ساتھ،

(الدر المنثور، ج ۲، ۱۸۳/۲)، بحوالہ شرح مسلم سعیدی ۸۰/۱

ایک اور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزماں نے بہت دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کیا ہے،

”جب دعا میں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس

کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے، حضرت عمرؓ نے

جو حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا کی تھی، وہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے

جما نعت پر دلیل نہیں ہے، انہوں نے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے

اس لئے دعا کی تھی تا کہ حضرت عباسؓ کو لوگوں کے ساتھ دعا میں

شریک کریں، اور انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اسی طرح

شہداء اور صالحین بھی زندہ ہیں، ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ

کے خلاف دعویٰ کیا، پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا، کہ بطور

عبادت حضور نبی کریم ﷺ سے استعانت کرنا جائز نہیں ہے،

ہاں ہاں نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ

کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص کو آپ

کے وسیلہ سے دعا تعلیم کی جو حضرت عثمان کے پاس جاتا تھا اور

حضرت عثمان اس کی طرف التفات نہیں کرتے تھے، اس دعا میں

یہ الفاظ تھے، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی

محمد، نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اس



حدیث کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے، کاش میری عقل ان منکرین تو سل کے پاس ہوتی، جب کتاب وسنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کا وسیلہ بھی اس پر قیاس کیا جائیگا، اور امام جذری نے حسن حصین کے آداب دعا میں لکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے، اور ایک اور حدیث ہے، یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، سید (نواب صدیق حسن بھوپالی) لکھے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، موضوع نہیں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، میں تیرے نبی محمد، اور موسیٰ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، اس کو علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں اور علامہ طاہر ثقفی نے مجمع بحار الانوار میں ذکر کیا ہے، اور امام حاکم، امام طبرانی اور امام بیہقی نے ایک حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی اس دعا کو روایت کیا ہے، اے اللہ میں تجھ سے بحق محمد ﷺ سوال کرتا ہوں، اور ابن منذر نے روایت کیا ہے، اے اللہ تیرے نزدیک محمد ﷺ کی جو وجاہت اور عزت ہے میں اس کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، علامہ سبکی نے کہا کہ وسیلہ پیش کرنا، مدد و طلب کرنا، اور شفاعت طلب کرنا مستحسن ہے، علامہ قسطلانی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آہ و زاری کرنے کا حقد میں اور متاخرین میں سے کسی نے انکار

نہیں کیا تھا، حتیٰ کہ ابن تیمیہ آیا، اور اس نے انکار کیا، قاضی شوکانی نے کہا کہ انبیاء میں سے کسی نبی، اولیاء میں سے کسی ولی اور علما میں سے کسی عالم کا بھی وسیلہ پیش کرنا جائز ہے، جو شخص قبر پر جا کر زیارت کرے یا فقط اللہ سے دعا کرے اور اس میت کے وسیلے سے دعا کرے کہ اے اللہ، میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفا دے اور میں اس نیک بندے کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، تو اس دعا کے جواز میں کوئی شک نہیں، (ہدیہ

احمدی ص ۳۹، ۴۰، بحوالہ شرح مسلم حدیث ۷/۷۹)

اتنی حسین تصریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص راہ راست پر نہ آئے، اور اس قدر ضدی ہو جائے کہ اپنے اکابر کی بات بھی نہ مانے، قرآن وحدیث کے دلائل بھی قبول نہ کرے تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے، مزید دیکھئے، حضرت علامہ جمیل افندی علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کے حوالے سے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے،

”اس اشکال کا جواب کئی وجوہ سے ہے، اولاً بے شک

مشرکین بتوں کو معبود مانتے تھے، جبکہ مسلمین صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانتے ہیں، ان کے ہاں انبیاء، انبیاء ہیں، اور اولیاء، اولیاء ہیں، وہ ان کو مشرکین کی طرح معبود نہیں مانتے، ثانیاً، بے شک مشرکین کا عقیدہ تھا کہ یہ معبود ان باطلہ عبادت کے مستحق ہیں، مسلمین کا یہ عقیدہ نہیں، پس وہ تو سل میں کسی ایک کو بھی معمولی سی عبادت کا حقدار تسلیم نہیں کرتے، اور ان کے نزدیک تو عبادت کا حقدار صرف اور صرف اللہ وحدہ ہی ہے، ثالثاً، بے شک مشرکین ان معبودان باطلہ



کی بالفعل عبادت کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت نقل فرمایا ہے، وما نعبدہم الا لیقر بونا، اور ہم تو صرف ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، جبکہ مسلمین اللہ کی جانب انبیاء اور صالحین کے توسل میں ان کی عبادت نہیں کرتے، رابعاً، بے شک مشرکین نے اپنے اصنام کی عبادت کا قصد تقرب الی اللہ کے لئے کیا، مسلمین نے انبیاء اور اولیاء کے توسل کا قصد تقرب الی اللہ کے لئے نہیں کیا کیونکہ اللہ کی طرف تقرب تو عبادت سے ہی ہوتا ہے، اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے حکایت فرمایا وما نعبدہم الا لیقر بونا، بلکہ مسلمین نے انبیاء اور اولیاء سے تبرک اور استغفار کا قصد کیا، یاد رہے کہ کسی چیز کا تبرک اس کے تقرب کا غیر ہے، جیسا کہ مخفی نہیں، خامساً، بے شک مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ، آسمان میں جسم ہے، ان کے قول ”مقر بونا“ سے ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حقیقی کا ارادہ کرتے تھے۔ اور اس پر ان کے قول، ”ذلفی“ کی تاکید بھی دلالت کرتی ہے، کسی چیز کی تاکید اکثر اسی معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کا مقصود ہوتا ہے، اور وہ ہے معنی حقیقی، نہ کہ مجازی، پس جب ہم کہیں قلۃ قنۃ فہم میں قلۃ حقیقی کا تصور ابھرتا ہے، نہ کہ شدید چوٹ کا، اس کے برعکس جب ہم صرف قلۃ کہیں تو اس سے شدید چوٹ کا ارادہ کر سکتے ہیں، اب رہے مسلمین تو وہ ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں جسم ہے، اور ان سے دور ہے کہ وہ اس کا ”تقرب حقیقی“ انبیاء اور اولیاء کے

توسل سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، لہذا ان پر اس مذکورہ آیت کا حکم چسپاں نہیں ہوتا، ہاں وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان اللہ تعالیٰ جسم استوی علی عرشہ فی السماء بے شک اللہ تعالیٰ جسم ہے، آسمان میں اپنے عرش پر مستوی ہے، وہ تبرک بھی حاصل نہیں کرتے جس کا مسلمانوں نے انبیاء اور اولیاء کے توسل سے قصد کیا، یہ تبرک اس تقرب کا غیر ہے جو اجسام کی طرف کیا جاتا ہے، للذک جعلت هذه الایۃ منطبقۃ علیہم، اس طرح یہ آیت تو وہابیہ پر چسپاں ہوتی ہے، (انجیر صادق ص ۵۰۳۹)

مزید فرماتے ہیں،

”یہاں ہم شرک کی مختلف اقسام بیان کرتے ہیں، اولاً شرک الاستقلال، اور وہ ہے مستقل معبودوں کا اثبات جیسا کہ مجوس کا شرک ہے، ثانیاً شرک التبعیض، اور وہ ہے، زیادہ معبودوں سے ایک معبود کی ترکیب، جیسا کہ عیسائیوں کا شرک ہے، ثالثاً شرک التقریب اور وہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تقرب کیلئے غیر اللہ کی عبادت جیسا کہ جاہلیت کا شرک اور وہ شرک جس کا وہابیہ فتویٰ صادر کرتے ہیں، استغفار اور توسل کرنے والے مسلمان کے لئے، اور جس پر ان کے قاعدہ کی بنیاد ہے، تو وہ شرک التقریب ہے جو جاہلیت کی پیداوار ہے..... یہ امر حقیقی ہو گیا ہے تو کسی شرک جاہلیت کا حال کسی ایک وجہ سے بھی انبیاء اور صالحین کا توسل پکڑنے والے مسلمانوں پر چسپاں نہیں ہو سکتا، مشرکین تو بتوں کو



اپنا معبود بناتے تھے، اور (الہ) معبود کا معنی ہے، عبادت کا مستحق، وہ بتوں کی عبادت کے استحقاق کا عقیدہ رکھتے، اور اول تو وہ مانتے کہ بت نفع و نقصان دیتے ہیں، پس وہ ان ہی کی عبادت کرتے، جب ان شدید مشرکین پر اس حقیقت کے ساتھ حجت قائم کی جاتی ہے کہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں ہو سکتے تو وہ کہتے مانعبد ہم الا لیقر ہونا الی اللہ زلفی، ہم تو ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے قریب کر دیں، اب وہابیہ کے لئے کیسے جائز ہے کہ مسلمین موحدین کو ان مشرکین کی صف میں لاکھڑا کر دیں، بے شک مشرکین عرب انبیاء، ملائکہ اور اولیا کی بنائی ہوئی تماثیل کی عبادت کے سبب بھی کفر کرتے تھے، ان کو سجدہ کرتے اور ذبیحے پیش کرتے، انبیاء، ملائکہ اور اولیا کے بارے میں ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود ہیں، اور ذاتی حیثیت سے نفع و نقصان دیتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو جھوٹا قرار دیا، اور ان کے اعتقاد کے رد میں بہت سی آیتوں میں مثالیں پیش کیں کہ جو معبود عبادت کا مستحق ہوتا ہے، اس کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنے بندے کے لئے نقصان ٹالنے اور نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو، اور جن کی (اللہ کے سوا) عبادت کی جاتی ہے، سب حادث ہیں، ربو بیت کے منافی ہیں، اب رہا استغاثہ اور توسل کرنے والا تو وہ اس عبادت اور اس اعتقاد سے بیزار ہے، (انجیر صادق ص ۵۱)

گویا سب مسلمان انبیاء، ملائکہ اور اولیا کو کسی طریقے سے بھی معبود نہیں مانتے، ان کو ذاتی طور پر نقصان ٹالنے اور نفع پہنچانے پر قادر تسلیم کرتے ہیں، ان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے تصور کرتے ہیں، ان کے پاس اتنا ہی اختیار ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، یہ الگ بات ہے کہ اس ”اتنا“ کو اپنے کے لئے کوئی پیمانہ ایجاد نہیں کیا گیا، لہذا خواہ مخواہ سرکھپانے کی ضرورت نہیں، سب مسلمان، اللہ تعالیٰ کی لامحدود عطاؤں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے عطا کرتا ہے، اس آیت مبارکہ کی مزید تفسیر کے لئے حضرت امام اہل سنت علامہ سید محمد سعید احمد کاظمی قدس سرہ کا لکراٹکیز واقعہ پڑھئے، فرماتے ہیں،

”میں ایک دن حضور غوث بہا الدین (ذکریا) کی بارگاہ اقدس کی زیارت سے صبح کے وقت آ رہا تھا تو ایک غیر مقلد میرے پڑوس میں رہنے والا جس سے بے تکلفی تھی، راستہ میں مل گیا، اور فوراً اشارہ کیا کہ آپ وہاں سے آرہے ہیں تو میں نے کہا، ہاں وہاں سے آرہا ہوں، کہنے لگا، آپ شرک نہیں چھوڑیں گے، میں نے کہا، بڑا المسوس ہے، ہم تو ان کو وسیلہ مانتے ہیں، ہمارا معبود ”الہ“ ایک ہے، ہم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم، اذن اور ارادہ کے ماتحت سمجھتے ہیں، یہ (اولیا اللہ) اللہ کے اذن، حکم اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن، حکم اور ارادہ سے یہ سب کچھ کر دیتے ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ان کو سبب بنایا ہے، لہذا ہم ان کو سبب بنا کر جاتے ہیں، کہنے لگا، یہی تو عرب کے مشرکین کہا کرتے



تھے، ہمارے یہ بت ہمارے لئے وسیلہ ہیں، میں نے کہا، ارے وہ تو معبود مانتے تھے، قرآن کہتا ہے، مَا نَعْبُدُہُمْ اِلَّا لِقُرْبُوْنَا اِلٰی اللّٰہِ زَلْفٰی، (کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں، (الزمر آیت ۳) خدا کے قریب کرنے کا عقیدہ تو الگ رہا، خدا کے قریب تو وہ کرے گا، جو خدا کے قریب ہوگا، بت تو خود ہی خدا کے قریب نہیں ہیں، جو خود راستہ بھولا ہوا ہو، وہ کس کو راہ بتائے گا، بلکہ وہ خود اقرار کرتے ہیں، کہ ”ہم عبادت کرتے ہیں“ معلوم ہوا کہ وہ ان کو معبود جانتے ہیں، اور ان کا قرآن مجید میں یوں آیا ہے، اجعل الالہۃ الہا و احداً یعنی یہ کیسے رسول ہیں جنہوں نے بہت سے معبودوں کا ایک ہی معبود بنا دیا ہے، (سورہ ص آیت ۴) گویا وہ ان کو الہ مانتے تھے، اور الہ اسے کہتے ہیں جو کسی کے ماتحت نہ ہو، اس لئے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کا اذن ہو نہ ہو، ہمارا معبود جو چاہے گا، کر دے گا، خدا اذن نہ دے، تب بھی یہ ہماری شفاعت کر دیں گے، یہ خدا کے اذن کے محتاج نہیں رہے، کیونکہ یہ الوہیت کے درجہ پر فائز ہیں، اور جو الوہیت کے درجہ پر پہنچ جائے وہ خدا کے ماتحت نہیں رہتا، پھر وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ جیسے ریا ستیں بڑی سلطنت کے آزاد کر دینے سے خود مختار ریا ستیں بن جاتی ہیں، اب وہ بڑی حکومت کے حکم کے ماتحت نہیں رہتیں، اس طرح خداوند کریم نے ان چھوٹے چھوٹے خداؤں کو آزاد کر دیا ہے کہ تم

میرے حکم کے ماتحت نہیں ہو، اب تم جو مرضی آئے کرو، نعوذ باللہ من ذالک، الحمد للہ! ہمارا یہ عقیدہ نہیں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ بھی خدا کے حکم کے ماتحت ہیں، لہذا الوہیت کا تصور بھی قائم نہیں ہوتا، اب یہ کہ ہم ان کے پاس کیوں جاتے ہیں، (اسکا ازالہ یہ ہے) اس لئے کہ اللہ نے ہمیں انہیں کا ورد دکھایا ہے، فرمایا جاء وک (السعید ص ۱۰ جون ۲۰۰۳)

مزید فرماتے ہیں ”من دون اللہ“ کا معنی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا کوئی اذن نہ ہو، یعنی اللہ نہ چاہے اور کوئی چاہے کہ میں تجھے فائدہ پہنچا دوں گا، تو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ من دون اللہ کا معنی ہے، اور ہمارا من دون اللہ کی سب آیتوں پر ایمان ہے، اور یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی شے قائم نہیں رہتا اور جہاں اذن آجائے، وہاں مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابرہی الا کممہ ولا یرص و احی الاموات باذن اللہ..... ہم من دون اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، تم بھی باذن اللہ کی آیتوں پر ایمان لے آؤ، (ایضاً ص ۱۳)

الحمد للہ رب العالمین، دلائل و براہین کی اس کہکشاں نے شلوک کی کتنی ہی تاریکیوں کو کافور کر دیا ہے۔ لیکن جن کے مقاصد کچھ اور ہیں اور وہ سب کچھ جان کر بھی التماس کا شکار ہیں تو ان کے مقدر کا کوئی علاج نہیں، حضرت شیخ نے اپنے مقالہ ”انبیاء کا عقیدہ توحید“ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام



کے مکالمات بھی نقل کئے ہیں، جن میں انہوں نے معبودان باطلہ کا ردِ بلیغ فرمایا ہے۔  
الحمد للہ، ہمارا ان تمام آیات مبارکہ پر مکمل ایمان ہے، جب ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی  
عبادت نہیں کرتے اور نہ بالذات کسی کو نافع اور ضار تسلیم کرتے ہیں، تو پھر ان کا  
مصدق ہم نہیں ہو سکتے، البتہ حضرت شیخ اور ان کی آلِ اولاد کو ضرور غور کرنا چاہئے کہ وہ  
مشرکین کے رد میں نازل ہونے والے احکام کو انبیاءِ صالحین اور اولیاءِ مسلمین پر چسپاں  
کر کے کسی ایمانی خیانت کا ارتکاب نہ کر رہے ہوں،

اللهم ثبت اقدامنا على الصراط المستقيم

بحرمة نبينا الكريم عليه وآله واصحابه الصلوة والتسليم



## باب دوم

صحیح اسلامی عقیدہ

اور

اس کے منافی امور



ہم من خذ لہم حتی یاتی امر اللہ، میری امت میں برابر ایک  
گروہ حق پر قائم رہے گا جس کو اللہ کی تائید حاصل ہوگی، لوگ اس کا  
ساتھ چھوڑ کر اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، تا آنکہ اللہ کا حکم  
آن پہنچے“ (عقیدہ المسلم ص ۵۵)

اس اقتباس میں حضرت شیخ نے اہل سنت و جماعت کے معتقدات و نظریات  
کو برحق تسلیم کیا ہے لیکن ان کی جماعت اور وہ خود اس ”فرقہ منصورہ“ سے کوئی تعلق نہیں  
رکھتے، اس ”فرقہ منصورہ“ کا انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے بارے میں عقیدہ نہایت  
ضالاف اور قرآن و حدیث کی رو سے واضح کاف ہے، یہ فرقہ منصورہ محبوبان خدا اور بزرگان  
اصفا کو خدا داد قوتوں کا پیکر جانتا ہے۔ ان کو امداد الہی کا مظہر تصور کرتا ہے، اس کے  
زادیک مشکلات میں ان کو پکارنا عین رحمت باری کو پکارنا ہے۔ ان کے ادب اور احترام  
کو حکم خداوندی سمجھتا ہے اور ان کی ذوات و صفات کو عرفان خدا کا وسیلہ خیال کرتا ہے۔ اس  
عقیدے پر صدیوں سے علمائے اہل سنت کا ر بند ہیں، جبکہ حضرت شیخ اس مسلمہ عقیدے  
کو اس طرح للکار رہے ہیں۔

”پھر حالات نے پلٹا کھایا اور جہالت نے اللہ کے  
بندوں کی اکثریت پر اپنا پنچہ گاڑا، یہاں تک کہ اکثر لوگ دین  
جاہلیت کی طرف لوٹ گئے، انبیاء اور اولیاء کے احترام اور تعظیم میں  
غلو کرنے لگے، اور ان سے دعائیں کرنے اور مدد طلب کرنے  
لگے، اور اس جیسے دوسرے مشرکانہ امور میں مبتلا ہو گئے اور انہوں  
نے لا الہ الا اللہ کا مطلب فراموش کر دیا، اور اس کو اس طرح  
نہیں سمجھا جیسا کہ کفار عرب نے سمجھا تھا، واللہ المستعان، یہ شرک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆☆☆☆

حضرت شیخ عبدالعزیز بن باز نجدی نے اس مقالے میں صحیح اسلامی عقیدے  
پر کھل کر بات کی ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، ملائکہ پر ایمان لانے، انبیاء  
کرام علیہم السلام پر ایمان لانے، آسمانی کتابوں پر ایمان لانے، یوم آخرت پر ایمان لانے  
کا مفہوم بیان کیا ہے۔ اس مفہوم سے کسی مسلمان کو بھی یارائے انکار نہیں ہو سکتا۔ سب  
مسلمان ان آیات و احادیث پر کھل یقین رکھتے ہیں، انہوں نے اہل سنت و جماعت کی  
حقانیت پر بھی گفتگو کی ہے، لکھتے ہیں،

”اس مختصری تقریر میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہی  
صحیح اسلامی عقیدہ ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول  
حضرت محمد ﷺ کو بھیجا ہے، یہی فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت کا  
عقیدہ ہے۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا  
ہے، لا تزال طائفة من امتی علی الحق منصورۃ لا یضر



برابر لوگوں میں پھیلتا رہا اور آج تک پھیل رہا ہے، اس کا سبب جہالت کا غلبہ اور عہد نبوت سے دوری ہے۔ (عقیدۃ المسلم ۵۶)

اس عبارت میں حضرت شیخ نے واضح طور پر بندگانِ خدا اور غلامانِ مصطفیٰ کی غالب ترین اکثریت کو جہالت کی طرف اور دینِ جاہلیت کی جانب لوٹنے والی قرار دیا ہے، پھر اس ”مزعومہ شرک“ کی مرتکب ٹھہرایا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ حضرت شیخ کی سراسر زیادتی ہے اور قرآن وحدیث سے شدید تاوان لگی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے کہ لا تجتمع امنی علی الضلالة میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی، اتباعوا السواد الاعظم، سب سے بڑے گروہ کی تابعداری کروید اللہ علی الجماعۃ، جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، اللہ کی قسم مجھے کوئی خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے (بخاری) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، ماراہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن جس کو مسلمان اچھا جائیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے، حیرت ہے زبان نبوت تو امت محمدیہ کی غالب ترین اکثریت کو ہدایت یافتہ قرار دے رہی ہے، اس کا راستہ اپنانے کی تلقین فرما رہی ہے اور حضرت شیخ اس کو مشرک و کافر بلکہ دورِ جاہلیت کے مشرکوں سے بھی بڑا مشرک سمجھ رہے ہیں، زبان نبوت کی یہ مخالفت ”صحیح اسلامی عقیدہ“ کی ترجمان ہے یا اسلام کی دیواروں میں رخنہ ڈالنے کی مذموم سازش ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

مذکورہ عبارت میں حضرت شیخ نے بندگانِ خدا کی اکثریت پر تین الزامات

حائد کئے ہیں اور انہیں موجب شرک قرار دیا ہے،

۱: انبیاء اور اولیاء کے احترام و تعظیم میں غلو کرنا

۲: انبیاء اور اولیاء سے دعائیں کرنا

۳: انبیاء اور اولیاء سے مدد طلب کرنا

آئیے ان الزامات کی حقیقت کا تجزیہ کریں، وما توفیق الا باللہ  
**احترام و تعظیم میں غلو کرنا:** انبیاء اور اولیاء کے احترام و تعظیم میں غلو (مبالغہ) یہ ہے کہ ان کو خدا یا ابنِ خدا مانا جائے۔ ان کی عطائی صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات پر قیاس کیا جائے، ان کو اللہ تعالیٰ جیسا یا جتنا روف رحیم، کریم و علیم، سمیع و بصیر، جواد و عزیز، ولی و نصیر، ہادی و مرشد تصور کیا جائے، ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں شریک سمجھا جائے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کوئی مسلمان اہل عقیدے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہم انبیاء اور اولیاء تو ایک طرف، سب انبیاء اور اولیاء کے تاجدار حضور احمد عقیار ﷺ کو بھی خدا یا ابنِ خدا نہیں مانتے، ان کے جملہ کمالات کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتے ہیں، ان کو ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج اور بندہ لیکن بلند ترین بندہ تسلیم کرتے ہیں۔ پھر امت محمدیہ پر اتنا سنگین الزام عائد کرنا کسی خیر خواہ کا کام نہیں ہو سکتا۔ باقی رہ گیا انبیاء اور اولیاء کے احترام اور تعظیم کا خیال رکھنا تو کیا حضرت شیخ کو ایک بھی آیت یا ایک بھی روایت ایسی نہیں ملی جس میں اس احترام اور تعظیم کا حکم دیا گیا ہو، کاش وہ قرآن وحدیث کو عشقِ مصطفیٰ کی روشنی میں پڑھتے تو انہیں احترام و تعظیم کی ہزاروں مثالیں نظر آ جاتیں، قرآن پاک میں ہے۔

﴿..... اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اس نبی کی آواز سے بلند نہ کرو،

اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے

سے کرتے ہو، کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک

نہ ہو، جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے

ہیں، وہ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لئے،

ان کیلئے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۲۲)



..... تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو، (سورۃ النور: ۹)

..... وعزروه و نصروه اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی امداد کریں، (سورۃ الاعراف: ۱۵۷)

..... اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جایا کرو، جب تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی، (سورۃ النمل: ۶۳)

..... امنتم بر سلی و عزز تموہم، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو، بے شک میں تمہارے گناہ اتار دوں گا، اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پھر اس کے بعد جو تم میں کفر اختیار کرے تو وہ ضرور سیدھی راہ سے بھٹکا (ہوگا) (سورۃ المائدہ: ۱۲)

..... رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے، (سورۃ النور: ۶۳)

..... اے ایمان والو! رعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۱۰۳)

ان آیات قدسیہ میں حضور نبی اکرم، رسول معظم، تاجدار عرب و عجم علیہ السلام کے ادب و احترام اور تعظیم و احتشام کا کس قدر حکم دیا گیا ہے، ہر ایمان والا اس سے بخوبی آشنا ہے، ذرا چشم بصیرت کو اچھی طرح کھول کر ملاحظہ کیجئے۔

..... حضور پر نور ﷺ کے حضور بلند آواز سے گفتگو کرنا حرام ہے۔

..... حضور پر نور ﷺ کو اپنے جیسا سمجھ کر پکارنا حرام ہے۔

..... حضور پر نور ﷺ کا احترام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و توصیف پر بھی مقدم ہے۔

..... حضور پر نور ﷺ کی تعظیم مغفرت اور اجر عظیم کا باعث ہے۔

..... حضور پر نور ﷺ کا ادب اور دیگر رسولوں کا احترام حصول جنت کا ذریعہ ہے۔

..... اس ادب و احترام کا انکار کرنا سیدھے راستے سے بھٹکتا ہے۔

..... حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں ایسا لفظ ادا کرنا جس سے سوئے ادب کا ادنیٰ سا شائبہ بھی پایا جائے، حرام ہے، اور ہمیشہ کی محرومیوں کا باعث ہے۔

..... حضور پر نور ﷺ کو "انظرنا" کہنا نص قرآنی سے ثابت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان آیات قدسیہ پر عمل کرنے کی روشن مثالیں قائم کیں، عروہ بن مسعود ثقفی کی روایت کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پر نور ﷺ کی جس طرح تعظیم کیا کرتے تھے، کسی بادشاہ کے درباری اس کی اتنی تعظیم نہیں کیا کرتے، وہ ان کے ہر امر پر سر تسلیم خم کر دیتے، ان کے وضو کے قطروں کو حاصل کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، ان کے تھوک مبارک کو ہاتھوں پر لے کر چہرے اور بدن پر مل لیتے، ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے کہ کہیں یہ بے ادبی نہ ہو جائے، پھر اس نوعیت کی کتنی ہی احادیث مبارکہ کتب صحاح و سنن میں موجود ہیں مثلاً۔

..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پر نور ﷺ کے موئے مبارک کو بطور تبرک و تعظیم حاصل کرتے تھے، اور اسے اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے،

..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جب غسل واجب ہوتا تو وہ اس حالت میں آپ ﷺ



سے مصافحہ کرنا یا آپ ﷺ کی سواری کا کجاوا کسنا بھی بے ادبی سمجھتے تھے،  
 ✽..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے برابر ہو کر بیٹھنا اور آپ ﷺ کی بات کو  
 ٹوکن گستاخی سمجھتے تھے۔

✽..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے خطاب کے دوران اس طرح بیٹھے ہوتے  
 جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور ذرا سی حرکت پر ان کے اڑ جانے کا  
 خدشہ ہو، یعنی بالکل ساکت و صامت ہو کر حاضر ہوتے،

✽..... حضور پر نور ﷺ کے بلانے پر نماز کو چھوڑ کر حاضر ہو جاتے،

✽..... عین حالت جہاد میں اپنی جانوں سے بڑھ کر ذات مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کرتے،

✽..... حضور پر نور ﷺ کے دست مقدس اور پائے منور کو بوسہ دیتے،

✽..... حضور پر نور ﷺ کی اعلیٰ الفاظ میں تعریف و توصیف کرتے۔

چونکہ مذکورہ آیات مقدسہ کا حکم مطلق ہے، لہذا آج بھی سرکار ابد قرار ﷺ کی  
 بارگاہ کا ادب اسی طرح کرنا چاہئے جس طرح زمان ظاہری میں کیا جاتا تھا۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء  
 میں احقر راقم السطور مدینہ منورہ میں حاضر ہوا، حضور تاجدار کو نین ﷺ کی بارگاہ میں  
 حاضری دی، وہاں دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کے مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر  
 فریاد کر رہے تھے، یا رسول اللہ انظر حالنا، احقر بھی جب سلام نیاز پیش کرنے کے بعد  
 باہر نکلا تو ایک نجدی کچھ لوگوں کو جمع کر کے لوگوں کی نقل اتار رہا تھا، اور کہہ رہا تھا، یہ کیا ہے،  
 یا رسول اللہ انظر حالنا، یہ شرک ہے، یہ کفر ہے، احقر نے کہا، خدا کا کچھ خوف ہونا  
 چاہئے، یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے ایمان والو! راعنا نہ کہو،  
 بلکہ کہو حضور ہم پر نظر رحمت فرمائیے، وہ کہنے لگا یہ آیت اس دور تک مخصوص ہے۔ احقر نے  
 کہا آپ کے کہنے پر مخصوص ہے یا آپ کے پاس کوئی آیت اور مرفوع و متواتر روایت ہے

میں نے اس آیت کے حکم مطلق کو مخصوص کیا ہے۔ اگر ہے تو ذرا ہمیں بھی پڑھ کر سنائیے۔  
 اس جواب نے اس نجدی کو پاگل کر کے رکھ دیا اور وہ قابل نفرت الفاظ پر اتر آیا۔ حضرت  
 علی عبدالعزیز بن باز نجدی اسی قسم کی حرکات سے زائران محبوب کو پریشان کرتے رہے،  
 اور اب ان کے شاگرد یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ کاش انہیں خبر ہوتی کہ حضور جان  
 نور ﷺ کی توقیر و تعظیم تو ایمان کا سرمایہ ہے اور صحیح اسلامی عقیدے کی روح رواں ہے۔  
 حضرت امام اسماعیل حقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”کلام کا حاصل یہ کہ حضور کی حیات دنیوی اور حیات

برزخی دونوں میں تعظیم و توقیر کرنا امت مسلمہ پر لازم و واجب

ہے۔ کیونکہ دلوں میں جتنی اُن کی تعظیم زیادہ ہوگی، اتنا نور ایمان

زیادہ ہوگا، (تفسیر روح البیان ۴/۶۳۷)

ماہعین تعظیم مصطفیٰ کے پیش رو امام ابن تیمیہ رقمطراز ہیں،

۱..... ”بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حکم صادر فرمایا

ہے، جو تعزروہ و توقروہ یعنی ان کی عظمت بیان کرو اور ان کی تعظیم کرو، (الصارم السلول ۳۰۰)

۲..... ہم اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کی عظمت بیان کرتے ہیں، ان کی تعظیم کرتے

ہیں، ان کا ذکر بلند کرتے ہیں، ان کے شرف کو ظاہر کرتے ہیں، اور ان کی قدر کے

علو میں اپنا خون بہاتے ہیں اور اپنے مال خرچ کرتے ہیں، (ایضاً ص ۲۰۷)

۳..... رسول اللہ ﷺ کی گستاخی دین خدا کے قطعاً منافی ہے، کیونکہ جب گستاخی

ہوئی تو احترام ختم ہو گیا، پیغام رسول ساکت ہو گیا تو سب دین باطل ہو گیا، لہذا آپ ﷺ

کی تو صیغہ و ثنا اور تعظیم و احترام سے سارے دین کا قیام ہے۔ ان تمام چیزوں کا سقوط

سارے دین کا سقوط ہے، (الصارم السلول ص ۲۱۱)



حضرت امام قسطلانی اور حضرت امام زرقلانی نے روایت بیان کی ہے ۷

”بنی عباس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر نے کسی مسئلہ میں امام مالک علیہ الرحمہ سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا، اور اپنی آواز کو اونچا کیا تو امام مالک علیہ الرحمہ نے اس سے فرمایا، اس مسجد مبارک میں اپنی آواز کو بلند نہ کر، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، اپنی آوازیں اس نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اس طرح ایک قوم کو ادب سکھایا ہے اور دوسری قوم کی مدح بیان کی ہے، بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے پاس اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں، ان کے دل اللہ سے تقویٰ کے لئے پرکھ لئے اور ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ اور ایک قوم کی مذمت بیان کی کہ بے شک وہ لوگ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر بے وقوف ہیں، یاد رہے کہ حضور ﷺ کی تعظیم وصال کے بعد بھی ایسے ہی ضروری ہے جیسے وصال سے پہلے ضروری تھی، کیونکہ آپ قبر انور میں زندہ ہیں، لہذا آپ ﷺ کے حقوق کی پاسداری آج بھی کی جاتی ہے۔ (زرقلانی شرح مواہب ۶/۱۳۹، کتاب النقاۃ ۲/۳۵)

حضرت شیخ اور ان کی ذریت کو معلوم ہوتا چاہئے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی تعظیم میں مبالغہ یہی ہے کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا جائے، یا ان کے حضور سجدہ کیا جائے، تو ایسا اہل سنت و جماعت کے نزدیک ہرگز مشروع نہیں، باقی انبیاء اور اولیاء کا ادب و احترام ان کے ایمان کی جان ہے، اور اس کا حکم خود رب العالمین نے صادر فرمایا ہے۔  
از خدا خواہیم توفیق ادب ..... بے ادب محروم ماند از فضل رب

انبیاء اور اولیاء سے دعائیں کرنا: حضرت شیخ اگر یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث اعظم، یا مجدد وغیرہ کہنے کو دعا سمجھتے ہیں اور اس دعا کی تردید میں اوٹان و اصرام کے رد میں اترنے والی آیات پیش کرتے ہیں تو سخت نادانی میں مبتلا ہیں۔ کیا ایسی ”دعا“ قرآن پاک میں موجود نہیں، یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، یا ایہا المعزمل، یا ایہا المدثر، یسین، وغیرہ سے کیا ثابت ہوتا ہے، ارے یا رسول کہنا تو قرآن کی سنت ہوئی۔ خود حضرت شیخ ہر نماز میں ”السلام علیک ایہا النبی“ پڑھا کرتے تھے تو گویا عین عبادت خدا میں ”یا نبی“ کہہ کر بار بار ”شک و کفر“ کا ارتکاب کرتے تھے۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث اعظم کہنے والا ان کو فاعل حقیقی نہیں سمجھتا، وسیلہ خیال کرتا ہے، حضرت علامہ حسن الحدادی لکھتے ہیں ۷

”اس کی نیت تو یہ ہوتی ہے کہ اس ولی کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنائیں، کیونکہ جس کا وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے وہ اس کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محبوب ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ بار بار اپنی گفتگو میں اس طرح کی باتیں کہتے ہیں، اے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ نفس والے، اپنے رب سے درخواست کریں کہ وہ میرا مقصد پورا کر دے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (نبی) اور ولی صرف سبب اور وسیلہ ہے اور اس کا وسیلہ پکڑنے والا مردود نہیں ہوتا، کیونکہ محبوب اور مقرب کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا۔ (مشارق الانوار ص ۵۸)



قاضی شوکانی اپنے رسالہ الدر الخفیہ میں لکھتے ہیں،

”حضور اکرم ﷺ سے توسل آپ کی حیات میں بھی اور وصال

کے بعد بھی، آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھی اور بارگاہ سے دور بھی

ثابت ہے، آپ ﷺ کے وصال کے بعد دوسروں سے تو سل

باجماع صحابہ ثابت ہے“ (تفہیم الاحادیث شرح ترمذی ۳/۲۸۲)

حضرت امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”حضور نبی کریم ﷺ سے توسل، استعانت اور اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی درخواست جائز اور مستحسن ہے۔

اس کا جواز اور حسن ان امور میں سے ہے جو ہر مومن کو معلوم ہیں،

اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام، مرسلین، سلف صالحین، علما اور علمائے

مسلمین کا طریقہ ہے، کسی دین والے نے اس کا انکار نہیں کیا، اور

نہ ہی کسی زمانے میں اس کا انکار سنا گیا، یہاں تک کہ ابن تیمیہ آیا

اور اس نے اس میں کلام کیا، اس نے کمزور اور ناتواق لوگوں کے

لئے تلبیس سے کام لیا“ (شفہا القام ص ۱۶۰)

حضرت امام ابن الحاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :-

”آپ ﷺ مقبول الشفاعت، شفیع ہیں جن کی شفاعت

رو نہیں کی جاتی، آپ کا قصد کرنے والا اور آپ پہنچنے کے دربار میں

حاضر ہونے والا، آپ سے استعانت کرنے والا اور استغاثہ

کرنیوالا محروم نہیں لوثا یا جاتا، کیونکہ آپ دائرہ کمال کے قطب اور

ملک الہی کے دولہا ہیں، جو شخص آپ کو وسیلہ پکڑتا ہے، آپ کے

ذریعے مدد طلب کرتا ہے، یا اپنی حاجات طلب کرتا ہے، وہ محروم

نہیں کیا جاتا، مشاہدہ اور آثار اس پر شاہد ہیں“ (المدخل: ۱۵۲)

حضرت سواہد بن قارب رضی اللہ عنہ عظیم صحابی ہیں اور بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہیں،

”اے پاکیزہ حضرات کے فرزند، آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمام

رسولوں سے زیادہ قریب وسیلہ ہیں، آپ اس دن میرے شفیع ہوں

مے جس دن کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کو کچھ بے نیاز

نہیں کر سکے گا“ (مختصر سیرۃ الرسول مولفہ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ص ۶۹)

یسی دعا یا پکار شرک نہیں، کیونکہ حضور انور ﷺ کو معبود سمجھ کر نہیں، محبوب اور محمود

کہہ کر پکارا جا رہا ہے، جب قیامت ہوگی تو حضرت شیخ اور ان کی ذریت بھی اس فریاد

اور ہمارا کو اپنا نہیں گئے، لیکن اس وقت کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، امام احمد رضا خان بریلوی

فرماتے ہیں۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے

پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

انہیں ماتا، انہیں جانا نہ رکھا غیر سے کام

اللہ احمد میں دنیا سے مسلمان گویا،

حضرت شیخ عبدالعزیز بن باز نجدی ساری عمر انہیا کرام علیہم السلام اور اولیا کرام علیہم

ان کی بارگاہ میں فریاد کرنے کو شرک کہتے رہے، لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ان کی

امیت نے ان کو یہی پکارنا شروع کر دیا، ان کی خدمت میں ”دعا“ کرنا شروع کر دی اور امت

کے کروڑوں "مشرکین" کی صف میں شامل ہو گئے، چند مثالیں پیش خدمت ہیں

۱۶..... ان کے ایک عقیدت مند کی بن صالح الحریول "نم ایہا الباز" کے عنوان



سے منقبت رقم کرتے ہیں ۔

یا ایہا الشیخ جمر البین یحرقنی  
و فی دمی من ہجر البعد اعصار  
این الوفود التی حطت رکابہا  
ببحر جودک یہوی الخمل والجار  
یا ایہا الیل قل لی عن مناقبہ  
الیس فی الیل للعباد اسرار  
یا مہبط الوحی صونی قبرہ فلہ  
بین الضلوع مصاییح و آثار  
نم..... ایہا الشیخ لن ننساک مہجتنا  
ما غردت فی ربوع البیت اطیار  
نم..... ایہا الشیخ لن ننساک مہجتنا  
مادام فی الارض للایمان انصار

(امام احمد ص ۵۳۹ مطبوعہ ریاض)

۲..... ایک عقیدت مند شاعر زہر بن عواض اللمعی ”الحاضر الغائب“ کے عنوان  
سے نغمہ زن ہیں ۔

لأنک کما لبدر الذی فی سماءنا  
تضی علوماً بالحقیقة تسطع  
وانت الندی والحلم والعلم والتقی  
وانت لدور العلم رکن ومرجع

وانت لا رباب الجوائج مقصد  
بطما یسبغ المولیٰ علیک وبوسع  
وبعدک من یہدی الطریق بحکمة  
و یا سو جراح المسلمین و یجمع  
فانت الامام الغلو العالم الذی  
بہ ترعوی مرضی القلوب و ترجع  
فی اغائباً عنا وان کنت حاضراً  
ما نرک الحلی تلوح وتطلع  
سلام علیک النہر ما ذر شارق  
وما سح من فقد لا حبة مد مع  
(ایضاً ص ۵۳۵)

۳..... ایک عقیدت مند خاتون رسمیدہ بن محمد نوح زن ہے ۔

علیک بالحنن ودع سابق الجلد  
وہل علی مثلہ یا قلب من جلد  
جل المصاب ، فکل الناس فی جزع  
والنفس فی وجل والروح فی کبد  
مما نخاف وقد اصبحت فی جدث  
وغبت فی الثرب یا..... یا خیر مفتقد  
شیخاہ ما ذا عسانی الیوم فائلا  
شیخاہ شیخاہ شیخاہ ہلا عدد



هل غبت حقاً يا شيخ اسلمى  
تتري وصمتك لم يخطر على خلدي  
(ایضاً ص ۵۴۱)

۴..... ایک ارادت مند شاعر خالد الخنین زمزمہ پرداز ہے۔  
ولك العيون الواكفات بدمعها  
ولك القلوب اللاتعات هيام  
يا طاهر النفس الایة كم روى  
عنك الزمان وخطت الاقلام  
لك في الحنان المعائدات منازل  
وعليك من رب العباد سلام  
(ایضاً ص ۵۴۷)

۵..... ایک محب صادق "فقدناک" کے عنوان سے آزاد منقبت میں لکھتا ہے۔  
فقدناک

فقدناک يا بهجة الاتقياء  
فقدناک علمتنا كيف نحيا  
حياة بهالايكل العطاء  
(ایضاً ص ۵۴۷)

۶..... ایک عاشق زار حبیب بن مطاعرض گزار ہے۔

لك الله يا بدر الشريعة والهدى  
لك الله من شيخ له القلب يقبل

ثمانون عاماً يا امام تتابع  
وانت على علم الشريعة مقبل  
اعزى بك الارض التي منك افقرت  
فباتت يأساً وجهها متحول  
اعزى بك الافلاك احمد ضوؤها  
اعزى بك القلب الذي بات يحفل  
(ایضاً ص ۵۴۸)

الغرض جس قسم کی دعا اور پکار سے حضرت شیخ سارے مسلمانوں کو روکا کرتے تھے، اس کتاب امام العصر میں ان کے عظیم عقیدت مندوں نے اس کو خوب استعمال کیا ہے، یہ تو چند مثالیں ہیں، اس کتاب میں ہر قسم کے غلو کا شاندار مظاہرہ کیا گیا ہے۔ کچھ القاب ایسے ہیں جن میں درپردہ نبوت کا حامل بھی سمجھا گیا ہے، مثلاً "یا مہبط الوحی" کا اور کیا مطلب اخذ کیا جائے۔ انسوس جن سینکڑوں نجدی علما کے نزدیک "یا رسول اللہ" کہنا شرک تھا، وہ اس کتاب میں کس جرأت و جسارت کے ساتھ "یا شیخ یا شیخ" پکار رہے ہیں۔ کسی کی "رگ تو حید" نہیں پھڑکی، کیا یہ طریق کار امت کو اپنے محبوب کی بارگاہ سے دور کرنے کی یہودی سازش تو نہیں؟ کیا امام العصر جیسی کتاب کو پوری عرب دنیا میں مفت تقسیم کرنا اور فضائل رسول ﷺ پر مشتمل ہر کتاب کو تلف کر دینا انگریزی سامراج کے ایجنڈے کی تکمیل نہیں؟ یہ سوچنا پوری اسلامی دنیا کے ذمے قرض ہے۔

انبیا اور اولیا سے مدد طلب کرنا: ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ کوئی مسلمان انبیا اور اولیا کو مستعان حقیقی نہیں سمجھتا، مستعان حقیقی صرف اور صرف اللہ وحدہ کی ذات ہے۔ مسلمان انبیا اور اولیا کو مجازی معنوں میں پکارتے ہیں، ان کو عون خداوندی کے



مظاہر سمجھ کر بتاتے ہیں۔ ان کی امداد کو ”باذن اللہ“ سے مشروط مانتے ہیں، لہذا اس عقیدے پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ یاد رہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز بن باز نجدی اور ان کا پورا خانوادہ کسی حاکم اور وکیل، حکیم اور طبیب سے امداد طلب کرنے کو جائز سمجھتا ہے کیونکہ ان کی امداد ”ما تحت الاسباب“ ہے، انبیاء اور اولیاء سے امداد حاصل کرنا شرک سمجھتا ہے کیونکہ ان سے امداد طلب کرنا ”ما فوق الاسباب“ ہے، سب سے پہلے تو ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ تقسیم قرآن وحدیث سے ثابت کی جائے، پھر عرض کرتے ہیں کہ حاکم، وکیل اور حکیم اگر اسباب کے ماتحت امداد کرتے ہیں تو کیا مستعان حقیقی کے اذن کے بغیر ہی کرتے ہیں، کیا ان کو مستعان حقیقی کی دی ہوئی قوت کی ضرورت نہیں، ارے خدا تعالیٰ اسباب کے تحت کسی کو تمہارا مددگار بنا سکتا ہے تو کیا اسباب سے اوپر نہیں بنا سکتا۔ ہمارا عقیدہ دیکھئے کتنا واضح اور توحید کے انوار سے مزین ہے، اسباب کے ماتحت ہو یا ما فوق، جو بھی کسی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی عطا اور عنایت سے کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کسی کا چاہا کام نہیں دے سکتا، قرآن حکیم نے دونوں صورتوں کو کھل کر بیان کیا ہے۔ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا تحت بلقیس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے لانا کس سبب کے تحت تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تین میل سے چیونٹی کی آواز کو سننا کس ذریعے کا محتاج تھا، خدا تعالیٰ جس کو اپنا محبوب بناتا ہے، اپنی رضا اور خوشنودی کا تاج پہناتا ہے، اور اپنی محبت کی لازوال سند عطا کرتا ہے تو اسے اس جہان اسباب کا حکمران بنا دیتا ہے۔ بقول حضرت اقبال۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں  
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضا میں  
یہ کوہ یہ دریا یہ سمندر یہ ہوائیں

تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

اللہ کریم نے قرآن پاک میں مسلمان کے تین مددگاروں کا ذکر کیا ہے، انما  
ولکم اللہ ورسولہ والذین امنوا، بے شک تمہارا مددگار ہے اللہ اور اس کا رسول اور  
ایمان والے، (سورۃ المائدہ: ۵۵) اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر مددگار ہے، اس کا رسول اور ایمان  
والے اس کی عطا سے مددگار ہیں،

”ولی“ کا معنی قریب ہے، محبت ہے، صدیق ہے، دوست ہے، مددگار ہے،

(القائمون) ایک اور آیت میں فرمایا، فان اللہ ہو مولاه وجبریل وصالح  
المؤمنین، یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اور جبریل اور نیک مومن اس کے مددگار ہیں، (سورۃ  
الہریم آیت ۴) یہاں بھی وہی عقیدہ کا فرما ہے، اللہ تعالیٰ مستعان حقیقی ہے اور حضرت  
جبریل امین علیہ السلام اور نیک مومن اس کے فضل و کرم سے امداد کرتے ہیں، ان کی امداد  
اس مستعان حقیقی کی امداد ہے بلکہ حضور پر نور ﷺ نے ان سے امداد طلب کرنے کا حکم  
دیا ہے، حضرت امام طبرانی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سند حسن کے  
ساتھ روایت کیا ہے، ان للہ تعالیٰ عباد اعتصمہم لحوائج الناس یفرع الناس  
الہم فی حوائجہم اولئک الامنون من عذاب اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے  
ایسے ہیں جن کو اس نے اپنی مخلوق کی حاجت روائی کے لئے خاص کر رکھا ہے، لوگ گھبرا  
کر اپنی حاجات ان کے پاس لاتے ہیں، وہ لوگ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں، (طبرانی  
کبر، کنز العمال ۶/۴۵۰) حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے روایت لکھی ہے، اذا اراد اللہ لعبد  
عیسٰ استعملہ علیٰ فضاء حوائج الناس، یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ  
بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے، (شعب الایمان ۶/



۱۱۷) حضرت امام بخاری، حضرت امام طبرانی، حضرت امام ابو یعلیٰ، حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حدیث لکھی ہے، اطلبو الخیرا (والحوائج) من حسان الوجوه یعنی حسین چہرے والوں سے بھلائی اور حاجات طلب کرو، (التاریخ الکبیر ۱/ ۱۵۷، طبرانی کبیر ۱۱/ ۶۷، ابن ابی شیبہ ۲۲۳/ ۳، شعب الایمان ۳/ ۲۷۸، یہ حدیث مبارک مجمع الزوائد ۸/ ۱۹۷، الطالب العالی، القاصد ۸۳، حلیۃ الاولیاء ۳/ ۱۵۶، میں بھی عند حسان الوجوه کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے، مزید فرمایا، اطلبو الفضل عند الرحماء من امتی ترزقوا وتفلحوا، میری امت کے رحم کرنے والوں سے فضل مانگو، تم رزق اور فلاح دیئے جاؤ گے، (کنز العمال ۶/ ۵۱۹، المسند رک ۳/ ۳۲۱، طبرانی اوسط ۵/ ۳۲۱) ایک اور نہایت مشہور حدیث ہے، سرکارِ مدینہ، سرورِ قلب و سینہ ﷺ نے فرمایا،

”جس کسی کی سواری جنگل میں گم ہو جائے تو وہ پکارے یا عباد اللہ احبسوا اے اللہ کے بندو اس کو روک لو، تو اللہ کا کوئی بندہ اسے روک لے گا“ (طبرانی کبیر ۱۰/ ۲۶۷، ۱۱/ ۳۰۶، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۳۵) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں،

”جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ مدد حاصل کرنا چاہے اور وہ انجان زمین میں ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ پکارے یا عباد اللہ اعینونی، (وفی نسخة اغینونی) اے اللہ کے بندو میری امداد کرو، ایک نسخے میں ہے کہ میری فریاد کو پہنچو، پس اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو دکھائی نہیں دیتے، اور یہ عمل مجرب ہے، (معنف ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۳۹۰، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۳۵)

حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ ”عباد اللہ“ کی تشریح میں فرماتے ہیں،

”المراد بهم الملائکۃ او المسلمون من الجن او رجال الغیب المسمون بالابدال، اللہ کے بندوں سے مراد فرشتے ہیں، یا مسلمان جن ہیں یا غیبی مرد ہیں جن کو ابدال کہا جاتا ہے، (الحرز العین ص ۱۲۷)

نواب قطب الدین خان خاٹن اسلمند او کے معتبر عالم ہیں، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، ”مراد بندگان خدا سے رجال الغیب ہیں، یعنی ابدال یا ملائکہ، یا مسلمان جنات“ (ظفر الجلیل) صدیق حسن بھوپالی رقمطراز ہیں،

”اس حدیث میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ اس مخلوق سے امداد طلب کرنا بھی جائز ہے، جو دکھائی نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے مراد خواہ فرشتے ہوں یا نیک جن، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے سواری کے کھسک جانے یا پھسل جانے پر انسانوں سے مدد مانگنا جائز ہے، خود میں ایک دفعہ ہندوستان کے شہر مرزا پور سے جہلپور کی طرف سفر کر رہا تھا، میری سواری ندی میں گر گئی اور اس وقت ندی میں سیلاب تھا، قریب تھا کہ میں سواری سمیت غرق ہو جاتا، یہ حدیث مجھے یاد تھی، میں نے فوراً یہ کلمات کہے (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو) میری سواری فوراً ایک بڑے پتھر پر رک گئی، جو اس ندی میں پانی کی لہروں پر بہتا ہوا آ رہا تھا، اور میں غرق ہونے سے بچ گیا، سب تعریف اللہ کے لیے ہے، (نزل الابرار ص ۳۳۵)



دیوبندی عالم مفتی محمد شفیع کراچی صاحب لکھتے ہیں،

”اسی طرح غیر مادی اسباب کے علاوہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایات حدیث اور اشارات قرآن سے اسکا بھی جواز ثابت ہے، وہ بھی اس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے، اور غیر اللہ کے لئے حرام و شرک ہے“ (معارف القرآن ۲۲/۱)

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے دشمن و صنف نہیں، اس کے فضل و کرم سے اس کی کائنات کے مالک و وارث ہیں، ماذون و مختار ہیں، ان سے کسی حاجت کو طلب کرنا، اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اقرار ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا، انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ، اے نبی اللہ نے اس (زید) پر انعام کیا، اور تو نے بھی انعام کیا، اَنْ اغْنِیَہُمُ اللہ و رسولہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے غنی کر دیا، کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں حاجت لے کر حاضر نہیں ہوتے تھے، کوئی بارش کی دعا کرواتا، کوئی بھوک اور پیاس کا رونا روتا، کوئی بیماری اور لا چاری کی فریاد کرتا، کیا حضور پر نور ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے مولا، ملجا اور مادی نہیں، کیا آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی بار نہیں فرمایا، ”ما تمکو“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکرم ﷺ سے دنیا بھی مانگی، آخرت بھی مانگی، ہاں منافق لوگ بارگاہ رسالت سے دور دور رہتے تھے، نہ خود ان سے کچھ طلب کرتے تھے اور نہ لوگوں کو طلب کرنے دیتے تھے، جیسا کہ سورۃ المنافقون میں ان کی خصلت بدکا ذکر آیا ہے،

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ کے پاس تاکہ وہ تمہارے لئے بخشش کی دعا کریں، وہ اپنے سروں کو (انکار کی صورت میں) پھیرتے ہیں، تو ان کو دیکھے گا کہ لوگوں کو بھی

روکتے ہیں، اور وہ نہایت متکبر ہیں“

اب حضرت شیخ تو چلے گئے، ان کی ذریت کو دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اقدس ﷺ کو اپنی مخلوق کے لئے وسیلہ بنایا ہے، لہذا اس سے بے نیاز ہو کر وہ کیا حاصل کر سکیں گے، اس روش سے باز آنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ حضور پر نور ﷺ کی رضا، اللہ کی رضا ہے، حضور پر نور ﷺ کی عطا اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہے، حضور فرما رہے ہیں ادعوا الی اللہ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اللہ فرما رہا ہے، اذ اظلموا انفسہم جائواک، جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اے محبوب تیرے پاس آ جائیں، گویا حضور ساری مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ ساری مخلوق کو حضور پر نور ﷺ کا دروازہ دکھاتا ہے، گویا رسالت کا تقاضا ہے کہ انسان کو عرفان خدا کی منزل سے آشنا کیا جائے اور عرفان خدا کا تقاضا ہے کہ بارگاہ رسالت تک رسائی حاصل ہو جائے، کیونکہ اس کے بغیر یہ گویہ ہر مراد کی صورت ہاتھ نہیں آ سکتا۔ پھر فرق کیا ہوا، کیوں شرک شرک کی رٹ لگا رکھی ہے۔

بہ خدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مقرر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں وہ وہاں نہیں

ہاں، ہاں! حضور پر نور ﷺ کی بیعت، اللہ کی بیعت ہے، حضور پر نور ﷺ کا ہاتھ، اللہ کا ہاتھ ہے حضور پر نور ﷺ کی محبت، اللہ کی محبت ہے، حضور پر نور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے، حضور پر نور ﷺ کا مارتا، اللہ کا مارتا ہے، حضور پر نور ﷺ کا پھانتا، اللہ کا پھانتا ہے، حضور پر نور ﷺ کا امداد کرتا، اللہ کا امداد کرتا ہے، نادانوا جو قادر مطلق حضرت جبریل، میکائیل عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ذریعے امداد کرے تو شرک نہیں ہوتا، اگر اپنے سب سے بڑے محبوب کرم حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی



آل و اصحاب اور آپ کی ملت کے اولیا اور علما کے ذریعے امداد کروے، تو کیسے شرک ہوگا، یہ سب کے سب اللہ کی جماعت ہیں، اللہ کی جماعت ہی غالب ہے، کار آفرین ہے، کیا کوئی مفلوک الحال اللہ کی جماعت سے امداد طلب نہ کرے، اللہ نے اپنی جماعت کو اپنی مخلوق کی مشکل کشائی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس جماعت کو ”اولوالایہی والا بصار“ یعنی ہاتھوں والے اور آنکھوں والے قرار دیا۔ اس جماعت کے دیکھنے، سننے، پکڑنے، چلنے، کلام کرنے کو اپنے ساتھ منسوب کیا ہے، جیسا کہ حدیث بخاری لکنت سمعہ الذی یسمع بہ ..... سے ثابت ہے۔ اور اس جماعت کی دشمنی کو اپنی دشمنی اور دوستی کو اپنی دوستی ظاہر کیا ہے، اس جماعت کی ہر طلب اور ہر سوال کو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے، اس جماعت کے پاس جانے اور اس جماعت کی سنگت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ ان کے ساتھ اپنی خاص معیت کا اعلان کیا ہے۔ لہذا کوئی انسان مسلمان توحید کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھ کر ”یا رسول اللہ“ کہہ دے تو کوئی فتویٰ صادر نہیں کرنا چاہئے، حضور نبی کریم ﷺ اللہ کی رحمت بن کر آئے ہیں، کیا اللہ کی رحمت کو بھی نہ پکارا جائے؟ اللہ کے عذاب کو پکارا جائے؟

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے

یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

حضرت شیخ نے عامۃ المسلمین پر جو تین الزامات عائد کئے تھے، ان کا تحقیق جائزہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، یہ الزامات دراصل الکی خود ساختہ توحید کا کرشمہ تھے، مسلمان ان کی اس مراد سے بری الذمہ ہیں جو حضرت شیخ کے ذہن نارسا میں کھلبلا رہی ہے، اے اللہ کریم عقل سلیم کی دولت عطا فرما اور عالم اسلام کو ان کفر ساز مشینوں سے محفوظ فرما،

### ﴿.....چند آیات کی درست تفسیر.....﴾

حضرت شیخ عبدالعزیز بن باز نجدی عام مسلمانوں پر مذکورہ صدر تین الزامات عائد کر کے ان کی تردید میں کچھ آیات قدسیہ بھی بیان کرتے ہیں، آئیے ان آیات قدسیہ کی درست تفسیر نقل کر کے اللہ کریم کے حضور سرخروئی حاصل کریں،

اللهم اهدنا الصراط المستقیم

﴿.....1.....﴾

اللہ کریم نے مشرکین کا قول بیان کیا ہے، ویعبدون من دون اللہ مالا یضرہم ولا ینفعہم ویقولون ہو لا شفعا ونا عند اللہ، یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، (سورہ بقرہ: ۱۸)

حضرت شیخ نے اس آیت مبارکہ کے حکم میں انبیاء اور اولیا کو بھی داخل کر دیا ہے، حالانکہ ہم مسلمان کسی بھی نبی اور ولی کی عبادت نہیں کرتے، ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اسے ہی بالذات نفع و نقصان کا مالک جانتے ہیں۔ پھر انبیاء اور اولیا کو اس زمرے میں شامل کرنا کتنی بڑی جرأت و جسارت ہے، یہ آیت کریمہ بتوں، نمرو دوں اور فرعونوں کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ ان کی عبادت کرنے والے ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور کس طرح سفارشی بنائیں گے، کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام دیا ہے۔ باقی رہ گیا انبیاء اور اولیا کا سفارش اور شفاعت کرنا تو یہ قرآن و حدیث کی قطعی اور متواتر نصوص سے ثابت ہے اور علمائے امت کے اقوال سے مبرہن ہے،

﴿.....فرمایا، اور بے شک عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ



گئے، (سورۃ النبی آیت: ۵)

..... فرمایا، عنقریب تمہارا رب تمہیں ایسا مقام دے گا جہاں سب مخلوق تمہاری حمد کرے، (سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۷۹)

..... فرمایا، اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارے ہوتے ہوئے ان کو عذاب میں مبتلا کرے، (سورۃ الانفال آیت: ۳۲)

..... فرمایا، اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (انبیاء آیت: ۱۰۷)

..... فرمایا، قیامت کے دن سب دوست آپس میں دشمن ہوں گے، مگر پرہیزگار نہیں، (سورۃ الفرقان آیت: ۶۷)

..... فرمایا، قیامت کے روز میں محمد مصطفیٰ تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، (مسلم ۲/۲۳۵)

..... فرمایا، میں لوگوں کا شفیع ہوں گا جب ان کو روک دیا جائے گا، (مکتوٰۃ ص ۵۱۳)

..... فرمایا، سب انبیاء کرام علیہم السلام میرے پرچم تلے ہوں گے، (مکتوٰۃ ص ۵۱۳)

..... فرمایا، اے محبوب! ہم عنقریب تمہیں امت کے ہارے میں راضی کر لیں گے، (مسلم ۱/۱۱۳)

..... فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت سب کی سب مخلوق میری طرف رغبت اختیار کرے گی، (مکتوٰۃ ص ۱۹۲)

خلیل و نجی، مسیح و صفی سبھی سے کبھی، کہیں نہ بنی

یہ بے خبری کہ خلق پھری، کہاں سے کہاں تمہارے لئے

..... فرمایا، دوزخیوں کو صف در صف کھڑا کیا جائے گا، ان کے پاس سے جنتی آدمی

گزرے گا، ایک دوزخی اسے کہے گا، آپ مجھے پہچانتے نہیں، میں نے آپ کو پانی پلایا تھا،

دوسرا دوزخی کہے گا، آپ مجھے پہچانتے نہیں، میں نے آپ کو وضو کے لئے پانی دیا تھا، پس وہ

جنتی ان کے لئے سفارش کر کے جنت میں داخل کر دے گا، (ابن ماجہ ۲۲۱ مکتوٰۃ ص ۴۹۲)

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ کی شفاعت تو زبردست دلائل سے ثابت ہے اور

ان کو شفاعت کا اختیار اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، من ذالذی یشفع عندہ الا

بإذنه یعنی کون ہے جو اللہ کے رب و شفاعت کرے گا مگر اس کے حکم سے (سورۃ البقرہ: ۵۲)

حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں،

”اس (آیت) میں مشرکین کا رد ہے، جن کا گمان تھا کہ بت

شفاعت کریں گے، انہیں سنا دیا گیا کہ کفار کے لئے شفاعت نہیں،

اللہ کے حضور ماذونین کے سوا کوئی شفاعت نہیں کر سکتا، اور اذن

والے صرف انبیاء مائتہ اور مومنین ہیں“ (حاشیہ خزائن القرآن ص ۷۶)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے، لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ

عند الرحمن عهدا، یعنی اللہ کے حضور شفاعت وہی کرے گا جس نے اللہ سے عہد لیا

ہے، (سورۃ مریم: ۸۷) اور فرمایا لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ فرشتے اسی کی شفاعت

کریں گے جس پر اللہ راضی ہوگا (سورۃ الانبیاء: ۲۸) اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات

قدسیہ ہیں جن سے یہ عقیدہ اخذ ہوتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت اور عہد و

عظمت کی بدولت، گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے، جن آیات میں شفاعت کی نفی

ہے، ان میں کفار و مشرکین کی شفاعت کی نفی ہے، فرمایا و لم یکن لہم من شرکاء لہم

شفعا اور ان کے شریکوں میں کوئی ان کا شفاعت گزار نہیں، اور فرمایا لیس لہم من دونہ

ولسی ولا شفیع، اللہ کو چھوڑ کر کفار کا کوئی مددگار اور شفاعت گزار نہیں، اور فرمایا فمما

تستفعہم شفاعة الشافعين، کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے

گی، اور فرمایا فمما لا من قوۃ ولا ناصر، کافر کے لئے کوئی قوت اور کوئی مددگار نہیں، اس



مضمون کی آیات قدسیہ بھی کافی تعداد میں وارد ہیں، جن سے عقیدہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ کے باغیوں اور دشمنوں کا کوئی پرسان حال نہیں، اب ایسی آیات قدسیہ کی تلاوت کر کے علامۃ المسلمین کو مشرک و کافر قرار دینا اور انبیاء اور اولیاء کو بے اختیار قرار دینا قرآن کے ساتھ ظلم عظیم ہے، حضرت شیخ اور ان کی ذریت کو معلوم ہونا چاہئے کہ فقہائے اسلام نے منکر شفاعت پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے، جیسا امام طحاوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے، فلا تجوز الصلاة حلف من ينكر شفاعة النبي ﷺ لانه كافر یعنی نبی اعظم و اقدس ﷺ کی شفاعت کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے (رد المحتار ۴/۴۵) حضرت مولانا عبد العظیم لکھنوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ منکر شفاعت کی امامت درست نہیں، (قرآن قابل حاشیہ نور الانوار ص ۲۴۷) علامۃ المسلمین اسی لئے اہل نجد کی امامت پر معترض ہیں کہ ان کے نزدیک انبیاء اور اولیاء کی شفاعت برحق نہیں اور وہ بتان و ادیان کے رد میں نازل ہونے والی آیات کو ان مقدس شخصیات پر چسپاں کرتے ہیں، لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم

**ایک لطیفہ:** احقر راقم السطور جب مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہا تھا، اس دوران ایک ”شیخ نجدی“ مسجد نبوی کے نورانی ماحول میں مذکورہ صدر آیت پڑھ کر کہنے لگا، رسول اللہ ﷺ کوئی نفع نہیں دیتے اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، عجیب لطف کی بات یہ تھی کہ جس ”مولوی صاحب“ کی کتاب سے وہ یہ عبارت پڑھ رہا تھا، اس کا نام تھا ”شیخ محمد نافع“، یعنی نفع دینے والا بزرگ، گویا اس گستاخ کے اس انداز فکر پر عقل ماتم کر رہی تھی کہ اگر تمہارا مولوی ”نافع“ ہو سکتا ہے تو اللہ کا سب سے بڑا رسول کیوں نافع نہیں۔ کاش اس کو خبر ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آنے والے نفع و نقصان نہیں دے سکتے، اس کے برگزیدہ بندے تو سراپا نفع ہیں، فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے، خبر الناس من

خبر الناس من میں بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کو نفع دیتا ہے۔

﴿.....2.....﴾

حضرت شیخ عبد العزیز بن باز نجدی نے ایک یہ آیت کریمہ بھی نقل کی ہے، وَاللّٰهُمَّ اتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اَوْلِيَا مَا نَعْبُدُكُمْ اِلَّا لِيَقْرَبُوْنَا اِلٰى اللّٰهِ زُلْفٰى، رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے فعل کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کر دیں، (سورۃ الزمر: ۳)

یاد رہے کہ قرآن پاک کی تفسیر قرآن پاک اور حدیث پاک کی روشنی میں کرنی چاہئے، قرآن پاک نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ کفار نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اولیاء بنا رکھا تھا، فرمایا انھم اتَّخِذُوا الشَّيَاطِينَ اَوْلِيَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ، (سورۃ الاعراف: ۲۸) ایک ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیاطین کو اولیاء بنانا اور ان کی عبادت کرنا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھنا، دوسرا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر انبیاء اور صالحین کو اولیاء بنانا، اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ سمجھنا، خدا را انصاف کا واسن پکڑ کر دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا ان دونوں نظریوں میں کوئی فرق نہیں؟ پہلا نظریہ شرک کا پیش خیمہ ہے اور دوسرا نظریہ توحید کا نمونہ ہے۔ پہلے نظریے کے رد میں اترنے والی آیت کو کس طرح دوسرے نظریے کی تردید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

شیاطین اور صالحین میں فرق ہے، عبادت اور اطاعت میں فرق ہے، مشرکین اور مسلمین میں فرق ہے، خدا کے غضب اور ادب میں فرق ہے۔ کیا ہر چیز کو ایک ہی حکم میں رکھنا اور مراتب کا خیال نہ کرنا شدید نا انصافی نہیں، سمجھئے اور خوب سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کی عبادت کا کیا حکم دیا ہے۔ اور پھر ان کی عبادت کو اپنی قربت کا کب ذریعہ



قرار دیا ہے، لہذا یہ نظریہ سراسر باطل ہے، اس پر عمل پیرا ہونے والا مشرک ہے۔ دوسری طرف اس نے صالحین کی اطاعت کا حکم دیا ہے، فرمایا، واتبع مسیبل من اصابہ الی، اس کی اتباع کرو جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر ان کی اطاعت کو اپنی قربت کا وسیلہ قرار دیا ہے، فرمایا واتبعوا الیہ الوسیلہ، اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو، لہذا یہ نظریہ سراسر برحق ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے والا مومن کامل ہے۔ افسوس حضرت شیخ اور ان کے ارادت مند اس بنیادی فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی کے قعر عمیق میں گر چکے ہیں۔ آئیے قرآن پاک سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنے والے، ان کو اللہ تعالیٰ سے دور سمجھ کر بتوں اور باطل معبودوں پر قیاس کرنے والے کون ہیں، فرمایا،

”اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کر دیا جائے اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی راہ نکالیں، یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے“ (سورۃ اقسام: ۱۵۰-۱۵۱)

**شیخ ابن باز کی ایک اور نا انصافی:** حضرت شیخ عبدالعزیز بن باز نجدی نے اپنے

مقالے ”صحیح اسلامی عقیدہ“ میں ایک اور نا انصافی کا ارتکاب کرتے ہوئے لکھا ہے،

”بعض اہل تصوف و باطنیت کا ان کے معروضہ اولیا کے

متعلق یہ عقیدہ بھی سراسر خلاف حق ہے کہ وہ تدبیر کائنات اور دنیا کے

انتظامات میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بٹاتے ہیں، وہ اپنے معبودوں کو قطب،

و تد، غوث اور دوسرے خود ساختہ ناموں سے یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں یہ بدترین شرک ہے اور حق تو یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کے شرک سے بھی بدتر ہے۔ (عقیدہ المسلم ص ۵۹)

اب اس نا انصافی کا کیا جواب دیا جائے، کاش شیخ ابن باز کو چشم باز نصیب ہوتی تو وہ دیکھتے کہ یہاں وہ امت مسلمہ کے بڑے بڑے اولیا اور صوفیا پر تیر اندازی کا ارتکاب کر رہے ہیں، جنہوں نے شب و روز اللہ تعالیٰ کی توحید کا درس دیا اور رسول کریم ﷺ کی محبت و اطاعت میں سرگرم عمل رہے، کوئی مسلمان، کوئی صوفی، کوئی عابد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتا، کسی ولی کو غوث، قطب اور تد کہتا اس کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کے مترادف نہیں، ہم حضرت شیخ اور ان کی ذریت سے سوال کرتے ہیں کیا قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے روف، رحیم، سمیع، بصیر، عزیز و کریم، نصیر، جواد، وارث، خیر المنز لین، سید، مولا، ولی، شفیع، ظہیر، حتیٰ کہ رب جیسے اسماء استعمال نہیں کئے، کیا غوث، قطب، تد، داتا، جیسے الفاظ مذکورہ قرآنی اسماء سے زیادہ ”موجب شرک“ ہیں۔ جب عامۃ المسلمین کا عقیدہ ہے کہ ہر شان و کمال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کے بندے اس کی رضا اور عطا کے مطابق کسی شان و کمال کے مالک ہیں، ایک صاحب کہنے لگا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا شرک ہے، میں نے کہا پھر ان کو ”علی“ کہنا بھی شرک ہے کیونکہ حقیقت میں ”علی“ اس قادر مطلق کا نام ہے۔ اس شرک میں تم بھی بری طرح مبتلا ہو، حضرت شیخ کا اسے شرک قرار دینا بلکہ دور جاہلیت کے شرک سے بدترین شرک قرار دینا بدترین نا انصافی ہے، مشرکین عرب تو اپنے اصنام و اوثان کو عبادت کے لائق سمجھتے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کوئی کمال نہیں دیا تھا، انہیں با کمال تصور کرتے تھے، وہ ان اندھوں کو بینا، بہروں کو شنوا اور بے



زبانوں کو زبان آور خیال کرتے تھے، ادھر اہل اسلام انبیاء اور اولیاء کو خدا داد کمالات کا حامل سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی پوجائیں کرتے، پھر ان اہل اسلام کو اہل اصنام سے بدترین کہنے والا کس طرح فلاح یاب ہو سکتا ہے، باقی رہ گیا انبیاء اور اولیاء کا تدبیر کائنات اور دنیا کے انتظامات میں ہاتھ بٹانا، تو یہ وحشت ناک نظریہ حضرت شیخ الزام ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، سب اس بے نیاز مطلق کے محتاج ہیں، وہ تھا سب پر غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، ہاں جب وہ غالب و قادر اور قادر و جاہل اپنے برگزیدہ بندوں سے خوش ہوتا ہے تو انہیں اپنی کائنات کا وارث بناتا ہے، مہر و ماہ کو ان کے لئے مسخر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

﴿..... وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ الْأَرْضَ  
بِرِثَاءِ عِبَادِي الصَّالِحِينَ، اور بے شک ہم نے زبور میں ذکر کے  
بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں۔  
(سورۃ الانبیاء: ۱۰۵)

﴿..... لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا  
تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ، ان کے لئے  
بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں تبدیل  
نہیں ہوتیں، اور یہی تو بڑی کامیابی ہے، (سورۃ یونس: ۶۳)

﴿..... نَحْنُ أَوْلِيَاءُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ  
وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ، ہم  
دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں، اور تمہارے  
لیے اس میں ہر چیز ہے جسکو تم پسند کرو اور جس کو تم طلب

کرو، (سورۃ حم جیدہ آیت ۳۲)

﴿..... وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا  
الْأَرْضَ نَتَبَوَّسُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنَعْمَ أَجْرَ الْعَامِلِينَ، اور  
بولے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہمارے ساتھ  
کیا ہوا وعدہ پورا کیا، اور ہمیں زمین کا وارث بنایا، اب ہم جنت  
میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکیں، پس نیک عمل کرنے والوں کے  
لیے بہترین ثواب ہے (سورۃ الزمر آیت ۷۴)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو  
کائنات میں اپنی خلافت و وراثت سے سرفراز فرمایا ہے۔ کیا وارث اپنی وراثت میں  
حصر و محنت نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو رحمت و رافت، سماعت و بصارت، تصرف  
و قدرت، عزت و کرامت، عظمت و منزلت، حفاظت و امانت اور وجاہت و سیادت عطا  
فرمائی ہے، اُن کو دیکھنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لے آتا ہے۔ ایک بات  
یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی دشمن اللہ تعالیٰ کے کسی کام کو اپنی طرف منسوب کرے تو  
اس کو جلال آتا ہے۔ جبکہ اس کا کوئی محبوب اس کے کسی کام کو اپنی طرف منسوب کرے تو  
اس کو پیار آتا ہے۔ جیسا کہ نمرود نے کہا ”اُحیی و اُمیت“ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں، اس  
پر اللہ تعالیٰ کو جلال آیا، کیونکہ اس نے اپنے دشمن کو یہ قوت و عظمت عطا نہیں کی تھی، یہی  
بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی ”اُحیی الموتی باذن اللہ“ میں اللہ کے حکم سے  
مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ کو پیار آیا، معلوم ہوا جو سلوک شریکوں سے کیا  
جاتا ہے وہ جیبوں سے نہیں کیا جاتا۔ فرشتگان نور اللہ تعالیٰ کے مكرم بندے ہیں،  
اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف امور سرانجام دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے ”والمندبرات



امسراہ ان کی شان میں وارد ہے، کوئی رزق کی تقسیم پر مقرر ہے، کوئی رحم مادر میں تصور بنانے پر مقرر ہے۔ کوئی موت کا فرشتہ ہے، کوئی حساب لینے پر کمر بستہ ہے، کوئی قیامت برپا کرنے کے لیے کھڑا ہے، کوئی ثواب دینے اور عذاب نازل کرنے پر آمادہ ہے، ان سب کے اجتماعی کاموں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و عظمت کے ساتھ منسوب کیا ہے کیونکہ فعال حقیقی اور موثر حقیقی تو ہر حال میں اسی کی ذات اعلیٰ صفات ہے۔ فرشتے تو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اب کوئی نادان یہ الزام لگا دے کہ مسلمانوں کے عقیدے میں فرشتے تدبیر کائنات اور انتظامات میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بٹاتے ہیں، تو یہ اس کی اپنی گمراہ کن سوچ ہے، مسلمان اس سوچ سے بری ہیں۔ پھر حضرت شیخ بھی فرشتگان نور کے مذکورہ کمالات و برکات کو تسلیم کرتے ہیں، ہمارا سوال ہے کہ وہ قادر کریم اگر اپنے انبیاء اور اولیاء کو منصب خلافت اور مسند وراثت پر فائز فرما کر اپنی کائنات میں تصرف کی اجازت عطا کر دے تو کیسے شرک ہوگا، اور اس تصرف کو ماننے والے کیسے مشرک ہوں گے، کیا فرشتگان نور کا اختیار، انبیاء اور اولیاء کے اختیار سے زیادہ عالی شان ہے۔ اگر فرشتے سورج کے غروب میں اہم کردار ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم، نائب مختتم، مظہر کامل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اُس کے غروب کو طلوع میں بدلنے کا اختیار کیوں نہیں استعمال کر سکتے، یہ الگ بات ہے کہ اُن کا غروب کرنا اور ان کا طلوع کرنا سب اللہ تعالیٰ کی مشیت ازیلی کے تابع ہے۔ وہاں بھی اس کی قدرتوں کا ظہور ہے، یہاں بھی اس کی قدرتوں کا ظہور ہے، اُس کا اقرار اور اس کا انکار کسی مسلمان کے شایان شان نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انبیاء اور اولیاء کے عطائی تصرفات کا ذکر فرمایا ہے، اُن کے معجزات اور کرامات کو بیان کیا ہے۔ اہل اسلام بھی وہی کچھ بیان کرتے ہیں، جو اُن کے پروردگار نے بیان کیا ہے، اہل اسلام جب کسی ولی کامل کو

لے، قلب، ابدال، و تد، مجدد، کے ناموں سے پکارتے ہیں تو انہیں فیض خدا کا وسیلہ کہہ کر پکارتے ہیں، ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے ان احادیث مبارکہ پر غور کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

..... ان الله ليدفع بالمسلم الصالح عن مائة اهل البيت من حيرانه البلاء، بے شک اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے ذریعے اس کے ہمسائے سوگھروں سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔

(مجمع الزوائد ۹/۱۶۷، کنز العمال ۵/۹)

..... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، میں زمین پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہوں، جب میں میرے گھر آباد کرنے والے، میرے لئے باہم پیار کرنے والے، اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے دیکھتا ہوں تو اپنا عذاب پھیر لیتا ہوں، (شعب الایمان ۶/۵۰۰، کنز العمال ۷/۵۷۹)

..... جو آدمی ہر روز سب مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگے، کان من الذین يستجاب لهم و يرزق بهم اهل الارض، وہ ان لوگوں میں ہو جاتا ہے، جن کی دعا قبول ہوتی ہے، اور جن کے وسیلے سے اہل زمین کو رزق نصیب ہوتا ہے، (کنز العمال ۶/۳۷۶)

..... الا بدل في امتي ثلثون بهم تقوم الارض بهم تمطرون و بهم تنصرون، میری امت میں تیس ابدال ہیں، انہیں کی بدولت زمین قائم ہے، اس کے وسیلے سے تم پر بارش نازل ہوتی ہے اور ان کے وسیلے سے تمہیں امداد دی جاتی ہے،



(طبرانی فی الکبیر، ص ۲۵۰، الحدیث ۲۳۱/۲، مجمع الزوائد، ۶۶/۱۰، مصنف عبد الرزاق

۲۵۰/۱۱، الحدیث ۲۳۱/۲)

..... زمین ہرگز تیس (اولیا) سے خالی نہ ہوگی کہ وہ حضرت  
ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مظہر ہوں گے، بہم تغانون و بہم  
ترزقون و بہم تمطرون، ان کے وسیلے سے تمہاری فریاد سنی  
جائے گی، تمہیں رزق دیا جائے گا اور تمہیں بارش سے نوازا جائے

گا، (طبرانی مع حسن، مجمع الزوائد، ۶۶/۱۰، کنز العمال، ۱۸۷/۱۲)

حضرت شیخ اور ان کی ذریت ان ارشادات پر خوب غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے  
اپنے بندوں کو احسن تقویم بتایا ہے اور اپنی نیابت و ولایت کے اعلیٰ منصب پر متمکن کیا  
ہے، انکی نگاہوں کے سامنے اپنی مخلوقات کے اسرار فاش کر دیئے ہیں، وہ ارضی و سماوی  
ملکوت کا مشاہدہ کر رہے ہیں، ذرا غور کریں، دو آدمی کھڑے ہیں، ایک کے پاس خورد  
بین ہے اور دوسرے کے پاس نہیں، کیا کائنات کے مشاہدے میں دونوں برابر ہوں  
گے، نہیں ہرگز نہیں، خورد بین والا تو باریک سے باریک مخلوق کو دیکھ رہا ہوگا، اگر پھر وہ  
”دور بین“ لگا کر دیکھے تو اربوں میل کے فاصلوں پر پھیلی ہوئی کائنات کے ایک ایک  
سیارے اور ستارے کو ملاحظہ کر رہا ہوگا، جبکہ جس کے پاس یہ سائنسی آلات نہیں، وہ بیچارا  
اپنی محدود نظر سے اپنے گرد و پیش کو دیکھتا ہوگا، جس کے ہاتھ میں ”مادی اسباب“  
آجائیں، اس کی نگاہ تو اتنی تیز ہو جائے اور جس کے پاس روحانی اسباب ہوں اور نبوت  
و ولایت کے کمالات ہوں، وہ کچھ نہ دیکھ سکے اور کچھ نہ کر سکے، حیرت ہے اس فلسفہ خام  
پر اور فکر ناقص پر، اللہ تعالیٰ نے روحانی کمالات والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا،  
”ہم نے (داؤد و سلیمان) دونوں کو حکم اور علم عطا فرمایا، اور داؤد

کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ  
ہمارے کام تھے، اور ہم نے اسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھا دیا کہ  
تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے، تو کیا تم (اللہ کا) شکر ادا کرو گے،  
اور سلیمان کے لئے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اس کے حکم سے چلتی اس  
زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور ہم کو ہر چیز  
معلوم ہے“ (سورہ النمل، ۸۱:۷۹)

ان آیات نے بتایا کہ محبوبان خدا کے لئے ہوا بھی مسخر ہوگئی، لوہا بھی نرم ہوگیا، پہاڑ  
بھی تسبیح خواں بن گئے، پرندے بھی نغمہ سرا ہو گئے، وہ حکم اور علم کے سرچشمے بن گئے، یہ  
سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ مزید شان عہدیت اور عطائے الوہیت کا مشاہدہ کریں، فرمایا،

..... ”اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا، اور کہا اے لوگو، ہمیں پرندوں  
کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہر چیز سے ہمیں (حصہ) عطا ہوا ہے، بے  
شک یہ (اللہ کا فضل مبین ہے، اور سلیمان کے لئے جنوں، انسانوں  
اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے، تو وہ رو کے جاتے تھے.....  
سلیمان نے کہا اے درباریو تم میں سے کون ہے جو اس (بلیقہ) کا  
تخت میرے حضور لے آئے اس سے پہلے کہ وہ (خود) میرے پاس  
اطاعت گزار بن کر آئے، ایک عفریت جن بولا کہ میں وہ تخت آپ  
کے پاس لاؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں، اور  
میں بیشک اس پر قوت والا اور امانت دار ہوں، پھر اس نے عرض کی  
جس کے پاس کتاب کا علم تھا، میں اسے آپ کے حضور حاضر کر دوں  
گا، آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے۔ پھر جب سلیمان نے تخت کو



اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا، یہ (قوت و تصرف) میرے رب کے فضل سے ہے۔ (سورۃ اہل آیت: ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹)

..... (حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں) میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مور جتہ بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً اللہ کے حکم سے اڑنا شروع ہو جاتی ہے، اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں، اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو، بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان دار ہو، (سورۃ اہل عمران: ۴۹)

..... اور جب ابراہیم نے عرض کی، اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرتا ہے، فرمایا کیا تجھے یقین نہیں، عرض کی یقین کیوں نہیں، مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے، فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے، پھر ان کا ایک ایک گلڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر انہیں آواز دے تو وہ تیرے پاس پاؤں سے دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے، اور جان رکھ کہ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے، (سورۃ البقرہ: ۲۶۰)

یہ تمام آیات مبارکہ اپنی تفسیر آپ ہیں، اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات محبوبان خدا کے خداداد کمالات و معجزات کی دہائی دے رہی ہیں، حضرت شیخ اور ان کی ذریت ان کمالات و معجزات کو خدا تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتی ہے یا تدبیر کائنات اور دنیا کے انتظامات میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بنانا تصور کرتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے علوم و اسرار،

حضرت مریم کے تصرفات، حضرت ذوالقرنین کی ارضی سیاحت، اصحاب کہف کی وجاہت، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزات کو بھی سامنے رکھ کر جواب دیا جائے، یہ سب داستان فضل اللہ تعالیٰ نے خود بیان کی ہے، کیا یہ مقدس لوگ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بنا رہے ہیں یا انکی عطا کردہ قوتوں کو انکے منشا کے مطابق استعمال کر رہے ہیں، پھر جب حضور تاجدار انبیا، شہسوار لامکاں، باعث تخلیق کون و مکاں ﷺ کے معجزات اور آپ کی امت کے اولیا کرام کی کرامات کی بات آئے تو حضرت شیخ اور ان کی ذریت پر کیوں نہ غشی کے دورے پڑنا شروع ہو جائیں گے،

**ایک اور انداز فکر:** اب ہم اپنے ان سادہ دل احباب سے مخاطب ہیں کہ نجدی افکار سے اتنی جلدی متاثر ہو جانا آپ کے شایان شان نہیں، صرف اتنا ہی سوچ لینا چاہئے کہ ایک طرف ہزاروں صوفیا، اولیا، علماء، فقہاء، نے قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح بیان کی ہے اور دوسری طرف یہ چند سر پھرے لوگ ہیں، کیا یہ ان عظیم شخصیات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں، اندھا انسان اور بینا انسان برابر نہیں، نیکی اور بدی برابر نہیں، کہاں شیخ ابن باز اور کہاں دہلی، بغداد، اجمیر، بخارا، لاہور، سرہند، علی پور اور شر قیور کے شہباز، روحانیت کے ان علمبرداروں نے غوثیت، قطبیت، ابدالیت، مجددیت، قیومیت کے مقام بیان کئے ہیں۔ تو ضرور ان میں صداقت ہے، حضور سراپا نور ﷺ نے ان لوگوں کو انبیا کرام علیہم السلام کا وارث قرار دیا ہے، یہ نسبت سرکار سے صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے مقام پر فائز ہیں۔ قرآن پاک فرماتا ہے، "والذین اوتوا العلم درجات" اہل علم کو درجات سے نوازا گیا ہے، (سورۃ الجاہلہ: ۱۱) ان درجات کی انہیں خبر ہوگی جو ان پر فائز المرام ہوں گے، کسی محروم کو کیا معلوم کہ عرفان خدا کے کیا نظارے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف آنے



والوں کو کن مقامات پر متمکن فرماتا ہے۔ ایک شخص نے لاہور دیکھا نہیں تو راستے کے ہر مقام کا انکار کرتا پھرے تو لاہور دیکھنے والے اس کا مذاق اڑائیں گے، آئیے حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ جیسے محسن اسلام کے انکار نقل کرتے ہیں، آپ کی ہمہ گیر شخصیت کو تمام مکاتیب فکر کے نزدیک ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

..... قطب ابدال ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو

عالم کے وجود اور اس کی بقا سے تعلق رکھتے ہیں، قطب ارشاد ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جو دنیا کے رشد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا اپیدائش، رزق رسانی، ازالہ بلیات، بیماریوں کو دور کرنا، صحت و عافیت کا حصول وغیرہ امور قطب ابدال کے مخصوص فیوض سے تعلق رکھتے ہیں، اور ایمان و ہدایت، توفیق حسنات، گناہوں سے رجوع و توبہ وغیرہ قطب ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہے۔

قطب ابدال ہمہ وقت کام میں مشغول رہتا ہے۔ اس سے دنیا کے خالی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے دنیا کا انتظام وابستہ ہے، اگر اس قسم کے قطب میں سے کوئی قطب وفات پا جائے تو اس کی جگہ دوسرا مقرر ہو جاتا ہے، لیکن قطب ارشاد کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمہ وقت موجود ہو، ایک وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا ایمان و ہدایت سے بالکل خالی ہو جائے۔ (معارف لدیوس ۶۶)

..... قطب ارشاد جو فرویت کے کمالات کا جامع ہوتا ہے، بہت ہی کم پایا جاتا ہے صدیوں اور زمانوں کے بعد ایسا جو ہر کامل ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریک دنیا اس کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔

اور اس کی ہدایت و ارشاد کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے، عرش کے دائرے سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رشد و ہدایت اور ایمان و عرفان کی دولت میسر آتی ہے، اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے، اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے، اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پاسکتا، (مبداء ص ۴۸)..... میں تو کہتا ہوں کہ حقیقت میں اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامت ہے، اور ان کا لوگوں کو خدا کی طرف بلانا، خدا کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے، اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان اور زمانے کے لئے فہیمت ہیں، بہم یرزفون و بہم یحطرون، ان کی گفتگو دو اور ان کی نظر شفا ہے، یہ لوگ اللہ کے ہم جلیس ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا، اور ان سے دوستی رکھنے والا نامراد نہیں رہتا، (مکتوب ۱۳۳، دفتر سوم)

**ہمارا بھی ایک سوال ہے:** حضرت شیخ عبدالعزیز بن باز نجدی اور ان کی ذریت کے مطابق غوث، قطب اور وند وغیرہ کہنا شرک جلی ہے، اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو ہم بھی ایک سوال کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں، حضرت شیخ کو ان کے ارادت مندوں نے مہبط وحی وحی کے اترنے کی جگہ، وحید فی الدعوة، دعوت میں یکتا انسان، مقصود الجواب، تمام سمتوں کا مقصود، مہبط حکمت، مطلع انوار، بحر فی العلم الشرعی، مرجع الامم الموعود، المعلم، المرشد، العالم الجلیل، یا خیر قدوة، جزوقائد، الامام المکمل، سید العلم، شیخ المشائخ، امام فی التقوی، امام العلماء،



..... امام العصر، بازیۃ الدھر، رئیس ہدیۃ کبار العلماء، موبک الدعوة والدعاة مصاب  
جلل وخطب عظیم، الامام العلامة، عالم الامة، واستغنی عن دنیا، قدوة فی سلوکه، علامة  
الجزیرہ وفقیۃ الامة، حسن العزاء، العصامی الزاجد، الرحیل الاخیر، الحاضر الغائب، قلعة  
العلم، الرجل القمہ، الرجل الامة، امیر القی، نجم العصور، یا قتیۃ الطھر، الموبک السماوی،  
باز ساء بقیۃ السلف، امام الحق، بحر امان، نھر اعذاب، بعید الغور، عالی الصمۃ، نافذ البصیرۃ،  
عظیم الخیرۃ، لطیف المعاملۃ، ساکن الصبیۃ، رفیق الید واللسان، حلوا لمنطق، ذکی القواد،  
کان لمة واحدة، الرجل الرشید، الجبل الشامخ، القبس الائم، الامام العظیم، امام العلم، اب  
المعرفۃ، شیخ الفکر، ورائد العصر، حجة الزمان، وحید الاوان، باذل الجاہ والا موال، مولانا،  
الامام الخاشع، من احياء ضمائرنا، الامام الاجل، والعالم الامثل، امام اهل السنۃ، شیخ انصار  
الحسینیۃ، صفوة اهل الارض، خیر من طلعت علیہ الشمس فی هذا العصر، یا مجیی الکتاب  
والسنۃ یا رائد العلم، یا مجدد العصر، یا حبیب القلب، الامام، الصمام، کے القاب سے یاد کیا  
ہے، ان کے حالات پر لکھی جانے والی کتاب ”امام العصر“ میں لکھا گیا ہے،

”علمائنا کرام کے وارث ہیں، متقیوں کے بزرگ

ہیں، وہ زمین میں آسمانی ستاروں کی طرح ہیں، بیماری کے لئے دوا  
ہیں، ان کا فضل ظاہر ہے، ان کا غلبہ ظاہر ہے، ان کی دلیل باہر ہے،  
گمراہی سے ہدایت کی طرف بلا تے ہیں، مصیبت پر صبر کرتے  
ہیں، کتاب اللہ سے مردوں کو زندہ کرتے ہیں، اس کے نور سے  
اندھوں کو راہ دکھاتے ہیں..... وہ امت پر آبا و اعمات سے  
زیادہ مہربان ہیں، جیسے ماں باپ اپنے بیٹوں کو دنیا کی آگ اور  
زندگی کے اوصاب سے بچاتے ہیں، علماء کرام ان کو دوزخ کی

آگ سے بچاتے ہیں،..... وہ ملت کا خزانہ ہیں، سنت کے  
محافظ ہیں، شریعت کے حامل ہیں، ان کے اخبار باقی ہیں، ان کے  
آثار دائمی ہیں..... اور اللہ ان پر رحمت نازل کرتا ہے، فرشتے  
اور آسمان وزمین والے ان پر درود پڑھتے ہیں..... وہ اللہ  
سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے ڈرنے کا حق ہے، اور اس کی معرفت  
ایسی رکھتے ہیں جیسی رکھنے کا حق ہے..... جو انبیاء کی مجلسوں کو  
دیکھنا چاہے وہ علماء کی مجلسوں کو دیکھے،..... اہل علم کی زندگی  
امت کی زندگی ہے، (امام العصر ص ۲۸۰)

”اس عالم اجل (شیخ عبدالعزیز بن باز) کی ملازمت  
سے نفس کا تزکیہ، دلوں کا تصفیہ، دل کی رقت، ایمان کی مضبوطی،  
رحمن کا ذکر، علم کی زیادتی، فہم کی ترقی، نظر کی گہرائی، ہمت کی  
بلندی، دنیا کی حقارت، آخرت کی مثال نصیب ہوتی ہے۔ اس  
سے دکھ فراموش ہوتے ہیں، غم معزول ہوتے ہیں، فضائل زندہ  
ہوے ہیں، رذائل مردہ ہوتے ہیں، تقویٰ، ذکر، علم، رفق، صبر،  
کرم، بذل، تواضع، حسن الخلق، یسر، سہولت، رقت، خشوع، جیسی  
صفات حاصل ہوتی ہیں، (امام العصر ص ۲۸۰)

کتاب کے مولف ڈاکٹر ناصر بن مسفر زہرانی کا حسن عقیدت دیکھئے،

لقد من الله على بملازمة هذا العالم الاجل مدة من  
الزمن بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ مدت مدید تک  
اس عالم اجل کی ملازمت عطا فرمائی، (امام العصر ص ۲۸۰)







چیزوں سے روکتے ہیں“ (عقیدہ المسلم ص ۶۰)

..... ”ہر ذی شعور انسان پر فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھے اور ہمیشہ ان چیزوں سے بچتا رہے، جن میں آج بہت سے نام نہاد مسلمان مبتلا ہیں، مثلاً انبیاء کرام اور بزرگان دین کے احترام و تعظیم میں غلو کرنا، ان کی قبروں پر عمارت تعمیر کرنا، اور ان کو مسجد بنالینا، ان پر گنبد بنوانا اور ان میں مدفون لوگوں سے دعا مانگنا، ان سے استغاثہ کرنا، ان کی پناہ چاہنا، ان سے مرادیں مانگنا، مصائب اور آفات کو دور کرنے کی دعا کرنا اور مریضوں کے لئے شفا اور دشمنوں پر غلبہ عطا کرنے کی دعا کرنا اور شرک اکبر کی دوسری بہت سی قسموں میں مبتلا ہونا“ (عقیدہ المسلم ص ۶۵)

ان اقتباسات میں حضرت شیخ نے علامۃ المسلمین پر بدگمانی کرتے ہوئے کفر و شرک کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ بلکہ ان کے شرک کو پہلے مشرکوں سے بھی دو گنا زیادہ بدترین قرار دیا ہے، کیونکہ پہلے مشرک تنگی و تاریکی میں اللہ وحدہ کو پکارتے تھے، اور یہ ”مشرک“ تنگی و فراخی ہر حالت میں قبر والوں کو پکارتے ہیں، یہ حضرت شیخ کی مغالطہ آفرینی ہے، قرآن پاک نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ مشرکین عرب معبودان باطلہ کی عبادت کرتے تھے۔ اگرچہ مشکل میں بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت کا اعتراف کرتے تھے مگر اس کی عبادت میں پھر بھی بتوں کو شریک کرتے تھے، ان کا یہ انداز فکر ان کے مشرک ہونے کا ثبوت تھا، اب رہے مسلمان تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا معبود نہیں مانتے، کسی نبی اور کسی ولی کی عبادت نہیں کرتے، وہ تنگی و تاریکی، خوشی و فراخی میں اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی مددگار سمجھتے ہیں، حضرت شیخ کو شاید خبر نہیں کہ تین امور میں شرک تحقیق

۱۔ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خالق ماننا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود ماننا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق سمجھنا۔

مسلمان ان تینوں امور کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ کو خالق نہیں مانتے، واجب الوجود نہیں مانتے، عبادت کے لائق نہیں مانتے، ان پر اتنا بڑا الزام عائد کرنا کوئی شرافت ہے۔ انہوں نے کسی قبر والے کو اللہ تعالیٰ کا شریک و شہیم نہیں بنایا، نہ ذات میں، نہ افعال میں، لہذا ان کو غلو کا شکار سمجھنا کوئی دین کی حمایت ہے۔ مسلمان تو انبیاء اور اولیاء کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں، ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں، یا ان کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی صالحیت اور محبوبیت کا صدقہ ہماری مشکل آسان کر دے، ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ ہی کو مستعان حقیقی تسلیم کیا گیا ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں صحیح اور مستند حدیث رسول سے ثابت ہیں، کیا حضرت شیخ اور ان کی ذریت نے نابینا صحابی والی حدیث مبارک نہیں پڑھی، جس میں حضور پر نور شافع یوم المشرق علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے،

”اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں، تیرے نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے، یا محمد مصطفیٰ، میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے، اے اللہ، حضور پر نور علیہ السلام کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما، (متدرک حاکم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابی داؤد، ابن خزیمہ)

اب حضرت شیخ سے کون پوچھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو شرک



کی تعلیم دی تھی، ایک ہی دعا میں امتی یا اللہ بھی کہہ رہا ہے اور یا رسول اللہ بھی کہہ رہا ہے۔ پھر صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب السلمی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا، انی اسلک مرافقتک فی الجنہ میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں، یہ تو حیات ظاہری کی بات تھی، حیات برزخی میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کرتے تھے، نزدیک سے بھی اور دور سے بھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں ”یا محمد“ پکارا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ نے ”یا محمد“، ”یا محمد“ پکارا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ”یا محمد“ پکارا، یہ روایات تاریخ طبری، تاریخ کامل، الہدایہ والنہایہ، الادب المفرد، فتوح الشام وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں، بلکہ خود اللہ کریم نے فرمایا، اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اے محبوب تیرے پاس آ جائیں، اللہ سے معافی طلب کریں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے، (سورۃ النسا) حضرت حسین مصری، حضرت احمد بدوی، حضرت عید روس، حضرت ہادی یحییٰ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی یہ سب اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے نائب کامل ہیں، اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں، ان کی بارگاہ میں مسلمان اسلئے عرض گزار ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور نیک بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وہاں سلسلہ لا عطینہ اور اگر میرا بندہ مجھ سے کچھ بھی طلب کرے تو میں اسے ضرور عطا کروں گا، (بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳) اور حدیث مبارک ہے ”ان من عباد اللہ من لو اقسام علی اللہ لا برہ“ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کچھ ایسے ہیں جو اگر اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھا دیں تو اللہ اسے ضرور پورا فرما دیتا ہے، (بخاری ۳۷۲/۱، ابوداؤد ۲/۲۵۵، نسائی ۲/۱۰، ابن ماجہ ۱۹۳) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں،

مسلمان ان کی عبادت کرنے نہیں جاتے، ان سے شفاعت کی گزارش کرنے جاتے ہیں، باقی رہ گیا، ان کا وصال کے بعد سننا اور لوگوں کی شفاعت کرنا، آنے والوں کے حالات کو جاننا تو یہ امور بھی کتاب وسنت اور علمائے ملت کی تصریحات سے ثابت ہیں، قرآن پاک میں ہے ”جو نیک عمل کرتا ہے، وہ مرد ہو یا عورت، (لیکن) وہ مومن ہو، تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے، اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر نیک مومن عبادت طیبہ کا وارث ہے، پھر شہدا کی حیات تو حضرت شیخ اور ان کی ذریت کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے، تمام مفسرین امت نے فرمایا ہے کہ اگر شہید زندہ ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام ان سے زیادہ درجے زندہ ہیں، اولیا کرام بھی شہدا کے حکم میں داخل ہیں، لہذا انہوں نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہوتا ہے، اب چند احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا مطالعہ بھی کریں۔

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نے فرمایا، انہ یسمع قرع

لنعالہم، بے شک قبر والا لوگوں کے جوتوں کی آہٹ بھی سنتا ہے،

(بخاری ۱۷۸۱، ابوداؤد ۱۰۳/۵، مسلم ۳۸۶/۲، سنن نسائی جلد ۱ ص ۲۴۷، مشکوٰۃ ۳۳۷)

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نے فرمایا، جب مسلمان

اپنے بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا، پس وہ

صاحب قبر کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے

یہاں تک کہ وہ اسے جواب دیا ہے، (کتاب الروح ص ۵۳، احیاء العلوم ۲/

۵۲۲، شرح الصدور ص ۲۰۲، فیض القدر ۵/۳۸۷)

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نے فرمایا، جب مومن

فوت ہو جاتا ہے تو اس کا راستہ کھول دیا جاتا ہے، وہ جہاں چاہے،



جائے، (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۲۳۵)

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نے فرمایا، جو مومن اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے، جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور وہ اسے سلام کہتا ہے تو یہ قبر والا اسے پہچانتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے، اگر وہ اسے دنیا میں نہیں پہچانتا تھا تو صرف سلام کا جواب دیتا ہے، (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۳۰، کتاب الروح ص ۶۸، فیض القدر ۵/۵۸۷) اس حدیث کو محدثین نے صحیح کہا ہے۔

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نے فرمایا، جو آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے، اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے، اسے سلام کا جواب دیتا ہے، جب تک وہ وہاں سے اٹھتا نہیں، (کنز العمال ۱۵/۶۵۶، کتاب الروح ص ۵۵)

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ، شہدائے احد کے مزارات پر دعا کرتے، اے اللہ تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کرے اور ان پر سلام پڑھے گا یہ جواب دیں گے، (مسند رک ۳/۳۹) یہی روایت معجم اوسط کے حوالے سے منقول ہے کہ ”اللہ کی قسم! قیامت تک جو ان کو سلام کرے گا، یہ جواب دیں گے، (شرح الصدور ص ۲)

..... حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نے فرمایا، بے شک دنیا کافر کے لئے جنت اور مومن کیلئے قید خانہ ہے، جب مومن کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی قید خانے سے

آزاد ہوا ہو، اور زمین میں آزادی کے ساتھ چلنے پھرنے لگا ہو،

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۳۳۵، مجمع الزوائد ۱۰/۲۹۱، مسند الفردوس ۲/۳۵۳، شعب

الایمان ۵/۲۷، مسند ابی یحییٰ ۶/۸۰، مسند احمد ۲/۱۹۷، مسند رک حاکم ۳/۶۰۴)

علامہ ابن کثیر اور علامہ ابن قیم الجوزیہ حضرت شیخ اور ان کی ذریت کے زبردست عالم ہیں، ان کی بیان کردہ روایات پر ہی اعتماد کر لیا جائے، پھر صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنے مزارات میں زندہ ہیں، آنے والوں کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں، ان کی استدعا کو سماعت فرماتے ہیں، دنیا کی نسبت زیادہ آزادی سے تصرف فرما سکتے ہیں، تو ان کی خدمت میں یہ عرض کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے لئے دعا کریں، یا آپ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عطاؤں سے ہمیں بھی کچھ عطا کریں تو کہاں کا شرک ہے۔ کہاں کا غلو ہے، اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ اس کے بندوں سے اس کا عطا کردہ فضل و کرم حاصل کیا جائے، کیا اس کی رحمت احسان والوں کے قریب نہیں، کیا اسکی معیت تقویٰ والوں کے ساتھ نہیں، جن احادیث میں وارد ہے کہ جوتی کا تمہ بھی اللہ سے مانگا کرو، تو اس کی زد میں حضرت شیخ اور ان کی ذریت بھی آ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ سب بھی اسباب کے تحت مخلوق سے امداد لینے کے قائل ہیں اور جوتی کا تمہ ”اسباب کے تحت“ داخل ہے۔ لہذا وہ بھی مشرکین عرب سے دو گنا زیادہ مشرک ثابت ہوں گے۔

الجبھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

سر رہے ہم اس حدیث مبارک کا مفہوم بھی بیان کر دیں، اس حدیث کا مفہوم

یہ ہے کہ کائنات کی چھوٹی بڑی چیز کا مالک و خالق اللہ وحدہ ہے، لہذا بالذات وہی عطا



فرمانے والا ہے، جس کسی سے بھی کوئی چیز مانگو تو منع حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کو تصور کرو، وہ چیز ”ما فوق الاسباب“ ہو یا ”ما تحت الاسباب“ ہو حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء اور اس کی دیگر مخلوق تو اس کی عطا کا وسیلہ ہے، جو کہتا ہے کہ پانی نے پیاس بجھائی، بہار نے پھول اگائے، زمین نے سبزہ پیدا کیا، تو کیا وہ مشرک ہے، اس کا یہ کہنا پانی، بہار اور زمین کو وسیلہ قرار دینا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا عالم وسائل ہے اور جہاں اسباب ہے، اس کے عقیدے میں ہے کہ پیاس تو اللہ تعالیٰ بجھاتا ہے، پھول تو اللہ تعالیٰ اگاتا ہے، سبزہ تو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، اس قسم کی مجازی نسبتیں قرآن وحدیث میں بکثرت پائی جاتی ہیں، جو حقیقت کا راہ دکھاتی ہیں۔

بزرگان دین کے احترام و تعظیم میں غلو یہی ہے کہ ان کو واجب الوجود مانا جائے، ان کو خالق اور مالک تسلیم کیا جائے، تو ایسا کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں، باقی احترام و تعظیم کا مظاہرہ کرنا عین اسلام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لله العزة ولرسوله وللمؤمنين** عزت تو اللہ کے لئے ہے، اس کے رسول کے لئے ہے اور ایمان والوں کے لئے ہے۔ ان کی ذوات و مزارات اللہ تعالیٰ کی حرمت اور نشانات میں داخل ہیں، قرآن پاک کا اعلان ہے، **ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب**، اور جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کرتا ہے، تو یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔ مزارات کا ادب و احترام کرنا حدیث پاک سے بھی ثابت ہوتا ہے، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک قبر کے ساتھ تکیہ لگائے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا لا تسو ذ صاحب الغبر، قبر والے کو تکلیف نہ دو، (مشکوٰۃ ص ۱۳۹، فتح الباری شرح بخاری ۲/۲۲۳) حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا، اے قبر پر چڑھنے والے، قبر سے نیچے اترو، قبر والے کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ تمہیں

تکلیف نہیں دیتا، (مجمع الزوائد ۳/۶۳)

اللہ اکبر، جو کریم آقا ﷺ اپنے امتیوں کو قبروں پر بیٹھنے اور ان سے تکیہ لگانے کا حکم نہیں دیتا، وہ قبروں پر ٹریکٹر اور ہلڈوزر چلانے، انہیں جڑوں سے اکھاڑنے اور ان کی بے حرمتی کرنے کا کیسے حکم دے سکتا ہے، آل نجد نے دیار عرب پر مسلط ہونے کے بعد عام لوگوں کی قبروں کو ہی اس ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا، صحابہ کبار اور آل اطہار کی قبروں کو نشانہ بنایا ہے، ان کا یہ عمل قرآن وحدیث کی کس دلیل سے ثابت ہے، جن قبروں کو مسمار کرنے کا حکم ہے تو وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں تھیں، وہ مشرکوں کی قبریں تھیں جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں تصریح ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے مشرکوں کی قبریں اکھاڑنے کا حکم دیا تو وہ اکھاڑ دی گئیں۔ مسلمان اپنے کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق مزارات کا احترام کرتے ہیں، ان کے باسیوں کو سلام کرتے ہیں، عہدہ کرنا حرام سمجھتے ہیں،

**قبروں پر عمارت اور گنبد تعمیر کرنا:** قبروں کے اوپر عمارت اور گنبد کی تعمیر صاحب قبر کو معظم دین ثابت کرنے کے لئے ہے، خود سرور انبیاء ﷺ کا مزار انور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں واقع ہے، آپ کی قبر انور کے اوپر عمارت تھی، جس کو خلفاء راشدین نے برقرار رکھا، صحابہ تابعین نے برقرار رکھا، بلکہ حصول بارش کیلئے اس عمارت کی چھت میں سوراخ کر دیا جاتا تو بارش نصیب ہو جاتی، بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے گرد اینٹوں کی دیوار قائم کر دی، پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت میں پتھر لگوائے اور اسے مزید مضبوط کر دیا، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں اس حجرہ مبارکہ کے گرد ایک حجرہ بنا دیا، (دقائق ۲۸۸، اخبار مدینہ الرسول ص ۱۲۸) پھر



کروڑوں مسلمانوں اور لاکھوں ولیوں فقیہوں کی موجودگی میں گنبد خضریٰ کو تعمیر کیا گیا تو یہ کام اجماع امت سے ثابت ہو گیا، کسی ایک فرد مسلم نے بھی اس کے بدعت و ضلالت ہونے پر کلام نہیں کیا ہے، سب نے اسے رحمت باری کا آشیانہ تصور کیا ہے، ہاں حضرت شیخ ابن باز اور ان کے کسی قنفذ پر داذ کو کوئی قباحہ نظر آتی ہے تو آتی رہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی اہلیہ ان کے مزار پر ایک سال تک خیمہ لگائے بیٹھی رہی، (بخاری کتاب الجنائز) کسی صحابی اور تابعی نے ان کو مشرک نہ کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے مزار پر اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار پر قبۂ تعمیر کروایا تھا، (منہجی شرح موطا) محدث جلیل حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ”سلف الصالحین نے مشہور علماء مشائخ کی قبر پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں آرام سے بیٹھ سکیں، (مزارات اولیاء بحوالہ مرآۃ ۶۹/۴) حضرت امام اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی لکھا ہے (تفسیر روح البیان سورۃ توبہ)

ایک حدیث مبارک ہے، ”حضور نبی کریم ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، (مکتوۃ کتاب الجنائز) اس کی تشریح میں حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری لکھتے ہیں،

”جس طرح قبر پر نہ بیٹھو کا مطلب یہ ہے کہ عین قبر پر نہ بیٹھو البتہ قبر کے ارد گرد بیٹھنا جائز ہے، اسی طرح حدیث پاک میں عین قبر کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت آئی ہے، قبر کے ارد گرد عمارت بنانے کی ممانعت نہیں، لہذا ضرورتاً قبر کے ارد گرد چار دیواری یا عمارت یا گنبد بنانا جائز ہے، حدیث شریف میں ”وان یبسنی علیہ“ کے

الفاظ آئے ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ عین قبر کے اوپر عمارت نہ بنائی جائے، اس طرح کہ قبر پر دیوار یا ستون بنایا جائے یا عین قبر پر پائش گاہ بن جائے، یہ حرام ہے، کیونکہ اس میں قبر کی توہین ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں دفن کیا گیا ہے، اگر یہ جائز نہ ہوتا تو صحابہ کرام پہلے حجرہ مبارکہ کو شہید کر دیتے تاکہ روضہ اقدس پر عمارت کا جواز باقی نہ رہتا (مزارات اولیاء ص ۱۰۹)

ہمارا یہ سوال ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مساجد کی زیب و زینت سے بھی منع کیا ہے اور مساجد کو سادہ رکھنے کا حکم دیا ہے لیکن تمام سعودی عرب بلکہ تمام عالم اسلام میں عالیشان مساجد تعمیر کی گئی ہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی کی دیدہ زیب عمارتیں نجدی حکومت کا کارنامہ ہے، یہاں کیوں حدیث رسول ﷺ کی مخالفت ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے اونچے اونچے محلات بنانے سے روکا ہے، لیکن شیخ ابن باز اور دیگر علمائے نجد نے کبھی شاہان عرب کے بلند و بالا محلات کو خلاف حدیث قرار نہیں دیا، کیوں؟

**قبروں پر مسجد تعمیر کرنا:** حضرت شیخ ابن باز نجدی نے مسلمانوں پر یہ الزام بھی عائد کیا ہے کہ وہ قبروں پر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں، انہوں نے اس امر کو شرک اکبر سے تعبیر کیا ہے، مسلمان انبیاء اور اولیاء کرام کی قبروں کے اوپر مسجد تعمیر نہیں کرتے، قبروں کے قرب و جوار میں تعمیر کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ سینکڑوں انبیاء کرام کے مزارات کے قریب ہے، تو کیا اسے مسمار کر کے یہودی کا زکوٰۃ آسان کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کا مقام بیان فرمایا ہے، الذی ہر کنا حوله یعنی وہ مسجد جسکے گرد ہم نے برکتیں رکھی



ہیں، (سورۃ بنی اسرائیل: ۲) وہ برکتیں کیا ہیں، امام قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، اس کے ارد گرد انہیں اور اولیاء مدفون ہیں اس لئے اس کا ماحول بابرکت ہے، (تفسیر قرطبی ۵/۲۱۲) یہ تفسیر حضرت امام فخر الدین رازی، حضرت امام خازن، حضرت امام ابو حیان اندلسی علیہم الرحمۃ نے بیان کی ہے، معلوم ہوا کہ مسجدوں کا مزارات کے قریب ہونا ان کے لئے باعث برکت ہے، بیت اللہ شریف کے صحن میں حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سیدہ حاجرہ سلام اللہ علیہا کے مزارات ہیں، حطیم میں حجر اسود اور میزاب کے درمیان ستر انبیاء کرام کے مزارات ہیں، (مرۃ شرح مشکوٰۃ ۲/۲۰۲) مسجد نبوی شریف، امام الانبیاء محبوب کبریا ﷺ کے مزار پاک کے ساتھ ہے اور صحابہ کرام نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، کیا حضرت شیخ اور ان کی ذریت صحابہ کرام پر اس شرک اور غلو فسی السدین کا التزام عائد کرنا چاہتی ہے۔ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا واقعہ موجود ہے، اس میں ایک آیت کریمہ ہے، قال الذین غلبوا علیٰ امرہم لنتخذن علیہم مسجداً وہ لوگ جو اپنے کام پر غالب تھے، بجائے کہ ہم ضرور اس کے قریب مسجد بنائیں گے (سورۃ کہف: ۲۱) اصحاب کہف کے غار کے قریب مسجد بنانے والے کون تھے، تمام مفسرین امت کا اتفاق ہے کہ وہ ایماندار تھے، دیکھئے تفسیر جلالین ص ۳۳۳، تفسیر کبیر ۲/۱۰۵، تفسیر جامع البیان ۸/۱۳۹، تفسیر جمل ۳/۱۵، تفسیر مدارک ۳/۱۹۹، تفسیر زاد المسیر ۵/۸۶، تفسیر مظہری ۶/۲۳

حضرت شیخ کے مستند عالم حضرت قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں،

”مسجد بنانے کا ذکر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے کام پر غلبہ پایا وہ مسلمان تھے، زجاج نے کہا ہے کہ یہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ جب ان (اصحاب کہف) کا معاملہ ظاہر ہوا تو مومنوں نے بعث دشور کی وجہ سے غلبہ پایا، کیونکہ

مسجد ایمان والوں کی ہی ہوتی ہے“، (تفسیر فتح القدیر ۳/۲۷۷) مولوی محمد شفیع دیوبندی بھی لکھتے ہیں،

”اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء، صلحا کی قبور کے پاس نماز کیلئے مسجد بنادینا کوئی گناہ نہیں اور جس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنانا دینا ہے جو بالاتفاق شرک و حرام ہے“ (غیر معروف القرآن ۵/۵۶۵)

اس مسئلے میں ایک حدیث مبارک بیان کی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا، (بخاری و مسلم) اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں، حضرت مولانا غلام مرتضیٰ ساقی صاحب اس کی تشریح میں لکھتے ہیں، ان احادیث مبارکہ میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی یہ ہو کہ قبروں کے قریب مسجد بنانا حرام، ناجائز اور شرک کو دعوت دینا ہے۔ بلکہ مذکورہ حدیث کا واضح مطلب اور حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کسی قبر کو سجدہ گاہ، عبادت گاہ اور مسجد الیہ بنانا حرام ہے۔ مخالفین کے فہم و فراست پر قربان جائیں، اہل سنت کی مخالفت میں قبر پر مسجد بنانا اور قبر کے قریب مسجد بنانے کا واضح فرق بھی معلوم نہ کر سکے، کوئی مسلمان قبر پر مسجد بنانے یا قبر کی طرف سجدہ کرنے کو جائز قرار نہیں دیتا، ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور مخلوق (خواہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہی کیوں نہ ہوں) کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا شرک اور تعظیم کی نیت سے سجدہ کرنا حرام ہے، البتہ صالحین اور بزرگان دین کے مزارات مقدسہ اور مقابر منورہ کے قریب مسجد بنانا نہ صرف جائز بلکہ باعث برکت ہے، ابتدا سے لے کر آج تک مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں، (اسلام اور ولایت ص ۳۸۵)



مفسر قرآن حضرت علامہ ثناء اللہ مظہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”اور جس حدیث میں ہے کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بناتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابو مرہد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو“، (تفسیر مظہری ۶/۲۳)

شارح حدیث حضرت امام عسقلانی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے،

”قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ، انبیاء کرام کی قبروں کو تعظیم کی نیت سے سجدہ کرتے تھے اور ان کی قبروں کو قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان کے بت بنا کر پوجتے تھے تو اللہ اور اس کے رسول نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کیا، لیکن جس آدمی نے حصول برکت کیلئے کسی مرد صالح کی قبر کے قریب مسجد بنائی اور تعظیم کی نیت سے اس طرف نماز نہ پڑھی تو ایسا آدمی اس وعید میں داخل نہیں..... وجہ تعلیل یہ ہے کہ یہ وعید ان لوگوں کو شامل ہے جنہوں نے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو از روئے مسجد (سجدہ گاہ) بنایا تھا، جیسا کہ جاہلیت کا عمل تھا، جس میں بڑھتے ہوئے وہ ان کی عبادت کرنے لگے تھے، یہ وعید ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو اولیاء کی قبروں کو اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنائیں، یہ ممانعت انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ

مخصوص ہے، کفار کی قبریں کھودنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کی اہانت میں کوئی حرج نہیں..... قبروں کے نزدیک نماز پڑھنا اس وقت مکروہ ہوا جب نماز قبر کے اوپر ہو، یا قبر کی طرف ہو، یا دو قبروں کے درمیان ہو، اس مسئلہ میں حضرت ابو مرہد غنوی رضی اللہ عنہ کی حدیث امام مسلم علیہ الرحمہ نے نقل کی ہے“ (فتح الباری شرح البخاری)

امت کے تمام نامور شارحین حدیث نے یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ قبر کے اوپر نماز پڑھنا، قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا، قبر کو سجدہ عبادت یا سجدہ تعظیم کرنا وغیرہ حرام ہے، موجب شرک ہے، قبر کے قریب مسجد بنا کر اس میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا اس حکم میں شامل نہیں، الحمد للہ اتمام عالم اسلام دوسری صورت پر عمل پیرا ہے اس لئے یہود و نصاریٰ کے رد میں وارد ہونے والی حدیث اس پر چسپاں نہیں کی جاسکتی۔

**استغاثہ، پناہ، مراد:** حضرت شیخ ابن باز نجدی نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں پر جا کر استغاثہ پیش کرنے، پناہ چاہنے اور ان سے مراد مانگنے کو بھی شرک اکبر قرار دیا ہے، حالانکہ اہل اسلام بارہا اپنی کتابوں اور تقریروں میں وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم بزرگان دین کو معبود و معبود سمجھ کر نہیں جاتے، اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کی رحمتوں کے مطلوب سمجھ کر جاتے ہیں، قرآن پاک میں ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے حجرہ مبارکہ میں بے موسیٰ پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے حصول اولاد کی دعا فرمائی، دعا تو وہ ہر جگہ مانگ سکتے تھے، لیکن حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی مقبولیت و محبوبیت کو سامنے رکھ کر ان کے حجرہ مبارکہ میں دعا فرماتا اس بات کا ثبوت ہے کہ صالحین کے قرب و جوار میں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور یہ بتایا کہ ان کے پاس جا کر دعا مانگنا پیغمبر برحق کی سنت ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے سو آدمیوں کو قتل کیا، اسے ایک



عالم دین نے بتایا کہ فلاں بستی میں چلے جاؤ، وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ آدمی ان صالحین کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا لیکن راستے میں اسے موت آگئی، اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا، دونوں اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے صالحین کی بستی کو اس کے قریب کر دیا اور فرمایا کہ زمین کی پیمائش کرو، وہ جس جگہ سے زیادہ قریب ہے، اس کے مطابق اس کا انجام ہوگا، چنانچہ پیمائش پر وہ صالحین کی بستی کے زیادہ قریب نکلا تو اس کی بخشش کر دی گئی، معلوم ہوا جہاں بزرگان دین قیام فرما ہوں، وہاں رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے، ”اللہ نے مجھے بابرکت کیا، خواہ میں کہیں بھی رہوں“ (سورۃ مریم: ۳۱) معلوم ہوا اللہ والے پیدائش سے لے کر وصال تک سراپا برکت ہوتے ہیں۔ ان کا مزار میں جانا مزار کو سرچشمہ برکت بنا دیتا ہے۔ تفسیر جلالین اور تفسیر مدارک میں سورۃ یوسف کی آیت ۱۰ کے تحت مرقوم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد قوم مصر میں اختلاف ہو گیا، وہ لوگ آپ کو اپنے اپنے محلے میں دفن کرنا چاہتے تھے کہ ان کے وجود مسعود کی برکت حاصل کر سکیں، آپ کو دریائے نیل کی دائیں طرف دفن کیا گیا تو وہ ساری طرف سرسبز و شاداب ہو گئی، اور دوسری زمین ویران ہو گئی، پھر بائیں طرف کے لوگوں کے اصرار پر بائیں طرف دفن کیا گیا تو وہ ساری طرف سرسبز و شاداب ہو گئی اور دوسری طرف ویران ہو گئی، آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں لٹا کر دریائے نیل کے دو آبے پر دفن کیا جائے تاکہ دریا کا پانی (آپ کے مزار کی برکت سے مالا مال ہو کر) دونوں طرفوں کو سیراب کر دے، چنانچہ ایسا کرنے کی وجہ سے تمام علاقوں میں خوشحالی پیدا ہو گئی، معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء کے وجود برکتوں کا وسیلہ ہوتے ہیں، کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں مدفون ہونے کی آرزو

کی، (بخاری و مسلم) حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ اس آرزو کی وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس انبیاء کرام کے مزارات کی بدولت بابرکت ہے، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حجرہ عائشہ میں دفن ہونے کی کیوں تمنا کی، اس لئے کہ وہاں محبوب اعظم ﷺ کا مزار اقدس ہے، یہ انبیاء اور اولیاء کا وجود مسعود ہے، قرآن پاک نے تو ان کے وجود مسعود سے لگنے والی اشیا کو بابرکت قرار دیا ہے، کیا ان لوگوں نے ثابت کیوں نہ کیا کہ حال نہیں دیکھا، اس میں انبیاء کرام کے تبرکات تھے جن کی بدولت قوم بنی اسرائیل کو کامیابی نصیب ہوتی تھی، اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے نعلین، عصا، لباس، عمامہ اور تورات کی تختیوں میں برکت ہے اور بقول رحمان تمہارے دلوں کا یقین ہے تو ان مزارات میں کیوں نہ برکت ہوگی جن میں وہ دونوں برگزیدہ جلوہ فرما ہیں، کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیض مبارک کی برکت یا وہ نہیں جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں سے لگا یا گیا تو وہ فوراً بینا ہو گئے (سورۃ یوسف: ۹۳) صحیح مسلم میں ہے کہ حضور پر نور ﷺ کی چادر میں آپ کی شہزادی کو دفن کیا گیا، تاکہ وجود نبوت کی برکت نصیب ہو جائے، اسی میں ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے قوم شمود کے اس کنوئیں سے پانی حاصل کرنے کا حکم دیا جس سے نائلہ اللہ پانی پیا کرتی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منبر رسول کی اس جگہ پر ہاتھ پھیرتے اور چہرے پر مل لیتے جس جگہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے (کتاب الشفاء) وجود مصطفیٰ اور آثار مصطفیٰ ﷺ سے تبرک حاصل کرنا صحاح ستہ کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ حضرت شیخ اور ان کی ذریت کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے برکات و حسنات کا خزانہ ہوتے ہیں اور اس کے دشمن محرومیوں کا دیرانہ ہوتے ہیں، مسلمان اس فرق و امتیاز کو جانتے ہیں، اس لئے کبھی نمرود، فرعون، شداد، عزری، لات اور منات کے پاس نہیں گئے، ہمیشہ صفی اللہ، خلیل



اللہ، روح اللہ، کلیم اللہ، ذبیح اللہ اور ولی اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں، حیات ظاہری میں ان کے پاس جانا بھی باعث برکت و ہدایت ہے اور ان کے مزار پر حاضر ہونا بھی باعث نجات و کمالات ہے، کیونکہ وہ اپنے مزار میں زندہ ہوتے ہیں، ان کو محبوب خدا سمجھ کر ان سے دعا کی گزارش کرنا قبولیت دعا کی اہم ترین سند ہے۔ جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں ثابت کر آئے ہیں،

ان کے مزار اقدس پر استغاثے کا فائدہ ہے، جس طرح لوگ حاکم وقت کے دربار میں استغاثہ پیش کرتے ہیں تو کیا حاکم وقت کو خدا سمجھ کر پیش کرتے ہیں، ہرگز نہیں، اسے خدا کا نمائندہ سمجھ کر پکارا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسے اپنی مخلوق کی حاجات دور کرنے کا اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے۔ انبیاء اور اولیاء حکام وقت سے زیادہ مقرب اور محبوب ہیں، ان کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرنا رحمت خدا کو آواز دینے کے مترادف ہے، کیا قوم موسیٰ کے ایک مصیبت زدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں استغاثہ پیش نہیں کیا تھا، کیا قوم یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر نہیں روئی تھی، کیا اعرابی اور صحابی حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آکر مصائب و مشکلات بیان نہیں کرتے تھے، کیا جانوروں نے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس مشکل کشا کے حضور فریاد نہیں کی اور ان کی فریاد نہیں سنی گئی، اگر یہی محبوبان خدا عالم برزخ میں چلے جائیں تو ان کی سماعت و بصارت اور قوت و وجاہت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، پھر ان کے پاس جا کر حال زار بیان کرنے میں کیا شرعی استحالہ ہے، لیجئے عہد عمر فاروق کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے، قحط سالی عام تھی، ایک شخص نے روضہ محبوب پر جا کر عرض کیا، یا رسول اللہ! اچھی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے، لوگ تو ہلاک ہو گئے، محبوب اقدس ﷺ نے اس کی خواب میں جلوہ گر ہو کر فرمایا، عمر کے پاس جاؤ، انہیں میرا سلام پہنچاؤ اور بتا دو کہ

لوگ بہت جلد بارش سے سیراب ہوں گے، اور یہ بھی کہو کہ احتیاط کا دامن تھامے رکھو، وہ آدمی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پیغام پہنچایا، آپ کی آنکھوں میں آنسو آئے، آپ نے عرض کی، اے اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، ہاں جس سے میں عاجز آ جاؤں اسے معاف کر دینا، حضرت امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، (فتح الباری شرح البخاری ۲/۳۹۸) یہ حدیث حضرت علامہ ابن کثیر نے الہدایہ والنہایہ میں اور حضرت امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں نقل فرمائی ہے، ایسا واقعہ حضرت بلال بن حارث حمزنی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ بھی قحط سالی کے دوران پکار اٹھے ”یا محمدؐ“، حضور پر نور ﷺ نے انہیں خواب میں آکر زندگی کی بشارت سنائی، (تاریخ طبری ۳/۲۲۳، تاریخ الکامل ۲/۵۵۶) حضرت امام خفاجی علیہ الرحمہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اہل مدینہ کا معمول تھا کہ وہ (مصائب میں) یا محمدؐ پکارا کرتے تھے، (ضمیمہ الریاض ۳/۲۵۵) کیا خوب عرض کرتے ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

انا طامع بالحدود منك ولم یکن

لا بسی حنیفة فی الانام سواك

یعنی یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے جو دو کرم

کا امیدوار ہوں، مخلوق میں آپ کے سوا میرا

کوئی مددگار نہیں، (قصیدۃ الصمان)

قرآن پاک میں ہے،

یا ایہا الذین امنوا لا تتولوا قوما غضب اللہ علیہم قد بسوا من

الاعرۃ کما یفس الکفار من اصحاب القبور اے ایمان والو،

ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ کا غضب ہے، وہ آخرت سے



آس توڑ بیٹھے جیسے کافر آس توڑ بیٹھے قبر والوں سے، (سورۃ المستحقہ: ۱۳)

یہ آیت کریمہ قبر والوں کے پاس جانے اور ان سے دعائے مغفرت کرانے کی کتنی عمدہ دلیل ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر والوں سے مایوس ہو جانا کافروں کا طریقہ ہے، وہ انہیں جہاد، میت محض، پتھر، اور نجانے کن کن لفظوں سے یاد کرتے ہیں، ایمان والے ان کو خدا کا محبوب سمجھتے ہیں، خود حضور سرور کائنات ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی مغفرت کیلئے اپنا اور سابقہ انبیاء کرام کا وسیلہ پیش کیا تھا (مجموعہ بیرونیہ، ۱/۳، مجمع الزوائد، ۹/۲۴۲) حضور پر نور ﷺ سابقہ انبیاء کرام سے ناامید نہیں تھے بلکہ آپ کا ان کے ساتھ روحانی رابطہ قائم تھا، جس پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ جہاں تک انبیاء اور اولیاء کی پناہ حاصل کرنے کا معاملہ ہے تو ان کو خدا تعالیٰ کے مقابل سمجھ کر پناہ طلب نہیں کی جاتی، خدا تعالیٰ کا پیارا سمجھ کر پناہ طلب کی جاتی ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر کہا اعموذ برسول اللہ، میں اللہ کے رسول کی پناہ مانگتا ہوں، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے شرک نہ سمجھا اور نہ ہی حضور اقدس ﷺ نے اسے مشرک قرار دیا۔ آج شیخ اور ان کی ذریت کو علم و فضل کا غرور لاحق ہے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد ان کی پناہ تلاش کرے گی، بلکہ حضرت آدم و حضرت ابراہیم علیہما السلام اور دیگر انبیاء و اولیاء اور سب انسان محبوب خدا ﷺ کے حضور اکٹھے ہوں اور شفاعت کی درخواست کریں گے اور مغفرت کی مراد طلب کریں گے، صحابہ کرام نے ہمیشہ حضور اقدس ﷺ کی پناہ تلاش کی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اتوی کی نہایت تحقیقی کتاب ”الامن والاعلیٰ“ سے کچھ حوالیات پیش نظر ہیں،

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے غزوہ خیبر کو جاتے ہوئے یہ رجز یہ اشعار عرض کئے۔

اللهم لولا انت ما احدثينا  
ولا نصلفنا ولا صلينا  
فاغفر فدا لك ابقينا  
والقین سكينه علينا.  
وثبت الاقدام ان لا قبلنا  
ونحن عن فضلك ما استغينا

..... ترجمہ.....

یعنی خدا گواہ ہے، یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ذکوۃ دیتے، نہ نماز پڑھتے، تو ہم آپ پر قربان ہوں، آپ ہمارے گناہ بخش دیتے اور ہم پر سکینہ اتاریں، اور دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رکھیں، ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں (الامن والاعلیٰ ص ۷۷ بحوالہ مسلم و احمد)

..... حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اونٹ نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کی تو آپ نے اسے ارشاد فرمایا،

”اے اونٹ اگر تو سچا ہے تو تیرے سچ کا پھل تیرے

لئے ہے، اور اگر تو جھوٹا ہے تو تیرے جھوٹ کا وبال تجھ پر ہے۔ ان

اللہ تعالیٰ قد امن عائدنا و لیس بعائب لاملنا، بے شک جو

ہماری پناہ میں آئے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے امان رکھی

ہے“، (الامن والاعلیٰ ص ۴۷ بحوالہ ابن ماجہ)



..... حضرت حارث بن عوف فرقی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ایک انصاری صحابی کو بطور مبلغ اسلام لے کر اپنے قبیلے میں گئے، اور اسے اپنی پناہ بھی دی، ان کے قبیلہ والوں نے اس صحابی کو شہید کر دیا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ پر ایک شعر لکھا۔

یا حارث من یغدر بلمعة جاره

منکم فان محمد لا یغدر

یعنی اے حارث، جو کوئی تم میں سے اپنی پناہ دیئے ہوئے کے عہد سے بے وفائی کرے تو (جان لے) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جسے پناہ دیتے ہیں، وہ بھی پناہ ہوتی ہے۔

اس پر حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عذر کیا اور انصاری شہید کی دیت دی اور حضور ﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ، انی عاوذ بک من لسان حسان، میں حسان کی زبان سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، (الاسن والعلی ص ۷۰)

..... حضور اقدس ﷺ نے انصار سے فرمایا، کیا میں نے تمہیں گمراہ نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعے سے ہدایت کی، تمہاری آپس میں پھوٹ تھی، اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلے سے تم میں موافقت کر دی، اور تم محتاج تھے، اللہ عزوجل نے میرے واسطے سے تمہیں تو گمراہی بخشی، انصار ہر کلمے پر عرض کرتے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب اور رسول اللہ کے غضب سے، آپ ﷺ نے فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے، انصار نے عرض کی، اللہ و رسولہ امن و افضل اللہ، اور اس کے رسول کا احسان زائد ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا فضل بڑا ہے، (الاسن والعلی ص ۷۰، بحوالہ صحیح مسلم و مسند احمد)

..... حضرت اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کی ۔

انت الرسول الذی تر حی فواضله

عند القحوظ اذا ما اخطا الماطر

یعنی آپ وہ رسول ہیں جن کے فضل کی امید کی جاتی ہے جب قحط کے وقت بارش پڑے، (الاسن والعلی ص ۶۳، بحوالہ اصحاب)

..... ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی ۔

”ہم در دولت پر شدت قحط میں حاضر ہوئے کہ کنواری لڑکیوں کی چھاتی سے خون نکل آیا ہے، مائیں اپنے بچوں کو بھول چکی ہیں، جوان قوی کو اگر کوئی لڑکی دونوں ہاتھوں سے دھکا دے تو ضعف گرسنگی سے عاجزانہ زمین پر ایسے گر پڑتا ہے کہ اس کے منہ سے کڑوی میٹھی کوئی بات نہیں نکلتی۔“

و ایس لنا الا الیك قرارنا

واین فرار المخلق الا الی الرسل

اور ہمارا حضور کے سوا کون ہے، جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں اور خود مخلوق کو جائے پناہ ہے ہی کہاں مگر رسولوں کی بارگاہ میں، یہ فریاد سن کر رحمت عالم ﷺ فوراً نہایت عجلت منبر اطہر پر جلوہ فرما ہوئے اور دونوں دست مبارک بلند فرما کر اپنے رب عزوجل سے پانی مانگا۔ ابھی وہ پاک مبارک ہاتھ جب تک کر گلوئے پر نور تک نہ آئے تھے کہ آسمان اپنی بجلیوں کے ساتھ اٹھا اور بیرون شہر کے لوگ فریاد کرتے آئے کہ یا رسول اللہ ہم ڈوبے جاتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا، ہمارے گرد برس، ہم



پرنہ برس، ہم پرنہ برس، فوراً ابرہہ نے پر سے کھل گیا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ کے لیے خوبی ہے، ابوطالب کہ اس وقت وہ زندہ ہوتا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کون ہے جو ہمیں اس کے اشعار سنائے، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اشعار سنائے،

وابيض يستسقى الغمام بوجهه  
ثم اليتامى عصمة لئلا رامل  
تلبو ذبه الهلاك من آل هاشم  
فهم عنده فى نعمة و فواضل

وہ گورے رنگ والے کہ ان کے منہ کے صدقے میں ابرہہ کا پانی مانگا جاتا ہے، یتیموں کی جائے پناہ، بیواؤں کے نگہباں، بنی ہاشم جیسے غیور لوگ تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں، ان کے پاس ان کی نعمت و فضل میں بسر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہی نظم ہمیں مقصود تھی، (الامن و اعلیٰ ص ۶۴)

..... حضرت زہیر بن صرذشمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی،

”یا رسول اللہ ہم پر احسان فرمائیے، اپنے کرم سے حضور ہی وہ مرد کامل اور جامع فواضل و محاسن و شامل ہیں، جس سے ہم امید کریں، اور جسے وقت مصیبت کے لئے ذخیرہ بنائیں، احسان فرمائیے اس خاندان پر کہ تقدیر جس کے آڑے آئے، اس تر بتر جماعت کی بدحالیاں ہمیشہ ہمارے اندر غم کے مرثیہ خوان پیدا کرتی رہیں گی، اگر آپ کی عام نعمتیں ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں،

یا ارجع الناس حلما حين يختبر

اے آزمائش کے وقت تمام جہان سے زیادہ عقل والے (ہماری مدد کیجئے) آپ نے ان کی فریاد پر فرمایا، اے بنو ہوازن کے لوگو! جو کچھ ہمارا اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں آیا وہ تمہیں بخش دیا، قریش اور انصار نے بھی کہا، جو کچھ ہمارا ہے، وہ اب اللہ اور اس کے رسول کا ہے (الامن و اعلیٰ بحوالہ لبرانی فی ثلاثیات مجہد اصغیر)

ہو سکتا ہے حضرت شیخ اور ان کی ذریت کے دل میں خیال خام جنم لے کہ یہ تو حیات ظاہری کی بات اور ماتحت الاسباب کی بات ہے، ہم عرض کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں، اس پر تمام اصحابہ اور امت محمدیہ کا اجماع ہے، حدیث مبارک ہے، اللہ تعالیٰ کے سب نبی زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، (مشکوٰۃ، ابن ماجہ) صحیح مسلم کی حدیث میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر انور میں نماز پڑھتے دیکھا ہے، حضرت امام باقی علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر مستقل رسالہ حیات الانبیاء تحریر فرمایا ہے جس میں حیات انبیاء پر احادیث نبویہ کو جمع کیا گیا ہے۔ لہذا حیات ظاہری و حیات برزخی کی قید لگانا احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور اجماع امت محمدیہ کی مخالفت ہے، حضرات انبیاء کا وصال کے بعد بھی امداد فرمانا برحق ہے قرآن پاک نے فرمایا،

”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے پختہ وعدہ لیا کہ میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس آئے وہ عظمت والا رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے، تو تم ضرور اس پر

ایمان لانا اور ضرور اس کی امداد کرنا“، (سورۃ آل عمران: ۸۱)

کیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ اس عظمت والے رسول ﷺ کی آمد سے



پہلے سب انبیاء کرام وصال فرما چکے ہوں گے، ثم جاء کم رسول کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول آخر میں آئے گا، اور اب وصال شدہ انبیاء کا امداد کرنا اور ان سے امداد لینا تو نص قطعی سے معلوم ہو گیا، کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کی پانچ نمازیں کروا کر امت مصطفیٰ کی امداد نہیں فرمائی؟ (بخاری و مسلم) جو اس امداد کو شرک سمجھتا ہے وہ پچاس نمازیں پڑھا کرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے عرض نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اور واسطہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی درکار ہے، امام بوہری علیہ الرحمہ کہتے ہیں ۔

كلهم من رسول الله ملتئم

غرفا من البحراور شفا من الدیم

سب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں التماس کرتے ہیں کہ اپنے دریائے کرم کا ایک قطرہ ہی عطا فرما دیجئے، (تفسیر بدوہ شریف)

ہم تاجدار و دو عالم ﷺ کے حضور کیوں نہ دست مراد پھیلائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ”حسروا لسلامین“ کا لقب عطا فرمایا ہے، جس کا معنی ہے ان پڑھوں کیلئے پناہ گاہ، (صحیح بخاری، سنن داری) حضرت امام زرقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضور اقدس ﷺ پناہ دینے والے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے بطور مبالغہ ”پناہ گاہ“ قرار دیا ہے، حضور اقدس ﷺ دارین میں اپنی امت کے محافظ، میر سامان اور نگہبان ہیں ۔

وہی رجب جس نے تجھ کو ہمہ تن کم چھایا

ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستان بتایا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو اپنے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں، کیا آپ کی احادیث مبارکہ میں نہیں کہ مجھے، نصرت، رعب، زمین، دنیا، عزت اور

اللہ کی کنجیاں عطا فرمادی ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے خزانے بانٹ رہے ہیں، ہم مسلمان وہ خزانے حاصل کرنے کے لئے قاسم کل ﷺ کے پاس جا رہے ہیں، اور حضرت مالک بن عوف کی زبان میں آپ کے احسانوں کا شکریہ ادا کر رہے ہیں ۔

ما ان رايت ولا سمعت بواحد

فی الناس كلهم كمثل محمد

اوفى واعطى للحزب لمحتد

ومتى تشاء يسحبك عما فى غد

یعنی میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح تمام انسانوں میں کوئی نہیں دیکھا، وہ سب سے زیادہ وفا کرنے والے اور سب سے زیادہ عطا کرنے والے ہیں، اور تو جب چاہے، آئندہ کل کی خبر عطا فرمادیں، (الامین والعلی ص ۱۷۱)

یاد رہے کہ حضرت حسین مصری، حضرت احمد بدوی، حضرت ابن عربی، حضرت عبدالقادر جیلانی علیہم الرحمہ حضور رسالت مآب ﷺ کے روحانی وارث ہیں، ان بزرگان دین سے مصائب و آفات کو دور کرنے کی التجا کرنا اور مریضوں کے لئے شفا اور دشمنوں کو غلبہ عطا کرنے کی استدعا کرنا درحقیقت ان کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ کے طور پر پیش کرنا ہے، قرآن پاک میں ہے، کہ وایسدهم بروج منه اللہ تعالیٰ نے اپنی روح (جبریل امین) کے ذریعے ان کی امداد فرمائی، (سورۃ البادئہ) غزوہ بدر میں فرشتگان نور کے ذریعے مدد فرمائی، ہمارا سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتگان نور کے ذریعے امداد فرما سکتا ہے تو مذکورہ بزرگان دین کے ذریعے امداد کیوں نہیں فرما سکتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،



”اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تین سو افراد ایسے ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں، چالیس افراد ایسے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر ہیں، سات افراد ایسے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں، پانچ افراد ایسے ہیں جن کے دل حضرت جبریل علیہ السلام کے دل پر ہیں، تین افراد ایسے ہیں جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل پر ہیں، اور ایک فرد ایسا ہے جس کا دل حضرت اسرافیل کے دل پر ہے۔ جب ایک فرد وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین افراد میں سے ایک جن لیتا ہے۔ جب تین افراد میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ افراد میں سے اس کا بدل لے لیتا ہے، جب پانچ افراد میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات افراد میں سے جن لیتا ہے، جب سات افراد میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس افراد میں کوئی جن لیتا ہے، جب چالیس افراد میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو افراد میں سے کوئی جن لیتا ہے، جب تین سو افراد میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام افراد میں سے کوئی جن لیتا ہے، منہم یحییٰ ویمیت ویمطر وینبت ویدفع البلاء انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

۱۔ حضرت حکیم ترمذی علیہ الرحمہ نے نوادہ الاصول میں حدیث مبارک نقل فرمائی ہے کہ کچھ فرشتے بنی آدم کے رزق پر مکمل ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آخرت جانے والے آدمی کے رزق کا سب زمیں و آسمان اور ہر انسان کو ضامن کر دو، اور حدیث مبارک ہے کہ ایک فرشتہ حیرتی پیشانی پر مسلا ہے، تو تو جہنم کرتا ہے تو تجھے باندی بخشتی ہے، نگہ کرے تو تجھے ہلاک کر ڈالتا ہے، (الاسنن داہلی ص ۲۱۰)

زندہ کرتا اور مارتا ہے، اور بارش برساتا ہے اور فصل اگاتا ہے اور بلا دور کرتا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ان کی وجہ سے کیسے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، فرمایا، اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ امتوں میں کثرت فرما تو بہت سے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں، اور وہ جابر لوگوں کے خلاف دعا کرتے ہیں، تو وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، وہ بارش کی دعا کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے، فصل اگانے کی دعا کرتے ہیں تو فصل اگ جاتی ہے، اور وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بلاؤں اور مصیبتوں کو نال دیتا ہے، (حلیۃ الاولیاء ۹/۱، میزان الاعتدال ۵۰/۳)

اگرچہ اس حدیث کو امام ابن جوزی علیہ الرحمہ نے موضوعات میں درج کیا ہے، اور اس کے راوی مجہول بتائے ہیں لیکن خاتم المحدثین حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابدال کی حدیث صحیح ہے، بلکہ چاہو تو تم متواتر بھی کہہ سکتے ہو، میں نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے، انہیں میں نے حدیث کو تمام سندوں سے روایت کیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو امام ابن عساکر نے دو سندوں سے روایت کیا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور امام حاکم وغیرہ نے اس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت چھ سندوں سے مروی ہے، اس کو امام بیہقی نے حسن قرار دیا ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد نے صحیح کہا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد نے کتاب الزہد میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں تین سندوں سے بیان کیا ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دلیلی



نے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام اور احمد اور امام ابوداؤد نے سنن میں نقل کیا ہے، پھر ابدال کے متعلق حسن بصری، قتادہ، خالد بن معدان، ابن الزہریہ، ابن شوزب اور عطاء وغیرہم رضی اللہ عنہم جیسے تابعین اور تبع تابعین سے بے شمار آثار مروی ہیں، اس کی مثل لامحالہ تواتر معنوی تک پہنچتی ہے، جس سے ابدال کا وجود بدیہاً ثابت ہوتا ہے، (انتخابات علی المروعات ص ۷۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”جس آدمی میں تین چیزیں پائی جائیں وہ ابدال میں سے ہوگا، بہم فوام الدنیا و اہلہا، جن کے وسیلے سے دنیا اور اہل دنیا کا قیام ہے، ہر نقدیر پر راضی رہنا، خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے رکنا، اللہ کے لئے کسی پر غضبناک ہونا (کنز العمال ۱۲/۱۸۷، الفردوس ۲/۸۳، الحاوی للفتاویٰ ۳/۲۳۸)

حضرت مالک بن عوف بنی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ابدال اہل شام میں ہیں، انہی کے وسیلے سے تم مدد کیے جاتے ہو اور انہی کی وجہ سے تم کو رزق دیئے جاتے ہیں، (احاف السادة البصين ۳۸۶/۸، مجمع الزوائد ۱۰/۲۶، طبرانی کبیر ۱۸/۶۵، المسد رک ۳/۵۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”چالیس آدمی ہمیشہ ایسے ہوں گے جن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ زمین کی حفاظت فرماتا ہے، ان میں سے جب کوئی وصال کر جاتا ہے تو اس کی جگہ کسی اور کو متعین کر دیا جاتا ہے، یہ

چالیس مردان خدا ساری زمین میں ہوتے ہیں، (کنز العمال ۱۲/۱۹۱) ان احادیث قدسیہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بقائے انسانیت کا وسیلہ اور نزول انعامات کا واسطہ ہیں، اگر ان کی بارگاہوں میں جا کر ان کی ارواح طیبہ کے ذریعے سے امداد حاصل کی جائے تو دراصل یہ ان کو وسیلہ اور ذریعہ بنانے والے پروردگار کی امداد ہوگی، یاد رہے کہ کافروں اور مشرکوں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے، وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر، وما لکم من دون اللہ من ولی ولا شفیع، اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی ولی، مددگار اور شفیع نہیں ہے، ان کا کوئی مددگار اور راہ دکھانے والا نہیں، (سورۃ الکہف: ۷۷) اس مضمون کی متعدد آیات ہیں، لیکن مومنوں اور مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے مددگار پیدا کئے ہیں فرمایا،

..... ﴿بَشِّرِ الصَّالِحِينَ الَّذِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَهُمْ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيَحِبُّونَ حُبَّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمُنَّ بِهِمْ السَّلَافُ وَالْآخِرُونَ﴾  
اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی، بعضہم اولیا بعض وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں، (القرآن)

..... ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكَ لَدُنْهُمْ﴾  
ہیں، فاجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیراً، اے اللہ ہمیں اپنی طرف سے کوئی دوست عطا کر اور ہمیں اپنی طرف سے کوئی مددگار عطا فرما، (القرآن)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے مددگار پیدا فرماتا ہے، لہذا ان مددگاروں سے مدد حاصل کرنا، مصائب و مہالک میں ان سے پناہ طلب کرنا شرک نہیں، کیونکہ مسلمان ان مددگاروں کو عبادت کے قابل نہیں سمجھتے، محبت کے قابل سمجھتے ہیں، غیر



مقلد عالم مولانا وحید الزمان اپنی کتاب ”ہدیۃ المہدی“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں،

”اے اللہ اس کتاب کو لکھنے اور اسے مکمل کرنے میں انبیاء

وصالحین اور ملائکہ مقربین کی مقدس روحوں کے وسیلے سے مری

امداد فرما، بالخصوص ہمارے امام حسن بن علی کی روح، ہمارے شیخ

عبد القادر جیلانی کی روح، ہمارے شیخ ابن تیمیہ حرانی کی روح اور

ہمارے شیخ احمد مجد الف ثانی کی روح کے وسیلے سے امداد فرما،“

کیا کوئی ”موحد“ اپنے اس عالم کو مشرک کہنے کے لئے تیار ہوگا، کیا اللہ تعالیٰ

ان بزرگوں کے بغیر امداد کرنے پر قادر نہیں، اگر عامۃ المسلمین انبیاء اور اولیاء کے وسیلے

سے دعا کریں تو مشرک کیسے ہو گئے، شاید حضرت شیخ اور ان کی ذریت کو معلوم نہیں کہ

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو اپنے کمالات و احسانات کا مظہر بناتا ہے، جیسا کہ حدیث

قدسی سے ثابت ہے،

”میں اپنے بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کے

کان ہو جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا

ہوں، جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے

وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، وہ

مجھ سے کچھ بھی مانگے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور وہ مجھ سے

پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں“، (بخاری ۱/۶۹۳، صحیح

ابن حبان ص ۱/۲۸۰، مسند احمد ۶/۲۵۶، مشکوٰۃ شریف ۱۹۷، سنن کبریٰ ۳/۳۳۶)

ایک روایت میں ہے کہ میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا

ہے، اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے (فتح الباری

۱/۲۸۸) بعض روایات میں ہے کہ وہ میرے ساتھ ہی سنتا ہے، دیکھتا

ہے، میرے ساتھ پکڑتا ہے، چلتا ہے، (حاشیہ بخاری ص ۱/۶۹۳)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ اس حدیث مبارک کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں،

”تو پھر اس وقت تجھے علوم لدنی کے اسرار اور ان کے

عجائبات کا امانتدار بنایا جائے گا، اور تجھ پر نکوین اور خوارق عادات

کو لوٹایا جائے گا، جو اس قدرت کی قسم سے ہے جو اہل ایمان کو

جنت میں حاصل ہوگی، پس تو اس حالت میں ہوگا کہ تجھے مرنے

کے بعد عالم آخرت میں دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا، پھر تو اللہ تعالیٰ

کے ساتھ سنے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ

کلام کرے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ پکڑے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ

چلے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوچے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ سکون

کرے گا، (فتوح الغیب مقالہ ۴۰)

علم حق در علم صوفی گم شود

ایں سخن کے باور مردم شود

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ انعام عطا فرماتا ہے تو ہمیشہ کیلئے عطا فرماتا ہے۔ وہ

مزار اقدس میں جا کر بھی قدرت خدا کے مظہر اتم ہوتے ہیں، لہذا ان کے مزار پر جا کر

مصائب ٹالنے کی التجا کرنا درست ہے۔ اور وہ ایسا کرنے پر باذن اللہ ماہور ہیں، آئیے

آلِ نجد کے مقتدر اعلیٰ کی خاک تربت کا کمال ملاحظہ کیجئے،



”ابو العباس احمد بن علاء الدین بیان کرتے ہیں کہ علی بن عبد الکریم بغدادی کی لڑکی کو مرضِ رمہ (فتورِ نظر) لاحق ہو گیا، اسے خیال آیا کہ ابنِ تیمیہ کی خاک تربت لڑکی کی آنکھوں میں ڈالے، چنانچہ وہ قبر پر گیا، وہاں ایک اور بغدادی اسی مقصد کیلئے خاک جمع کر رہا تھا، علی بن عبد الکریم کی عقیدت اور بڑھ گئی، اس نے خاک لی، بچی کی آنکھ میں ڈالی اور لڑکی دوسری صبح کو تندرست ہو کر اٹھی، (۱۴۱۱ھ میں ۹۹)۔

ہمارا سوال ہے کہ کیا یہ شرکِ زمانہ جاہلیت کے شرک سے دو گنا نہیں، اگر ابن تیمیہ کی خاک تربت تیرہ نگاہوں کو روشنی سے مالا مال کرتی ہے تو حضورِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور پھر رسولِ اعظم، شفیعِ اعظم، نورِ مجسم، سرورِ دو عالم ﷺ کے دربار کی خاکِ شفا کیوں نہ متبرک ہوگی۔ اپنے بزرگوں کی قبروں کو بھی شافی مانا جاتا ہے جبکہ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام کی ذوات و صفات تک کو کچھ نہیں سمجھا جاتا، کیا یہ انصاف ہے، حضرت شیخ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”جب ثابت ہو گیا کہ روح باقی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے، اور اس کی بدولت ان میں علم و شعور پیدا ہوتا ہے، جس سے قبر والوں کو زائرین کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے، کامل لوگوں کی ارواح جنہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت و منزلت حاصل تھی اور وہ کرامات و تصرفات سے لوگوں کی مدد کرتے تھے، انہیں وفات کے بعد بھی یہ قدرت اور تصرف

کی طاقت اور بڑھ جاتی ہے۔ اب اُن سے امداد مانگنے کے انکار کی معقول وجہ نظر نہیں آتی، مگر یہ کہ پہلی بات کا انکار کر دیا جائے۔ اور کہا جائے کہ روحوں کا جسموں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اور ایسا کہنا تو نصوص کے خلاف ہے، اور یوں قبروں کی زیارت کرنا بھی لغو اور بے معنی ہو جائے گا، اور ولی سے امداد طلب کرنے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرے، اس روحانی وسیلے سے جو بندہ مقبول کو اس کے ہاں حاصل ہے، اور یوں کہے کہ اے اللہ اس بندے کی برکت سے، جس پر تو نے رحمت فرمائی ہے، میری حاجت کو پورا کر دے، پس اس صورت میں بندہ مقبول صرف وسیلہ ہے، اور دینے والا قادر صرف پروردگار ہے، اس صورت میں شرک کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، جیسا کہ منکر اولیاء کو وہم ہوا ہے، اس قسم کا توسل انبیاءِ اولیاء کی حیات میں جائز ہے تو وفات کے بعد کیوں جائز نہیں، کامل افراد کی حیات اور بعد از وفات میں صرف یہ فرق ہے کہ بعد از وفات ان کی روحوں کو ترقی مل جاتی ہے، (فتاویٰ عزیز یہ ۳/۱۰۷)۔

قرآن پاک میں ہے فالمدبراتِ امرأ ان کی قسم کہ تمام کاروبار دنیا کی تدبیر کرتے ہیں (سورۃ النازعات ۵۰) اس آیت مبارکہ کی ایک تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی کہ ہم الملائکۃ و کسلو بما مور عرفہم اللہ تعالیٰ العمل بہا، یہ تدبیر کرنے والے ملائکہ ہیں جو ان کاموں پر مقرر کئے گئے ہیں جن کی کارروائی اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم فرمائی ہے، حضرت امام بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،



اللہ تعالیٰ ارواح اولیا کا ذکر فرماتا ہے، جب وہ اپنے پاک بدنوں سے انتقال فرماتی ہیں کہ جسم سے بقوت تمام جدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی ہوئی خطیر ہائے قدس تک رسائی پاتی ہیں، پس اپنی بزرگی کے باعث کاروبارِ عالم کے تدبیر کرنے والوں سے ہو جاتی ہیں، (الاسن والعلی ص ۴۴) علمائے اسلام نے تصریح فرمائی ہے، جب تم کاموں میں حیرت زدہ ہو جاؤ تو اصحاب قبور سے مدد چاہو، اگرچہ یہ حدیث نہیں لیکن مزارات کی زیارت کرنے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ہمارے زمانے کے بعض طہرے بے دین لوگ اس حقیقت کے منکر ہو گئے ہیں، یہ حضرت امام محمد غزالی اور حضرت امام رازی علیہما الرحمہ کا ارشاد ہے، (الاسن والعلی ص ۴۴) حضرت امام ابن الحاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، صالحین کی قبور کے پاس دعا کرنا اور شفاعت چاہنا ہمارے علمائے محققین، ائمہ دین کا معمول ہے، (المدخل ۱/۲۹۹) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، وفات کے بعد کامل انسان کے تمام جسمانی تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں، وہ اپنی اصل طبیعت کی طرف لوٹ جاتا ہے اور فرشتوں سے مل کر ان جیسا ہو جاتا ہے، ان کی طرح اس کی طرف بھی الہام ہوتے ہیں اور ان کی طرح وہ بھی تصرف کرتا ہے، کبھی یہ پاک رو میں خدا کا بول بالا کرنے اور اس کے لشکروں کی امداد کرنے میں مصروف ہوتی ہیں، اور کبھی بنی آدم کے قریب ہوتی ہیں کہ ان پر افاضہ خیر فرمائیں، (جنۃ اللہ باللہ جز ۱ ص ۳۵)، حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر روح کو اپنے بدن کے ساتھ ایک معنوی تعلق ہے، روحوں کو علمین یا سچمیں میں ہونے کے باوجود کائنات میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے، اور اپنے ٹھکانوں میں جانے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ اگر قبر میں میت کے اجزا بھی بکھر جائیں تو بھی یہ تعلق اور تصرف برقرار رہتا ہے، (مرقاۃ ۳/۲۵) حضرت امام شامی اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

انہما اولیا کی رو میں زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتی ہیں، دنیا و آخرت میں اپنے دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں، ان سے طریق اویسی فیض پہنچتا ہے، یہی سبب ہے کہ ان کے جسم زندہ ہوتے ہیں، خاک ان کو نہیں کھاتی، بلکہ ان کے کفن بھی تروتازہ اور محفوظ رہتے ہیں، (تذکرۃ الموتی والعموم ص ۴۴) حضرت شیخ اور ان کی ذریت اپنے بزرگ مختتم حضرت علامہ ابن قیم الجوزیہ کی کتاب الروح کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، انہوں نے بھی روحوں کے تصرف، قوت، سرعت کو بڑے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ ان کا اپنے اجسام سے تعلق قائم رہتا ہے، ان کو وہ اپنے زائرین کو پہچانتی ہیں اور ان کی امداد کرتی ہیں، ان کے حق میں دعا کرتی ہیں اور ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر حاضر ہوتی ہیں، جیسا کہ روح القدس علیہ السلام حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس بھی ہوتے تھے اور مقام سدرۃ المنتہیٰ پر بھی، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور آگے مسجد اقصیٰ میں بھی موجود تھے، چند روحوں مل کر لشکر جبار کو شکست فاش دے سکتی ہیں، ان کے اختیار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس طرح وفات کے بعد اہل قبور کے تصرف، امداد اور فیضان نظر کا اعتراف حضرت علامہ ابن قیم الجوزیہ نے بھی کر لیا ہے، حضرت شیخ کبیر امام ابو عبد اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ روحانی کیفیت کی طرف منتقل ہو جائے تو اسے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) غیب کا علم حاصل ہو جاتا ہے، اس کیلئے زمین سمٹ جاتی ہے، اور وہ پانی پر چلتا ہے اور نظروں سے اوجھل ہو سکتا ہے، (مرقاۃ ۱/۶۲) انسان کامل اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، واقعی اس کی یہی شان و عظمت ہونی چاہئے

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفرین کار کشا، کار سار



حضرت شیخ کا فرمانا۔ کہ قبر والوں سے مدد مانگنا شرک اکبر ہے، اس کا جواب انہی کے ہم عقیدہ جناب نواب وحید الزمان کی زبان سے ملاحظہ کیجئے،

”عجیب ترین بات یہ ہے کہ ہمارے کچھ بھائیوں نے اس مسئلہ میں زندوں اور مردوں کا فرق کیا ہے۔ اور گمان کیا ہے کہ وہ امور جو بندوں کی قدرت میں ہیں، ان امور میں زندوں سے مدد مانگنا شرک نہیں، جبکہ مردوں سے مدد مانگنا شرک ہے، حالانکہ یہ واضح طور پر غلط ہے، کیونکہ غیر اللہ ہونے میں زندہ اور مردہ برابر ہیں“ (ہدیہ الحمد ص ۱۸)

سب کے مدد خواہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جس کی زندگی میں اس سے مدد مانگی جاتی ہے، اس سے وفات کے بعد بھی مدد مانگی جائے گی، اہل قبور کی برکات و تصرفات کا اعتراف حضرت علامہ ابن تیمیہ حرانی نے بھی فرمایا ہے،

”اسی طرح انبیاء و صالحین کی قبروں کے نزدیک ظاہر ہونے والی کرامات بھی ہیں، مثلاً ان قبروں کے نزدیک انوار الہیہ اور ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، شیاطین و بہائم ان سے دور رہتے ہیں، ان کے ارد گرد کی آگ بجھ جاتی ہے، وہ اپنے پڑوس میں مدفون لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں، اس لئے ان کے قریب دفن ہونا بہتر ہے، وہاں جا کر سکون قلب اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، یہ سب باتیں برحق اور بالکل صحیح ہیں، ان باتوں کا ہماری بحث سے تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں پر جو رحمتیں اور برکتیں فرماتا ہے اور اس کی بارگاہ میں انہیں جو شرف و کرامت

حاصل ہے وہ اکثر لوگوں کے وہم و گمان سے بھی زیادہ ہے (افتاء

الاصراط المستقیم ص ۳۸۴ بحوالہ مزارات اولیاء ص ۱۶۱)

اب چند محبوبان خدا کے مزارات کی برکتیں مشاہدہ کریں، حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر آ کر بارش کی دعا کی جائے تو بارش نصیب ہو جاتی ہے، (الاستیعاب ص ۴۰۴) حضرت سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے مزار پر جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے، ان کے مزار کو قبر المرأة الصالحة کہا جاتا ہے، (الہدایہ وانتمایہ ص ۱۵۳) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کیلئے علما کرام اور حاجت مند افراد حاضر ہوتے ہیں، آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور منہ مانگی مرادیں پاتے ہیں، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ بھی اپنی حاجت روائی کیلئے مزار امام پر حاضر ہوا کرتے تھے (الخیرات الحسان ص ۳۸) حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے مزار کی زیارت کیلئے لوگ آتے ہیں اور اس کی برکت حاصل کرتے ہیں، (مقدمۃ المفیات) حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ بھی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے توسل کیا کرتے تھے (شہدائے حق ص ۱۳۴) حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے مزار کی زیارت کرنا اور برکات حاصل کرنا مسلمانوں کا معمول ہے، (مرآۃ العارفین ص ۲۲) حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا مزار دعا کی قبولیت کیلئے تریاق ہے (ایضاً المفیات ص ۱۵) حضرت معروف کرخی علیہ الرحمہ کا مزار اکسیر مجرب ہے، (صفۃ الصفوة ص ۱۸۳) حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کے مزار کی مٹی سے خوشبو آتی رہی اور لوگ اسے بطور تبرک لے جاتے رہے، (ہدی الساری ص ۲۶۶) آپ کے مزار کے توسل سے شدید بارش ہوئی (ارشاد الساری ص ۳۹) حضرت ابو العباس ساری علیہ الرحمہ کے مزار پر لوگ مرادیں پاتے ہیں، مقاصد کے حل کیلئے وہاں جانا مجرب ہے۔ (کشف المحجوب ص ۲۳۵) حضرت شیخ ابن باز نے تو شاید ساری عمر کوئی کافر بھی مسلمان نہیں کیا، حضرت خواجہ اجیری علیہ الرحمہ نے



نوے لاکھ کافروں کو کلمہ پڑھایا ہے، جب اتنا بڑا موصد ”سج بخش فیض عالم، منظر نور خدا“ کا ترانہ آلاپ رہا ہے تو حضرت داتا علی ہجویری قدس سرہ میں ایسے خدا داد کمالات موجود ہیں تو آلاپ رہا ہے، کتنے تعجب کی بات ہے کہ مسلمان حضرت شیخ ابن باز کے غور ساختہ نظریے کی پیروی تو کریں اور جس کے صدقے اہل برصغیر کو کلمہ نصیب ہوا، اس کی پیروی نہ کریں، ہاں ہاں حضرت داتا علی ہجویری، حضرت خواجہ اجیمیری، حضرت غوث اعظم، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی، حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی، حضرت سید جماعت علی لاٹانی، حضرت خواجہ نور الدین قدس سرہم کے مزارات اور دیگر ہزاروں اولیاء کے مزارات خیرات و حسنات کے خزانے تقسیم کر رہے ہیں، احقر راقم السطور کا اپنا واقعہ ہے، میرے عرصہ پانچ سال سے دائیں ٹانگ میں شدید درد تھا، اسے شیشیر کا پین یا انگڑی کا درد بھی کہتے ہیں، بہت علاج معالجے کروائے، کوئی آرام نہ آیا، یہی درد میرے دوست مولانا غلام دہگیر احمد کو بھی لاحق تھا، ہم دونوں آفتاب شریفور حضور شیر ربانی میاں شیر محمد شریفور قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ جاتے ہوئے اڈے سے لے کر مزار تک دو تین مرتبہ دم مارا، کیونکہ یہ درد چلنے نہیں دیتا، مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی اور ان سے دعا کی درخواست کی، خدا شاہد ہے، اس دن سے آج تک شفا ہی شفا ہے، ہم دونوں دوست اس موذی مرض سے مکمل شفا یاب ہیں، یہ اگر اتفاق ہوتا تو ایک کیساتھ ہوتا، دونوں کا ایک ہی دن شفا یاب ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور شیر ربانی قدس سرہ کا عالی شان تصرف ہے، میرے ایک دوست حافظ شان رضا صاحب ایک شدید مشکل سے دو چار تھے، وہ میرے سامنے حضور پیر لاٹانی علی پوری قدس سرہ کے مزار پر اتار دئے کہ میں خود حیران رہ گیا، چند دنوں کے بعد ان کی مشکل ختم ہو گئی، اور اب وہ پرسکون زندگی گزار رہے ہیں، مولانا غلام دہگیر احمد صاحب ملازمت کے بارے میں بہت پریشان تھے،

رہے ہیں، مولانا غلام دہگیر احمد صاحب ملازمت کے بارے میں بہت پریشان تھے، ان نے کہا، ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ خواجہ دوست محمد قدس سرہ کا فرمان ہے کہ تم بڑے بزرگوں کو تکلیف نہ دیا کرو، تمہارے چھوٹے بڑے معاملات پورے کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ہی کافی ہوں، لہذا آپ ان کی بارگاہ میں حاضری کی نیت کریں، انشاء اللہ کام ہو جائے گا، مولانا نے کہا کہ میں نے اسی وقت سے نیت کر لی، آپ یقین فرمائیں، اسی دن انہوں نے عربی لہجہ کا اشتہار پڑھا اور درخواست دے دی، چند دنوں کے بعد ان کی تقرری ہو گئی، پھر وہ میرے ہمراہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی دربار میں حاضر ہوئے، اور ان کی توجہات کا شکر یہ ادا کیا۔ ہم سب اہل خاندان کا معمول ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے، ہم عارف کامل، مرشد عالی جناب حضرت مولانا محمد نور الدین سرکار قدس سرہ کے دربار نور میں حاضر ہوتے ہیں، اور ان سے اپنا مسئلہ اس طرح عرض کرتے ہیں جس طرح کوئی اولاد مہربان باپ سے عرض کرتی ہے، مشکلات کوٹاٹنے والا پروردگار ان کی دعا اور توجہ سے مشکل آسان کر دیتا ہے۔

حاکم حکیم دادو دادی یہ کچھ نہ دیں

مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

ایک مسلمان کی سب سے بڑی مشکل ایمان کی حفاظت ہے، ان مخلصین اسلام کے درباروں پر ایمان محفوظ رہتا ہے، کیونکہ وہاں شیطان کا کوئی تسلط نہیں، اللہ پاک نے قرآن پاک میں اپنے ان برگزیدہ بندوں کی شان میں ارشاد فرمایا ہے،  
 ﴿.....ان عبادی لیس لك علیہم سلطان یعنی بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں﴾ (سورۃ الحجر: ۴۲) اور شیطان نے اعتراف کیا تھا کہ میں اولاد آدم کو گمراہ کروں گا لیکن عبادك منهم المخلصین، تیرے مخلص بندوں پر مرا کوئی تسلط نہیں،



معلوم ہوا اگر کوئی شیطانی اثرات سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو ان اہل اخلاص کی بارگاہوں کا خادم بن جائے، ان محفوظ پناہ گاہوں کا سہارا حاصل کر لے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ آج بھی جو شخص ان اللہ والوں کا مرید ہے، ان کے آستانوں پر حاضری دیتا رہتا ہے، وہ بدعتیہ کی اور بدعتیہ کے تمام اثرات سے بچا ہوا ہے۔

تمنا در دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی  
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ سنتا ہے، پھر انبیاء اور اولیاء کے پاس جانے کا کہا فائدہ، ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر جگہ سنتا ہے، لیکن مانتا اس وقت ہے جب اس کے پیاروں کے وسیلے سے مانگا جائے، ان لوگوں کو سننے کی فکر ہے اور ہمیں منانے کی فکر ہے، پھر یہ بھی اعتراض ہے کہ جب وہ شہرگ سے زیادہ قریب ہے تو اسے پانے کے لئے اور کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے، ہم کہتے ہیں، یہ سوال نہیں کہ وہ ہمارے کتنا قریب ہے، سوال یہ ہے کہ ہم اس کے کتنے قریب ہیں، ہم اس کے قریب ہونا چاہتے ہیں تو ان کے قریب جانا پڑے گا، جو اس کے قریب ہو چکے ہیں، اس فلسفے پر بے شمار دلائل موجود ہیں، خدا تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

**چند آیات کا افہام:** قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

”اے محبوب ان لوگوں کو اس شخص کا حال سناؤ، جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا، پس شیطان اس کے تعاقب میں نکلا تو وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا“ (سورۃ الاعراف: ۱۷۵)

حضرت علامہ اسماعیل ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت ایک حدیث مبارک بیان فرمائی ہے، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

رسول خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان فرمایا،

ان مما اتحف علیکم رجل قرء القرآن حتی ازادویت  
بہجۃ علیہ..... بے شک مجھے تم لوگوں پر اس شخص کا ڈر ہے  
جو قرآن کی تلاوت کرے گا، جب اس پر قرآن کی رونق آجائے گی  
اور وہ اسلام کی چادر اوڑھ لے تو اللہ جدھر چاہے گا، اس کے تکبر  
کی وجہ سے اسے چھوڑ دے گا، پھر وہ شخص اسلام کی چادر اتار کر اور  
اسے پس پشت ڈال کر اپنے مسائے پر تلوار چلانا شروع کر دے  
گا، ورماء بالشرك اس پر شرک کا الزام عائد کرے گا، حضرت  
حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا نبی اللہ! شرک کا زیادہ حقدار کون  
ہوگا جس پر الزام عائد ہوایا جس نے الزام عائد کیا، آپ ﷺ نے  
فرمایا، جس نے الزام عائد کیا (وہ شرک کا زیادہ حقدار ہوگا)

قارئین کرام! خدا را نظر انصاف سے قرآن وحدیث کے اس ارشاد ہدایت  
بنیاد کی روشنی میں حضرت شیخ ابن باز نجدی اور ان کی ذریت کے الزامات کا مشاہدہ  
کریں، قرآن پاک پڑھ پڑھ کر تمام اہل اسلام کو شرک اور کفر کے الزامات سے آلودہ کر  
رہے ہیں، محبوبان خدا کو معبودان باطلہ کا نام دے کر ان کی اطاعت ومحبت سے مالا مال  
مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت کے مشرکوں سے بھی بڑے مشرک قرار دے رہے ہیں۔

تم نے وہ لوگ ایک ہی شوخی میں کھود دیئے

ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

آئیے اس آیات کا مفہوم بیان کریں جن کو بیمار ذہنوں نے عجائبات سے کہاں تک  
پہنچا دیا ہے،



﴿.....!.....﴾

ان الذین تدعون من دون الله عبادا مثلكم فادعواهم  
فليستحيوا لکم ان کنتم صادقین ، بے شک تم جنہیں اللہ کے  
سوا پکارتے ہو (یعنی جن کی عبادت کرتے ہو) وہ تمہاری طرح  
بندے ہیں ، پس انہیں پکارو تو وہ تمہیں جواب دیں ، اگر تم سچے

ہو، (سورۃ الاعراف: ۱۹۳)

اس آیت کریمہ میں ”عباد امثالکم“ سے مراد انبیاء اور اولیاء نہیں ، پھر اور مٹی  
کے بت ہیں جن کو انسانی صورت میں بنایا گیا تھا ، اس آیت کریمہ کے بعد وارد ہونے  
والی آیات میں ہی وضاحت موجود ہے ، فرمایا اللہ ارجل یمشون بها ..... کیا ان  
کے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں ، کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں ، کیا ان کی  
آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں ، کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں ، اور جنہیں تم  
اللہ کے سوا پکارتے ہو (یعنی پوجتے ہو) وہ تمہاری امداد نہیں کر سکتے اور نہ اپنی امداد کر  
سکتے ہیں ، اور اگر تم ان کو راستے کی طرف بلاؤ تو نہیں سنتے ، اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ  
تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں ، حالانکہ وہ نہیں دیکھ سکتے (سورۃ الاعراف: ۱۹۸) اگر عقل و شعور  
کی روشنی نصیب ہو تو یہ سب آیات خود اپنی تفسیر ہیں ، جن ﴿عباد امثالکم﴾ کو کفار  
عرب پکارتے تھے یا ان کی عبادت کرتے تھے ، ان کی شکل و صورت تو انسان سے ملتی تھی ،  
لیکن وہ دیکھنے ، سننے ، پکڑنے اور چلنے کی قوت سے عاری تھے ، وہ کسی کی امداد کیا اپنی امداد  
نہیں کر سکتے تھے ، ان کی پتھریلی آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں بصارت اور  
بصیرت کا نور جلوہ گر نہیں تھا ، اب انصاف سے بتائیے کہ ان آیات مبارکہ کو انبیاء اور اولیاء  
پر کیسے چسپاں کیا جاسکتا ہے ، ایک تو مسلمان ان کو خدا کا شریک سمجھ کر نہیں پکارتے ، اور

نہی ان کو عبادت کے لائق سمجھتے ہیں ، دوسرا وہ بتوں کے احکام میں داخل نہیں ، وہ دیکھتے  
ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں ، وہ سنتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے سنتے  
ہیں ، وہ پکڑتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے پکڑتے ہیں ، وہ چلتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے  
نور سے چلتے ہیں ، وہ امداد کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے امداد کرتے ہیں ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تمام مفسرین امت کے نزدیک ﴿عباد امثالکم﴾ سے مراد بت ہیں اور  
﴿الذین تدعون﴾ سے مراد بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین ہیں ، حضرت عبداللہ  
بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ،

”بے شک جن کو پکارتے ہو، (تعبدوں) یعنی عبادت کرتے ہو،

اللہ کے سوا (من الاصنام) یعنی پتھر، مٹی وغیرہ کے بت، وہ تمہاری

طرح کے بندے ہیں، ﴿مخلوقون امثالکم﴾ یعنی تمہاری

صورت میں گھڑے ہوئے مجسمے ہیں ..... اے محبوب تم

ان کو دیکھتے ہو، (یعنی الاصنام) یعنی بتوں کو“ (تفسیر ابن عباس ص ۱۱۳)

حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ پکارنا سے مراد عبادت  
کرنا ہے ، عباد سے مراد بت ہیں ، انکو ﴿عباد﴾ یعنی بندے اس لئے کہا گیا کہ پتھر اور  
لکڑی کے بت بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں ، ﴿امثالکم﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری  
شکل و صورت پر گھڑے ہوئے ہیں ۔ ان کی آنکھیں ہیروں سے مزین ہیں (جو دیکھنے کی

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چوٹی کی آواز سن لی تھی ، حضور انور ﷺ نے زمین پر چلنے والے  
بلال رضی اللہ عنہ کے چوٹی کی آواز جنت میں سناعت فرمائی تھی ، آپ تمام مسلمانوں کا درود اور سلام سناعت فرماتے ہیں ،



قوت سے عاری ہیں) (تفسیر قرطبی ۳/۲۱۷) حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ حضرت امام اسماعیل ابن کثیر علیہ الرحمہ، حضرت امام اسماعیل حقی علیہ الرحمہ، حضرت امام خازن علیہ الرحمہ، حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے بھی ﴿عباد امثالکم﴾ سے بت مراد لئے ہیں، پکارنا کو عبادت کرنا قرار دیا ہے، کسی مستند مفسر نے یہ آیت کریمہ انبیاء اور اولیاء پر چسپاں نہیں کی اور اس کی آڑ میں مسلمانوں کو مشرک قرار نہیں دیا۔

﴿.....۲.....﴾

والذین يدعون من دونه لا يستحيون لهم بشئ الا كياسط  
كفبه الى الماء ليلغ فاه وما هو ببالغه وما دعاء الكافرين  
الا فسى ضلل ، وہ لوگ جو اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں (یعنی  
عبادت کرتے ہیں) وہ ان کی کوئی نہیں سنتے مگر اس کی طرح جو پانی  
کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے،  
اور پانی ہرگز (اس کے منہ تک) نہیں پہنچے گا، اور کافروں کی ہر دعا  
گمراہی کا شکار ہے (یعنی رائیگاں ہے)۔ (سورۃ الرعد: ۱۴)

حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ﴿والذین يدعون من دونه ای  
يعبدون الا صنم والاوثان﴾ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بتوں اور مجسموں  
کی عبادت کرتے ہیں، وہ بت اور مجسمے ان کی کوئی فریاد نہیں سنتے ﴿وما دعاء الكافرين  
الا فسى ضلل ای ليست عبادة الكافرين الا صنم الا فسى ضلل﴾ کافروں کی ہر  
دعا گمراہی کا شکار ہے، یعنی ان کا بتوں اور مجسموں کی عبادت کرنا گمراہی کا شکار ہے۔  
(تفسیر قرطبی ۵/۱۹۷) اسی طرح باقی مفسرین امت نے صراحت سے لکھا ہے جس طرح پانی  
کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے کی پانی کو کوئی خبر نہیں ہوتی اس عدم شعور کی وجہ سے بت

اور مجسمے بھی پانی کی طرح جہاد ہیں استجابت سے قہی دامن ہیں، ان کی عبادت کرنا  
عبادت کی توہین ہے، اس آیت کریمہ کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا جہالت و ضلالت نہیں  
تو اور کیا ہے۔ ان کی ذوات قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و نصرت کا وسیلہ بنایا ہے۔  
یہ آیت کریمہ مسلمانوں پر بھی چسپاں نہیں کی جاسکتی کہ وہ انبیاء اور اولیاء کو خدا سمجھ کر یا خدا  
کے مقابلے میں نہیں پکارتے اور نہ ان کو عبادت کے لائق سمجھتے ہیں، ایک بات یاد رکھیں  
کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اگر کسی مقبول بندے کو پکارا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت  
کے خلاف بھی مشکل آسان کر دے گا، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مقبول بندے کی بھی  
عبادت کی جائے کہ وہ راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے زبردستی مشکل آسان کروالے گا، جیسا  
کہ یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب انبیاء اور جنات کی عبادت کرتے تھے، ایسی صورت  
میں وہ مقبول بندہ پکارنے والے کی پکار سے اور عبادت کرنے والے کی عبادت سے  
بری ہوگا، اس صورت میں وہ پکارنے والے کو اور عبادت کرنے والے کو کوئی نفع نہیں  
دے سکتا، اور نہ کوئی نقصان ٹال سکتا ہے، حتیٰ کہ ایسے بدنصیب کی وہ شفاعت بھی نہیں  
کر سکتا، الحمد للہ اہل اسلام بھی اس صورت میں کسی مقبول بندے کو نہیں پکارتے اور نہ اس  
کی عبادت کرتے ہیں، اہل اسلام کے نزدیک انبیاء اور اولیاء کے تمام ترک کالات اللہ تعالیٰ  
کی مشیت و قدرت کے تابع ہیں۔ وہ مردے زندہ کرتے ہیں، برص والوں کو شفا دیتے  
ہیں، اندھوں کو بصارت عطا کرتے ہیں، چھپی ہوئی چیزوں کی خبر بخشتے ہیں، سورج کو  
واپس لوٹاتے ہیں، پتھروں سے پانی کے چشمے جاری کرتے ہیں بوسیدہ کھجوروں کو تازہ  
کرتے ہیں، بے موسیٰ پھل منگواتے ہیں، مستقبل کے اسرار فاش کرتے ہیں، آنکھ جھپکنے  
سے پہلے ملکہ بلقیس کا تخت لاتے ہیں، لوہے کو موم بناتے ہیں، ہواؤں، جنوں، فرشتوں  
پرندوں، درندوں پر حکومت کرتے ہیں، تین میل سے چوٹی کی آواز سنتے ہیں، پہاڑ کے



دامن سے اونٹنی کو نکال کر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے، مشیت سے، قدرت سے کرتے ہیں، کوئی معجزہ ہو یا کوئی کرامت ہو، سب میں قدرت الہی اور مشیت الہی کا ظہور ہوتا ہے، لہذا خدا را اہل اسلام پر رحم کھایا جائے اور ان کو پلید مشرکوں کی صفوں میں شامل نہ کیا جائے۔

ہمارے دامن ایمان سے کھیلنے والو  
ہمیں بہار کا سورج سلام کرتا ہے

﴿.....۳.....﴾

قل ادعو اللمین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا اولیک الذین یدعون یتغون الی ربہم الوسیلۃ ابہم اقرب ویرجون رحمۃ ویحافون عذابہ ط ان عذاب ربک کان محلورا O اے محبوب فرمادے تم ان کو پکارو جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا گمان کرتے ہو، پس وہ تم سے کوئی تکلیف دور کرنے اور (مشکل) پھیرنے کا اختیار نہیں رکھتے، وہ (نیک لوگ) جن کو یہ پکارتے ہیں تو وہ (نیک لوگ) خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون (اللہ کے زیادہ) قریب ہے، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خود کھاتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب خوف کی چیز ہے (سورۃ بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

اس آیت کریمہ کی شان نزول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ﴿ناس من الجن کانوا یعبدون فاسلموا﴾ کچھ مشرکین بعض جنات کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ جن تو مسلمان ہو گئے (لیکن مشرکین ان کی عبادت

کرتے رہے) (صحیح بخاری ۶۸۵/۲) یہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ﴿باعدون﴾ کا معنی ﴿باعدون﴾ ہے، یعنی وہ عبادت کرتے ہیں، تو ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی مقبول بندے کی بھی عبادت کی جائے تو وہ عبادت گزار کی کوئی مشکل آسان نہیں کر سکتا اور نہ اس کی کسی مصیبت کو پھیر سکتا ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ کچھ مشرکین فرشتوں کی، حضرت عزیر علیہ السلام کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور بعض جنوں کی عبادت کرتے تھے، ﴿کانوا یعبدون﴾ کے الفاظ وارد ہیں، (تفسیر ابن جریر ۱۰۲/۹) دیگر مفسرین امت نے بھی یہی رقم فرمایا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے مقابلے حضرت عزیر علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرات ملائکہ علیہم السلام، اور بعض جنات اپنے عبادت گزاروں کو کیا فائدہ دے سکتے تھے، مشرکوں اور کافروں کو کسی کی شفاعت اور ولایت ہرگز نہیں بچا سکتی قرآن پاک میں ارشاد بانی ہے،

”تو کیا کافروں نے گمان کر رکھا ہے کہ وہ میرے بندوں کو میرے مقابلے میں مددگار بنالیں گے، بے شک ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے“ (سورۃ الکہف: ۱۰۲)

الحمد للہ! مسلمان اس قسم کی عبادت اور شفاعت کے قائل نہیں جو کافروں کا طرہ امتیاز ہوا کرتی تھی، مسلمان، مقبولانِ خدا کی ہرگز ہرگز عبادت نہیں کرتے اور ان کی اسی شفاعت کے طلبگار ہیں جس پر ان کے خدا تعالیٰ نے ان کو فائز کر رکھا ہے، اس آیت کریمہ میں وسیلے کا ثبوت مل رہا ہے ﴿یتغون الی ربہم الوسیلۃ ابہم اقرب﴾ یعنی مقبول بندے اپنے رب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون رب تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے، یہ امر دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء اور اولیاء حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی صفات کا وسیلہ چاہتے ہیں، حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت و



رافت کا وسیلہ عظمیٰ اور ذریعہ کبریٰ ہیں، لہذا ہم امتی کیوں نہ قربت خداوندی سے سرفراز ہونے کیلئے ان کا وسیلہ طلب کریں اور ہم کیوں نہ ان کی بارگاہ اقدس میں حاضری کی تمنا رکھیں، بومیری کہتے ہیں

یا اکریم الخلق مالی من الذبہ  
سواک عند حلول الحادث العمم

﴿.....۳.....﴾

ان الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذباباً ولو اجمعوا ط  
وان یسلبهم الذباب شیئاً لا یتستقلوه منه ضعف الطالب  
والمطلوب ۵ بے شک تم لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو، وہ  
سب مل جل کر بھی ایک کبھی نہیں بنا سکتے، اور اگر کبھی ان سے کچھ  
چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے، کتنا کمزور ہے  
طالب اور (کتنا کمزور ہے) مطلوب، (الحج: ۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

یعنی تم اللہ کے سوا جن مجسموں اور بتوں کی عبادت کرتے  
ہو، وہ مجسمے اور بت ایک کبھی بنانے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگرچہ  
وہ سارے بت (عزی، لات، منات، نمل) اور ان کے عبادت  
گزار (ابو جہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ) اکٹھے ہو جائیں، (پھر  
اتنے مجبور ہیں کہ) ان پر شہد وغیرہ کا لپ کیا جاتا ہے، اور اس شہد  
سے کوئی کبھی کچھ حصہ لے جائے تو وہ مجسمے اور بت اس کبھی سے وہ  
حصہ نہیں چھڑا سکتے، یہ طالب یعنی عابد اور یہ مطلوب یعنی معبود کتنے

کمزور ہیں، (تفسیر ابن عباس ص ۳۱۱)

حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ نے بھی یہی لکھا ہے، کہ یہاں وہ مجسمے اور بت مراد  
ان جن کی مشرکین عرب عبادت کرتے تھے، وہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے  
ان کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، (تفسیر قرطبی ۶۳/۲) حضرت امام بغوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،  
”یعنی الاصنام“ من دون اللہ سے مراد مجسمے اور بت وغیرہ ہیں، (تفسیر معالم الغریب  
۲۸۸) حضرت امام اسماعیل حقی علیہ الرحمہ بھی لکھتے ہیں، ”یعنی الاصنام تعبدونہا  
للمحاورین عبادة الله، یہاں بت مراد ہیں جن کی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متجاوز  
کرتے ہوئے عبادت کرتے ہو، (روح البیان ۶/۶) اس آیت کریمہ کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں  
کرنا سراسر زیادتی ہے۔ کیا قرآن پاک نے انبیاء اور اولیاء کے خداداد کمالات بیان نہیں  
فرمائے، اللہ تعالیٰ کے دشمن اور مشرکوں کے باطل معبود کو کبھی نہیں بنا سکتے، کبھی سے کوئی چیز  
بہڑا نہیں سکتے لیکن اللہ تعالیٰ کے دوست اور مسلمانوں کے کامل محبوب مٹی کا پرندہ بنا کر  
ہو تک مارتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن و شیت سے محو پرواز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے  
محبوب مولا ہیں، ولی ہیں، مددگار ہیں، فنی کرنے والے ہیں، ظہیر ہیں، نصیر ہیں۔ انصار  
ہیں، ہاتھوں والے ہیں اور آنکھوں والے ہیں۔ ولیوں اور مجسموں میں فرق کرنا چاہئے ورنہ  
قرآن کی پونہ کار و روزخ میں ڈال دے گی۔ اللہم اجرنا من النار بحرمۃ سید الابرار،

﴿.....۵.....﴾

مثل الذین اتخذوا من دون الله اولیاء کمثل العنکبوت ۵  
اتخذت بیتاً وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت  
لو کانوا یعلمون ۵ ان لوگوں کی مثل جنھوں نے اللہ کے سوا  
اور ولی بنائے نکڑی کی طرح ہے، اس نے جالے کا گھر بنایا،



بے شک سب گھروں سے کمزور ترین گھر مکزی کا ہوتا ہے، اگر وہ لوگ جانتے، (الکعبوت: ۴۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، یہاں ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو پروردگار مان کر عبادت کی، آپ نے اتحدوا کا معنی ”عبدوا“ اور ”من دون اللہ اولیا“ کا معنی ”ارباباً من الاوثان“ کی صورت میں بیان کیا ہے۔ جس طرح مکزی کا گھر گرمی اور سردی سے نہیں بچا سکتا اس طرح یہ مجسمے اور بت اپنے عبادت گزاروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ (تفسیر ابن عباس ص ۲۳۸) حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ مشرکین جان لیتے کہ اوثان و اصنام کی عبادت مکزی کے گھر کی طرح بے فائدہ ہے تو ان کی عبادت نہ کرتے، (تفسیر قرطبی ۲/۲۲۹) حضرت امام بغوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، ای الاصنام یرجون نصرہا مراد بت ہیں جن سے وہ انداؤ کی امید رکھتے ہیں، (معالم التنزیل ۳/۴۶۸) حضرت امام اسماعیل حقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، المرابا لاولیاء الالہیۃ ای الاصنام یہاں ”اولیا“ سے مراد جھوٹے خدایا اصنام ہیں، (تفسیر روح البیان ۷/۴۷۰) حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، من دون اللہ اولیاء ای اصناماً یرجون نفعہا..... الاصنام لا تنفع عابدیہا، اللہ کے سوا اولیا سے مراد اصنام ہیں جن سے مشرکین نفع کی امید رکھتے ہیں، اصنام اپنے عبادت گزار کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے، (تفسیر جلالین ص ۳۳۸) اس آیت کریمہ کو انبیاء اور اولیا پر چسپاں کرنا کہاں کا انصاف ہے، مسلمان ”من دون اللہ اولیا“ کو نہیں مانتے، مسلمان ”من عند اللہ اولیا“ کو مانتے ہیں، جن کیلئے دنیا و آخرت میں بشارت ہے، جو زمین کے وارث ہیں، جو جنت کے بادشاہ ہیں، جن کو نہ دنیا کے حوادث کا خوف ہے نہ آخرت کے مہالک کا خدشہ ہے۔

اپنے محبت گزاروں کی امداد کرتے ہیں، جو دین خدا کے انصار ہیں، جو بندگان خدا کے مددگار ہیں، جو قاری نظر آتے ہیں، حقیقت میں قرآن ہیں، جو اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے انسان ہیں۔

خدا کے پاک بندے مظہر اخلاق باری ہیں  
زمانے بھر کی دولت ہے انہی کی خانقاہوں میں

﴿.....﴾

والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطعیر، بے شک تم لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو، وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری بات نہیں سنتے، اور اگر سن بھی لیں تو حاجت دور نہیں کر سکتے (سورۃ الفاطر: ۱۳، ۱۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ﴿والذین تدعون، تعبدون، من دونہ، من دون اللہ، ما یملکون، من قطعیر، لا یقلرون، ان یفعلوا من ذالک قدر قطعیر﴾ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم لوگ جن کی عبادت کرتے ہو، وہ کھجور کے دانے پر آنے والے چھلکے کے مالک نہیں، یعنی اتنا کام کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے (تفسیر ابن عباس ص ۲۷۰)

حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، یعنی ﴿الا صنام ما یملکون من قطعیر﴾ گویا ان سے مراد بت ہیں جو کھجور کے دانے پر آنے والے چھلکے کے بھی مالک نہیں (تفسیر قرطبی ۷/۲۱۴) حضرت امام خازن نے بھی لکھا ہے، مراد بت ہیں جو کھجور کے دانے پر آنے والے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر ان بتوں کو بلاؤ تو وہ آواز نہیں سنتے،



کیونکہ وہ محض پتھر ہیں، (تفسیر خازن ۵۳۲/۳) اس آیت کریمہ کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا کوئی قرآن نہیں ہے، اصنام اور اوثان تو کجگور کے دانے پر آنے والے چھلکے کے بھی مالک نہیں، لیکن انبیاء اور اولیاء دو جہان کے وارث اور مختار ہیں، بالخصوص اللہ تعالیٰ کا رسول اعظم و آخر۔ ﴿تو اس کی عنایتوں کا قاسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اس کا نام بھی بیان فرمایا ہے﴾ قل الانفال لله وللرسول ﴿فرمادے، تمہارے، تمہارے مالک اللہ اور اس کا رسول ہے۔﴾ (سورۃ انفال: ۱) ﴿سیفوتینا اللہ من فضله ورسولہ﴾ اب عطا کرتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (بھی عطا کرتا ہے، اپنے فضل سے) (سورۃ البقرہ: ۵۹) ﴿اذا قضی اللہ ورسولہ﴾ اور جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم نافذ کر دے، (سورۃ الاحزاب: ۳۶) اس طرح اور بھی بے شمار مثالیں ہیں، جن کو قرآن و حدیث میں تلاش کیا جاسکتا ہے، لیکن دیدہ بیدار کی ضرورت ہے۔ بتوں اور مجسموں کے پاس اور باطل معبودوں کے ہاں تو چھلکے جتنا بھی اختیار نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فرمایا ہے ﴿اعطیت الكنزین الاحمر والابيض﴾ مجھے سرخ و سفید خزانے عطا کیے گئے، (رواہ مسلم، مشکوٰۃ: ۵۱۲) اور فرمایا ہے ﴿او تبت مفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی﴾ زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے حضور پیش کی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں (رواہ البخاری و مسلم، مشکوٰۃ: ۵۱۲) اور فرمایا ہے ﴿فاعلموا انما الارض لله ولرسولہ﴾ جان لو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے (رواہ البخاری) اور فرمایا ہے، میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ مالک ہوں (رواہ البخاری) حضور اقدس ﷺ کے خلفائے راشدین کو بھی اللہ تعالیٰ نے کرامات و کمالات کے خزانے عطا فرمائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے رفعت کی برکت و جلالت سے دریائے نیل کا پانی رواں دواں ہو گیا، (تاریخ الخلفاء ص ۸۴) آپ کے کوڑے کی ہیبت سے زمین کا زلزلہ رک

گیا، (جامع کرامات اولیاء ص ۳۵۰) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رب تعالیٰ نے مجھے ایسی فراست عطا فرمائی ہے جس سے میں دلوں کے خیالات بھی جانتا ہوں، (بخاری ج ۱ ص ۸۶۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے سورج لوٹا دیا گیا، بتوں اور مجسموں کے پاس تو کچھ نہیں اور ان کے پجاریوں کے پاس بھی کچھ نہیں، اگر اللہ تعالیٰ کے بنائے خلفا کرام کے پاس بھی کچھ نہ ہو تو اللہ کو ماننے کا کیا فائدہ ہوگا۔

﴿.....﴾

وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً، اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی (کو خدا سمجھ کر) نہ پکارو، کسی کی عبادت نہ کرو، (سورۃ البجن: ۱۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، ﴿وان المساجد لله بنیت لہ کرا اللہ، فلا تدعوا فلا تعبدوا﴾ اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے بنائی گئی ہیں، لہذا اس کے ساتھ کسی کو نہ پکارو یعنی کسی کی عبادت نہ کرو، (تفسیر ابن عباس ص ۳۷۰) حضرت امام ابن جریر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت بھی کرتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے، ان کے اس رویے کا رد فرمایا گیا اور مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے بنائی جاتی ہیں وہاں کسی اور کی عبادت نہ کرنا، تمام مفسرین امت نے یہاں بھی ”فلا تدعوا“ کا معنی ”فلا تعبدوا“ کی صورت میں کیا ہے، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا اور خدا کا بیٹا سمجھ کر پکارنا مراد لیا ہے، اس کی تائید دیگر آیات سے بھی ہوتی ہے، فرمایا فلا تدع مع الله احداً الخ پس تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کی



عبادت نہ کرنا (سورۃ اشعر: ۲۳) اور فرمایا: **وَمَنْ يَدْعُ مَعَ إِلَهِهَا آخَرَ**، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کی عبادت کرے، (سورۃ المؤمنون: ۱۷) معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنا یا کسی اور کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے اور مسلمان اس شرک سے ہر طرح محفوظ ہیں، کیونکہ وہ انبیاء اور اولیاء کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں خدا سمجھ کر پکارتے ہیں، وہ تو ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کو نصرت خداوندی کا وسیلہ اور مظہر سمجھ کر پکارتے ہیں۔ ان دونوں باتوں پر بے شمار دلائل ہیں۔ غیر مقلدین کے امام مولانا نواب وحید الزمان صاحب نے بھی اس پر کافی دلائل دیئے ہیں اور جمہور اہل اسلام کے عقیدے کی توثیق و تصدیق کی ہے۔ ان کے نزدیک دعا کا شرعی معنی عبادت ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں جبکہ دعا کا لغوی معنی ندا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ زندہ کیلئے بھی اور فوت شدہ کیلئے بھی جائز ہے، جیسا کہ تابعین صحابی نے کہا یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہوں، ایک حدیث میں ہے **يَا عِبَادَ اللَّهِ اعِينُونِي** یعنی اے اللہ کے بند میری مدد کرو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے **وَا مُحَمَّدًا** کے الفاظ میں خدا کی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ان کو پکارا، یا عمر، یا عمر، یا عمر، (ہدیۃ المحدثین ص ۲۳) ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کے مزار پر حاضر ہو کر کہیں گے ”یا محمد“ اور حضور اقدس ﷺ

۱۔ حضرت شیخ ابن ہادی کتاب عقیدۃ المسلم میں ایک حدیث کا ترجمہ لقمان سلفی نے یوں کیا ہے، جس کی موت اس حالت میں آئی کہ وہ کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کا مقابل سمجھ کر پکارتا تھا وہ دوزخ میں داخل ہوگا، اس ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سلفیوں کے نزدیک بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقابل سمجھ کر پکارنے سے شرک ہوتا ہے، کسی کو اللہ تعالیٰ کا رب مزیہ سمجھ کر اور اسے منائے الہی کا ذریعہ سمجھ کر پکارنے سے شرک نہیں ہوتا۔ لہذا اس قسم کی کتابیں دھڑا دھڑا خارج کرنے کی سعی نامشکور سے نفرتوں کی فلیج زیادہ ہوگی۔

جواب دیں گے، حضرت شیخ ابن باز اور ان کی ذریت بھی مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر یا رسول اللہ کہنے کی قائل ہے، تو کیا وہ مسجد نبوی شریف میں حضور اقدس ﷺ کو خدا سمجھ کر پکارتے ہیں، یا خدا کے ساتھ آپ کی عبادت کرتے ہیں، اس آیت کریمہ کو انبیاء اور اولیاء کا ذکر بند کرنے کے لئے استعمال کرنا قرآن پاک کے ساتھ کھلی ”دہشت گردی“ ہے، یہ آیت کریمہ تو یہودیوں اور نصرانیوں کے عقیدے کا پول کھولنے کیلئے نازل ہوئی ہے، اسے خواہ مخواہ مسلمانوں پر چسپاں کرنا کوئی قابل تحسین عمل نہیں۔

﴿.....۸.....﴾

**وَمَنْ اضِلَّ مَعْنً يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ**  
و کسا نوا بعباد تہم کافرین یعنی اس انسان سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کی عبادت کرے (یا ایسوں کو خدا سمجھ کر پکارتے) جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور وہ ایسے لوگوں کی عبادت سے غافل ہیں اور جب محشر برپا ہوگا تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے انکاری ہوئی گے (سورۃ الاحقاف: ۶۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی ”یدعوا“ کا معنی ”بعید“ بیان کرتے ہیں، اس معنی کی تائید **كَلَّا نُوا بَعَادَتَهُمْ** سے بھی ہو رہی ہے۔ آپ کے نزدیک جن کی وہ مشرک عبادت کرتے ہیں، سے مراد اصنام اور اوثان ہیں، اور وہ ان کی عبادت سے قطعی بے خبر ہیں، قیامت کے دن وہ اپنے عبادت گزاروں کی عبادت کا انکار کریں گے (تفسیر ابن عباس ص ۲۱۲) حضرت امام ابن جریر علیہ الرحمہ بھی لکھتے ہیں، کہ اصنام ان کی قیامت تک نہیں سنیں گے کیونکہ وہ پتھر اور لکڑی کے بنائے گئے ہیں، (تفسیر ابن جریر ۳/۱۳) حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں وہی الاوثان وہم عن دعاء ہم



خافلون یعنی لا یسمعون ولا یفقهون، وہ معبود (پتھر اور لکڑی کے) مجسمے ہیں جو اپنے عبادت گزاروں کی دعا و عبادت سے غافل ہیں، یعنی نہ ان کی سنتے ہیں اور نہ ادراک رکھتے ہیں (تفسیر قرطبی ۱۲/۸) حضرت امام بغوی علیہ الرحمہ بھی فرماتے ہیں، بمعنی الاصنام لا تحیب عا بدیہا..... لانہا جماد لا تسمع ولا تفہم مراد بت ہیں جو اپنے عبادت گزاروں کو جواب نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ پتھر ہیں، نہ سنتے ہیں، اور نہ سمجھتے ہیں، (تفسیر معالم التنزیل ۱۲/۳) حضرت امام رازی علیہ الرحمہ بھی فرماتے ہیں، انہا جمادات فلا تسمع دعاء الداعین، وہ پتھر ہیں، اپنے پکارنے والوں اور عبادت کرنے والوں کی ہرگز نہیں سن سکتے (تفسیر کبیر ۵/۸) باقی مفسرین امت نے بھی یہی معانی اور معارف بیان کئے ہیں، اس آیت مبارکہ کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا کتنا بڑا ظلم ہے، ایک تو کوئی مسلمان ان کی عبادت نہیں کرتا، ان کو رحمت خداوندی اور نصرت ایزدی کا وسیلہ سمجھ کر پکارتا ہے، دوسرا اصنام اور اوٹان کسی کی آواز کو نہیں سنتے، لیکن انبیاء اور اولیاء نور کبریائی سے سماعت فرماتے ہیں، خدا تعالیٰ نے عام انسان کے بارے میں فرمایا، وجعلناہ سمیعاً بصیراً، ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا ہے، اور اعلیٰ انسانوں کا کیا مقام ہوگا، صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں مروی ہے، غزوہ بدر کے موقع پر کفار عرب کے سرداروں کو واصل ناکر کر کے جب بدر کے کنوئیں میں پھینکا گیا تو پیغمبر برحق ﷺ نے ان کا نام لے کر ان کو پکارا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد الارواح فیہا حضور آپ بے روح جسموں سے کلام فرما رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، والذی نفس محمد یدہ ما انتم یا سمع لما اقول منهم، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ محمد مصطفیٰ کی جان ہے، تم میری گفتگو کو ان سے زیادہ نہیں سنتے، اگر عرب کے کفار مرنے کے بعد آواز کو سن رہے ہیں تو خدا کے یا رب کیوں نہیں سن سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے،

”آگ پر چلنا یا تلوار پر چلنا یا آگ کے جوتے پہننا مجھے مسلمان کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے، مجھے قبروں کے اور بازار کے درمیان رفع حاجت کرنے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا“ (ابن ماجہ ۱۱۳) معلوم ہوا، جس طرح بازاروں میں رفع حاجت کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ لوگ کیا کہیں گے اسی طرح قبروں کے پاس اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ قبر والے بھی دیکھتے اور سنتے ہیں، اگر عام قبر والوں کا یہ حال ہے تو انبیاء اور اولیاء کا کیا حال ہو گا، غیر مقلدین کے امام حافظ ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں کہ تمام اہل اسلام کا اس عقیدے پر اجماع ہے اور ان کے متواتر آثار سے ثابت ہے کہ قبر والا زندہ لوگوں کی زیارت کا علم رکھتا ہے اور زیارت سے خوش ہوتا ہے، (کتاب الروح ص ۵) گویا اس آیت مبارکہ کو بھی بزرگان دین، انبیاء اور صالحین پر عائد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس میں قیامت تک نہ سننے والوں یعنی بتوں اور مجسموں کا ذکر ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس کی عنایتوں سے خوب سنتے ہیں، راقم السطور نے عرض کیا ہے۔

مرکز مہر وفا ہیں انبیاء اور اولیاء  
نور حق سے پر ضیا ہیں انبیاء اور اولیاء  
کون کہتا ہے کہ وہ معبود اور مسبود ہیں  
مظہر شان خدا ہیں انبیاء اور اولیاء  
یہ مسلمان کا عقیدہ ہے خدا کے فضل سے  
بیکسوں کا آسرا ہیں انبیاء اور اولیاء  
ان کے کانوں اور آنکھوں میں خدا کا نور ہے  
قادر قدرت نما ہیں انبیاء اور اولیاء



ان کو معبود ان باطل سے ملانا ہے فضول  
 بندگان کبریا ہیں انبیا اور اولیا  
 رب مددگار حقیقی یہ مددگار مجاز  
 حاکم کل بالعطا ہیں انبیا اور اولیا  
 وہ خلافت کے مقام اوج پر فائز ہوئے  
 راز کن سے آشنا ہیں انبیا اور اولیا  
 ان کے خالق نے انہیں وارث بنایا دہر کا  
 مالک ہر دوسرا ہیں انبیا اور اولیا  
 ان کے دربار محبت کا غلام زار ہوں  
 رحمت مولا کی جاہیں انبیا اور اولیا  
 ☆.....☆.....☆

## باب سوئم





یہ رسالہ بھی حضرت شیخ ابن باز نجدی نے توحید کے اثبات اور علمبرداران توحید کی تردید میں رقم کیا ہے، انہوں نے بہت سی آیات مبارکہ کی روشنی میں بتایا ہے کہ انبیاء کرام کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کا فروغ تھا، وہ اسی مقصد کیلئے سرگرم رہے اور اسی نصب العین کیلئے انہوں نے دنیا جہان کی مصیبتوں کا سامنا کیا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا، اے قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، (سورۃ المؤمن: ۲۳)

..... رسول اقدس ﷺ نے فرمایا، لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لو، کامیاب ہو جاؤ گے، تو کہنے لگے، کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا، یہ بڑے تعجب کی بات ہے، (سورۃ ص: ۵)

..... ارشاد باری تعالیٰ ہے، یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں، تو اکڑتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے، (سورۃ الصافات: ۳۶، ۳۵)

..... فرمایا، اور آپ کا رب حکم کر چکا کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی پوجا نہ کرو، (سورۃ الاسراء: ۲۳)

..... فرمایا، یہ اس واسطے کہ اللہ ہی صحیح ہے اور جس کو اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ غلط ہے، (سورۃ الحج: ۶۴)

..... فرمایا، اے لوگو، بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور تم سے پہلے والوں کو تاکہ تم پر ہیزار بن جاؤ (سورۃ البقرہ: ۲۱)

..... فرمایا، ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں (سورۃ الفاتحہ: ۵)

..... فرمایا، لوگو، اللہ کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، (سورۃ النساء: ۳۶)

..... فرمایا، اور ان کو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ خالص اسی کی بندگی کریں، (سورۃ البینہ: ۵)

..... پکارو اللہ کو اسی کیلئے بندگی کو خالص کر کے گرچہ منکرین برائیاں، (سورۃ الفاطر: ۱۳)

..... بندگی کیجئے اللہ کی اسی کیلئے بندگی کو خالص کر کے، سنئے اللہ ہی کیلئے بندگی ہے (سورۃ الزمر: ۲)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے، جس کو ہر مرد مومن اور ہر فرد مسلم دل و جان سے تسلیم کرتا ہے۔ اللہ وحدہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے



لائی نہیں، یہی لا الہ الا اللہ کا مفہوم اور اس کی تفسیر ہے۔ آگے حضرت شیخ ابن باز نے اپنی فطرت ثانیہ سے مجبور ہو کر ایک بار پھر محبوبانِ خدا پر حملہ آور ہونے کی مذموم کوشش کی ہے اور گویا خود خدائے قہار کو جنگ کیلئے للکارا ہے۔ لکھتے ہیں،

”لیکن جو بات عیاں ہے، وہ یہ ہے کہ غیر اللہ پوجے جا رہے ہیں، ہر طرف اللہ کے علاوہ بتوں، مورتیوں، فرعونوں، فرشتوں، رسولوں اور نیک لوگوں کی پرستش کی جا رہی ہے، یہ تمام کا تمام جو کچھ بھی ہو رہا ہے، سراسر غلط ہے اور صحیح عقیدہ کے خلاف ہے، صحیح معبود تو صرف ایک اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات ہے (عبدہ، اسلم سرے)۔“

حضرت شیخ کو کیا ہو گیا ہے، وہ بار بار بتوں، مورتیوں، فرعونوں، کیساتھ فرشتوں، رسولوں اور نیک لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں، گویا ان کے نزدیک اندھوں اور بیناؤں، اندھیروں اور اجالوں، فرعونوں اور رسولوں، باطل معبودوں اور اعظم محبوبوں کے درمیان کوئی فرق نہیں، اور نہ ہی مشرکوں، کافروں اور مومنوں مسلمانوں کے درمیان کوئی امتیاز ہے۔ واقعی جب کسی کے دیدوں کا پانی ڈھل جائے تو وہ ایسے ہی انہوں نے فیصلے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ امت محمدیہ شرک و کفر سے بیزار ہے، حضرت شیخ کو قرآنی آیات کا شعور نہیں، اس لئے وہ اپنی عقلِ نارسا کو امام بنا کر سوچ رہے ہیں، بلکہ ایک عالمگیر صداقت کا انکار کر کے واویلہ کر رہے ہیں، کہ ”ہر طرف غیر اللہ کی پرستش کی جا رہی ہے“ حضرت شیخ کے اس ”انکشاف“ پر جتنا بھی اظہارِ غم کیا جائے کم ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے

کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

ہمیں بتوں، مورتیوں اور فرعونوں سے کوئی سروکار نہیں، وہ کافروں کا مسئلہ ہے،

الہیہ فرشتوں، رسولوں اور نیک لوگوں کی عالم اسلام میں کہیں بھی عبادت نہیں ہوتی، مسلمان ان کو خدا تعالیٰ کی جماعت سمجھتے ہیں اور ان کی ذوات و صفات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں، اس کام کا حکم بھی ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس کے پیغمبروں نے دیا ہے۔ اگر محبوبانِ خدا کا وسیلہ پکڑنا حرام اور شرک ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام ہمارے نبی اعظم و آخر ﷺ کا کبھی وسیلہ اختیار نہ کرتے۔ حضرت امام حاکم نے مستدرک میں، حضرت امام بیہقی نے دلائل النبوة میں، حضرت امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں، حضرت امام زرقانی نے شرح المواہب میں، حضرت امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں، حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ نے شفاء السقام صحیح سند کے ساتھ حدیث رقم فرمائی ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، اے اللہ میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے مغفرت عطا کر دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تو نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو کیسے پہچانا، عرض کی، اے اللہ جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے جسم میں اپنی روح پھونکی تو میں نے عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام مبارک کے ساتھ جس ذات مقدسہ کا نام لکھا ہے وہ تجھے بہت محبوب ہے، فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد مصطفیٰ ﷺ مجھے سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہے، تو مجھے اس کے وسیلہ جلیلہ سے پکارے گا تو میں تجھے مغفرت عطا کر دوں گا، اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا، شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح درجہ میں شمار کیا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۵۱/۲) امام حاکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ (المصحح رک ۲/۲۱۵) ارشاد باری ہے، فتلقى ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ هو التواب الرحیم، یعنی پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی، بے شک وہی بہت توبہ قبول



کرنے والا نہایت رحم والا ہے، (سورۃ البقرہ: ۳۷) اس آیت مقدسہ کی تفسیر میں بھی مفسرین نے مذکورہ صدر روایت بیان کی ہے (تفسیر عزیزی ۱/۱۱۶) گویا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کو قبول کرنا چاہا، انہیں وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ بتا دیا اور انہیں یہ الفاظ سکھا دیئے، اسلک بحق محمد ان غفرت لی، میں تجھ سے محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگتا ہوں، کہ مجھے مغفرت عطا کر دے، اب آدم علیہ السلام کا فرزند وہی ہے جو آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر محبوب اعظم ﷺ کا وسیلہ جلیلہ اختیار کرے گا، حضرت امام حاکم علیہ الرحمہ نے ایک اور حدیث مبارک نقل فرمائی ہے، جس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاؤ اور جو تمہاری امت میں ان کا زمانہ پائے اس کو ان پر ایمان لانے کا حکم دو، کیونکہ اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا، اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو بٹنے لگا، پھر میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ساکن ہو گیا، هذا حدیث، صحیح الاسناد، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اگرچہ اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا، (المصدر ۲/۶۱۵) حضرت امام ربیع نے شفا السقام میں اور حضرت امام بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصحیح فرمائی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حکما مرفوع ہے، (زرقاتی علی المواہب ۱/۴۲) یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم، مطلوب اعظم ﷺ کے صدقے بزم کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔

ہونہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو

چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو غم بھی نہ ہو

بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اب جو انسان بھی اس جان موجودات، مقصد حیات و نجات، وجہ تخلیق کائنات ﷺ کا وسیلہ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے التجا کرے گا، رحمت خداوندی جوش میں آجائے گی اور سائل کا کام بن جائے گا قرآن مجید میں ارشاد باری ہے سو کائنات من قبل یستفتحون علی الذین کفرا فلما جاءہم ما عرفوا کفرو بہ فلعنة اللہ علی الکافرین یعنی وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے، اللہ کی لعنت ہوا انکار کرنے والوں پر (سورۃ البقرہ: ۸۹)

حضرت امام قرطبی نے تفسیر القرطبی میں، حضرت امام آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں، حضرت امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں تصریح فرمائی ہے کہ حضور اقدس کی جلوہ فرمائی سے پہلے یہودیوں کا شعار تھا کہ وہ آپ کے وسیلہ جلیلہ سے کفار و مشرکین کے خلاف فتح کی دعا مانگتے تھے۔ اللہم اناسلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعہ فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فی نصرون، اے اللہ تعالیٰ! ہم تجھے تیرے اس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے، آج ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح عطا کر، تو اللہ حضور اقدس ﷺ کے صدقے ان کو فتح عطا فرماتا۔ اب قرآن کریم اعلان فرما رہا ہے، اے ظالمو! یہودیو! تم جس محبوب اعظم ﷺ کے وسیلے سے کامیاب ہوتے رہے، آج اس کے وجود مسعود کی برکتوں سے انکار کر بیٹھے ہو، تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی رہے گی، یہاں ہم یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اگر ظہور مصطفیٰ ﷺ سے







غضب سے ڈر کر اور تیری رضا کی طلب کیلئے نکلا ہوں، پس میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے اپنی پناہ میں رکھنا، اور میرے گناہوں کو معاف کر دینا، بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا، جو آدمی یہ التجا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ فرمائے گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعا کریں گے (سنن ابن ماجہ ص ۵۶، مسند احمد ۲/۳۱)

حضرت شیخ ابن باز کے امام شیخ ابی تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے، قاضی شوکانی لکھتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سالکین کے حق سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا مسترد نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا، (تحفۃ الذاکرین ص ۶۹، شرح مسلم سعیدی ۷/۵۸) ثابت ہوا کہ سالکین کے وسیلے سے دعا مانگنے کا طریقہ خود شارع اسلام ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے اور وہ صحیح حدیث جس میں ناہینا صحابی کو اپنے وسیلے سے دعا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، بھی اس امر کی دلیل مبین ہے، ان احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہوتے ہیں یا شرک و کفر کا ارتکاب کرتے ہیں، کیا کوئی بد نصیب یہ فتویٰ صادر کر سکتا ہے کہ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی امت کو رسولوں اور نیک لوگوں کی عبادت کرنا حکم دیا ہے۔ محبوبان خدا کا وسیلہ اختیار کرنا ان کی عبادت نہیں بلکہ دعاؤں کیلئے سند اجابت ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک صحابی روزہ توڑ بیٹھا، وہ سیدھا حضور وسیلہ عظمیٰ ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور فریاد کی، یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اس کو ہلاکت سے کیسے بچایا، یہ بھی ایک ایمان افروز داستان ہے، فرمایا کھجوروں کا ٹوکرا لے جاؤ، خود کھا لو اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو، کفارہ پورا ہو جائے گا، اسی طرح ایک راجہ نے مکہ شریف سے حضور فریاد رس ﷺ کو مشکل کے وقت پکارا، آپ نے مدینہ منورہ میں اس کی آواز سن کر فرمایا، حاضر ہوں، حاضر ہوں،

حاضر ہوں، تیری امداد کر دی گئی، تیری امداد کر دی گئی، تیری امداد کر دی گئی، (طبرانی معجم ص ۲۰۱) خواہب لدیہ ذرقانی علی المواب ۲/۲۹۰، مدارج بدو ۲۳/۲۸۲) کیا یہ پکارنے والے مسلمان سرِ پا شرک تھے یا سرِ پا ایمان تھے، یہ فیصلے کرنا ابھی حضرت شیخ ابن باز اور ان کی ذریت کے ذمے قرض ہے۔ حضرت امام محمد بن حذری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ویسوسل الی اللہ ہا نبیاء و الصالحین، آداب دعا میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ سائل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیا اور اولیا کا وسیلہ پیش کرے، حضرت امام القاری علیہ الرحمہ شرح میں فرماتے ہیں،

”مصنف فاضل نے جو فرمایا کہ دعا میں انبیا اور اولیا کا وسیلہ پیش کرنا مستحب ہے (اس کی دلیل یہ ہے) بخاری شریف کتاب الاستسقاء میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، پہلے ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے تو اے اللہ تو ہم کو بارش عطا فرماتا تھا، اب ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما، پھر ان پر بارش ہو جاتی، اور جیسا کہ ناہینا کی حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے وسیلے دعا کا ذکر ہے، جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے، اور ہم نے اس کو حسن میں بیان کیا ہے، وسیلے سے دعا مانگنے کا ثبوت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی موجود ہے (کہ اے اللہ میں تجھ سے تیری ذات کے اس نور کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس سے زمین و آسمان روشن ہیں، اور تیرے ہر حق کے وسیلے سے اور جو سالکین کا تجھ پر حق ہے،



اس کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں) اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم

کبیر اور کتاب الدعاء میں بیان کیا ہے، (المحرر العثمین ص ۱۷۶)

حضرت شیخ ابن تیمیہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ سائل جب اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق سے، فرشتوں نبیوں اور ولیوں کے حق سے سوال کرتا ہوں، یا فلاں کی حرمت اور وجاہت کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں، اس دعا کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو، اور یہ دعا بالکل صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی حرمت اور وجاہت قائم ہے، اور اس کا تقاضا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرے، اور ان کی قدر اور بڑھائے، اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے (قادی ابن تیمیہ ۱/۲۱۱) گویا اصنام اور اوجان اجازت یافتہ نہیں، لہذا ان کی عبادت کرنا یا ان سے شفاعت چاہنا سراسر محرومی کی دلیل ہے، جبکہ انبیاء اور اولیاء اجازت یافتہ ہیں، اس لئے ان کی شفاعت حاصل کرنا، ان کا وسیلہ اختیار کرنا اور ان کی بارگاہوں میں جانا عین اسلام ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ اس عالم اسباب میں کونسی چیز ہے جو وسیلے کے بغیر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید بھی حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے ملا، تو حید کا عرفان بھی حضور انور ﷺ کے وسیلے سے ملا، جب اللہ وحدہ ہمیں ہر چیز حضور ﷺ کے وسیلے سے عطا فرما رہا ہے تو ہم ان کے وسیلے سے منحرف ہو کر کیوں بیٹھ جائیں۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

لا الہ الا اللہ کا مفہوم بیان کرنے والے اگر محمد رسول اللہ کا انکار کریں گے تو

ان کو لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، حیرت ہے جس کے وسیلے اور صدقے سے لا الہ الا اللہ کا عرفان نصیب ہوا، اسی محبوب سے لوگوں کو دور کیا جا رہا ہے، اگر انبیاء کرام اتنے غیر اہم ہوتے تو ان پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا، فرمایا، ”ساری اچھائی مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں، بلکہ واقعی اچھا شخص وہ ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو“۔ (سورۃ البقرہ: ۱۷۷)

اس حقیقت کا اعتراف حضرت شیخ ابن باز نجدی نے بھی کیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا ہے،

”جتنی بھی مخلوقات ہیں، ان میں سے کوئی بھی نفع و نقصان کی مالک نہیں ہیں، بلکہ سارے ایک اللہ کے بندے اور غلام ہیں، تو بھلا یہ عبادت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟“ (عقیدۃ المسلم)

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کی بندگی اور غلامی کی سزاوار ہیں، اور عبادت کے ہرگز لائق نہیں، کوئی مسلمان کسی مخلوق کو بھی عبادت کے لائق نہیں سمجھتا، باقی رہا نفع و نقصان کا مالک ہونا تو اس میں ذاتی اور عطائی کا فرق ہے، یعنی مخلوقات ذاتی طور پر نفع و نقصان کی مالک نہیں، اللہ تعالیٰ کے بنانے سے نفع و نقصان کی مالک ہیں، حضرت شیخ ابن باز کا مطلقاً انکار کرنا بہت سی نصوص اور دلائل کو ٹھکرا دینے کے مترادف ہے۔ دیکھئے حجر اسود ایک پتھر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا مقبول پتھر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی نفع و نقصان کا مالک بنایا، حدیث مبارک ہے، بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود کو اس شان سے اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن سے وہ دیکھتا ہوگا، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ کلام کرتا ہوگا، ویشہد لمن استلمہ بحق اور ہر



چو منے والے استلام کرنے والے کی گواہی دیتا ہوگا، (صحیح ترمذی ۱۸۰/۱، سنن ابن ماجہ کتاب المناکب، مسند احمد ۲۳۶/۲، سنن دارمی ۳۲/۲، بل اللہ فی ۱/۱۷۷)

جس پتھر کو محبوبان خدا نے بوسا دیا، اس کے عطائی علم کا یہ عالم ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اربوں کھربوں انسانوں کو جانتا ہوگا، ان کے حق میں شہادت دے گا اور ان کی شفاعت کر کے نفع پہنچائے گا، تو محبوبان خدا پھر خود محبوب اعظم ﷺ کے عطائی علم اور عطائی کمال اور شفاعت بالوجاہت اور شہادت بالکرامت کا کیا عالم ہوگا، وہ حجر اسود اپنے چومنے والوں اور دور سے استلام کرنے والوں کو جانتا ہے، دیکھتا ہے، ان کے اندر کے جذبہ خلوص سے آشنا ہے، تو یہ محبوب اقدس اپنے درود پڑھنے، سلام بھیجنے والوں کو کیوں نہیں جانتے، کیوں نہیں دیکھتے اور کیوں نہیں پرکھتے، جس خدا تعالیٰ نے پتھر کو یہ کمال دیا ہے، کیا وہ اپنی ذات و صفات کے مظہر کو کوئی کمال نہیں دے سکتا۔

نور محبوب خدا کے منکرو یہ دیکھ لو

کس کی برکت سے بنے پتھر بھی چشمہ نور کا

اگر اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بھی کوئی نفع نہیں دے سکتا، اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تو یہ سلسلہ روزگار کیا ہے، دنیا اور آخرت کی سب جزائیں اور سزائیں کیا ہیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی نافع نہیں اور ضار نہیں، جیسا کہ نمرود اور فرعون نہ کسی کو نفع پہنچا سکے اور نہ کسی کو نقصان پہنچا سکے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے انبیاء اور اولیاء اپنے اطاعت گزاروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور نفرت شعاروں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

..... کیا حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ نے تخت بلقیس

لا کر نفع نہیں پہنچایا (القرآن)

..... کیا حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے اپنے دست مسیحائی سے نفع نہیں دیا (القرآن)

..... کیا حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نفع نہیں پہنچایا (القرآن)

..... کیا قوم نے حضرت ذوالقرنین کی امداد کر کے نفع نہیں پہنچایا (القرآن)

..... کیا عصائے موسیٰ نے قوم موسیٰ کو نفع نہیں دیا (القرآن)

..... کیا قمیض یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو نفع نہیں پہنچایا (القرآن)

..... کیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک کی مخلوق

خدا کو نفع نہیں پہنچایا، سب سے بڑا نفع تو توحید ہے، یہ کس نے

بتائی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے، آپ ضرور سیدھے راستے کی ہدایت

دیتے ہیں۔ آپ کی ذات تو بڑی بلند ہے، کیا آپ کے لعاب

دہن نے صحابہ کرام کو نفع نہیں پہنچایا، آپ کے بول مقدس نے

بیماریاں دور نہیں کیں، یہ سب منافع اور اثرات اللہ تعالیٰ کی رحمت

و عنایت سے رونما ہوئے، لہذا اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے انبیاء

اور اولیاء کو نافع تسلیم کرنا کوئی شرک نہیں، بلکہ عام لوگ بھی نفع دیتے

ہیں، فرمایا تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم کیا جانو کہ ان میں

کون تمہارے زیادہ قریب ہے، نفع میں (القرآن) حدیث پاک

ہے جو کسی کو نقصان پہنچائے، اللہ اسے نقصان پہنچائے گا، جو کسی کو



مشقت میں ڈالے گا، اللہ اس کو مشقت میں ڈالے گا، (ترمذی ۲۸۷۱) فرمایا جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو وہ ضرور نفع پہنچائے (مسلم ۲۳۷۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا، حجر اسود بھی نفع اور نقصان پہنچاتا ہے۔ (المسند رک ۴۵۷) جب شیخ نجدی نے کہا تھا کہ میرا عصا محمد مصطفیٰ ﷺ سے زیادہ نفع پہنچا سکتا ہے، تو شرک تو اس نے بھی کر دیا، کیونکہ اس نے عصا کو ”نفع“ تسلیم کیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آل سعود کو شیخ نجدی سے کوئی نفع نہیں پہنچا، کیا اہل عرب کو شیخ ابن باز سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اس کا جواب ذرا ان نجدی رہنماؤں کی سوانح میں تلاش کیا جائے،

حضرت شیخ ابن باز نجدی اس مقالے ”لا الہ الا اللہ کا مفہوم“ میں رقمطراز ہیں،  
 ”اسی طرح لا الہ الا اللہ کا کہنے والا اگر ہدوی، حسین، ابن علوان، عیدروس، آخری نبی محمد ﷺ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، یا شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہم کا پجاری ہو، انکو پکارنے والا، ان سے مدد چاہنے والا، ان کیلئے منتیں ماننے والا اور ان کے سامنے دست سوال دراز کرنے والا ہو تو ایسے شخص کیلئے یہ لا الہ الا اللہ نافع نہیں ہے، اور وہ ان اعمال کی وجہ سے کافر گمراہ، اس کلمہ کی خلاف ورزی کرنے والا اور اس کا انکار کرنے والا ہے۔“ (عتیق الاسلام ص ۹۸)

دیکھا، حضرت شیخ ساری امت محمدیہ کو کس طرح کافر اور گمراہ اور لا الہ الا اللہ کی منکر قرار دے رہے ہیں، حالانکہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ساری امت محمدیہ ان بزرگان دین کی ہرگز ہرگز پجاری نہیں، اللہ رب العالمین کی پجاری ہے، انہوں نے اہل اللہ کو پکارنے، ان سے

مدد چاہنے، ان کی منتیں ماننے اور ان کے سامنے دست سوال دراز کرنے کو ”پوجا“ تصور کیا ہے، اہل اللہ کو اللہ سمجھ کر، اللہ کے برابر سمجھ کر اللہ کی طرح واجب الوجود، خالق و مالک، رازق اور ”معبود“ سمجھ کر پکارنا، ان سے مدد چاہنا، ان کے سامنے دست سوال دراز کرنا شرک ہے، کفر ہے، گمراہی ہے، ہمارا چیلنج ہے کہ ہمارے کسی مستند عالم اور محقق عارف کے کلام سے اور ہمارے عقائد کی کتابوں سے کوئی حوالہ پیش کیا جائے جس میں اہل اللہ کو مذکورہ تصور کے ساتھ مانا گیا ہو، تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، لہذا ڈرو ووزخ کی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو رازق اور خالق مان کر بھی اعنام اور اوثان کو اس کی خالقیت و رازقیت میں برابر کا حصہ دار سمجھتے تھے اور اس خیال سے ان کی عبادت بھی کرتے تھے، جیسا کہ خود قرآن مقدس گواہی دیتا ہے، جب ان کو لا الہ الا اللہ کی طرف بلایا گیا تو وہ کہنے لگے۔

﴿..... اجعل الالهة الہا واحداً ان هذا لشی عجاب، کیا اس پیغمبر نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا، یہ بڑے تعجب کی بات ہے،﴾ (سورہ ص: ۵)

﴿..... انہم کما نوا اذا قیل لہم لا الہ الا اللہ یستکبرون، یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکڑتے تھے، اور کہتے تھے کہ کیا ہم دیوانہ شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے،﴾ (سورہ الصافات: ۳۵، ۳۶)

﴿..... تم فرماؤ! بھلا بتاؤ تو وہ اپنے شریک جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین میں کونسا حصہ بنا لیا ہے، یا آسمانوں میں ان کا کچھ سا جہا ہے،﴾ (سورہ الفاطر: ۴۰)

﴿..... تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں یہ ہمارے شریکوں



کا ہے، وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لئے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے، (سورۃ الانعام: ۱۳۶)

ان آیات قدسیہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مشرکین عرب اپنے اصنام اور اوجان کو اللہ تعالیٰ کا حصہ دار سمجھتے تھے، ان کے کئی معبود تھے، اسی لئے تو ان کو معبود واحد کی طرف بلا یا گیا تھا، اگرچہ بعض اوقات تنگی و تنگی کی حالت میں زبانی دعویٰ کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق و رازق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس زبانی دعویٰ کے باوجود بتوں اور مجسموں کی عبادت کرتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے، اور اللہ تعالیٰ سے تکبر کرتے تھے، مسلمانوں کا حضرت امیر بدوی، حضرت حسین، حضرت ابن علوان، حضرت عیدروس، حضرت ابن عباس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بلکہ ان سب کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں، مسلمان تنگی و تنگی اور خوشحالی و فارغ البالی میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، دریاؤں، سمندروں اور ہواؤں میں سفر کے دوران بھی اسی معبود یکتا کی کبریائی کا اعتراف کرتے ہیں، اگر کہیں مشکل میں گرفتار ہو جائیں تو ان محبوبان خدا کے وسیلے سے اسی کی امداد کے طلبگار ہوتے ہیں، کیونکہ مسلمان جب یا رسول اللہ ﷺ، یا عبدالقادر جیلانی، کہتے ہیں تو ان کے عقیدے میں یہ بات شامل ہے کہ رسول اللہ اور عبدالقادر جیلانی، اللہ نہیں، اللہ کے برابر نہیں، اللہ کے حصے دار نہیں بلکہ وہ رسول اللہ ہیں، عبدالقادر ہیں، ہمارا مشورہ ہے کہ اپنی بدگمانی کو چھوڑ کر عالم اسلام پر مہربانی کی جائے اور لا الہ الا اللہ کا وہ خود ساختہ مفہوم نہ بتایا جائے جس سے ڈیڑھ ارب مسلمان، مشرکوں کی صف میں دکھائی دیئے لگیں۔



### باب چہارم

## نواقض اسلام



”مردوں سے فریاد و مدد طلب کرنا، انہیں پکارنا، ان کیلئے نذر و نیاز اور ذبیحہ پیش کرنا بھی شرک فی الاحیاء میں داخل ہے، غیر اللہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ و ذریعہ سمجھ کر پکارنے والا اس کی شفاعت طلب کرنے والا، اور اس پر توکل و بھروسہ کرنے والا بالاتفاق کافر ہے“ (عقیدہ المسلم ص ۱۶)

مسلمان انبیاء اور اولیاء کو وسیلہ مان کر ان سے مدد طلب کرتے ہیں، ان کی شفاعت مانگتے ہیں، ان کی شفاعت پر بھروسہ ہے، تو اس لئے کہ وہ ان کو مزارات میں زندہ مانتے ہیں، انبیاء اور اولیاء کو ”مردہ“ سمجھنا اور جمادات میں شامل کرنا نجدیوں کا عقیدہ ہے، صحابہ کرام سے لے کر آج تک عام مسلمانوں کا نہیں، لہذا وہ زندوں سے فریاد کرتے ہیں، زندوں سے مدد طلب کرتے ہیں، زندوں کی شفاعت پر بھروسہ رکھتے ہیں، زندوں کو وسیلہ مان کر پکارتے ہیں، ان تمام عقائد پر ہم تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں، نذر و نیاز اور ذبیحہ کا بھی الزام ہے، ہم نذر و نیاز اور ذبیحہ سے مراد ایصال ثواب لیتے ہیں، یعنی ہمارے نزدیک اس کا معنی عرفی ہے، گویا شرعی نذر و نیاز اور ذبیحہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اس کا ثواب اپنے بزرگوں اور گھنگار بھائیوں کو پہنچانا جائز ہے، اس پر بے شمار دلائل ہیں جو ہماری کتابوں میں درج ہیں، حضرت شیخ ابن باز اور ان کی ذریت کے نزدیک بھی ”غیر اللہ“ سے مدد مانگنا، شفاعت طلب کرنا اور ان پر توکل کرنا جائز ہے، جو ماتحت الاسباب ہو، جیسا کہ لوگ حاکموں اور حکیموں سے مدد طلب کرتے ہیں، بلکہ قدم قدم پر امریکہ کی دہائی دیتے ہیں، ہمارا سوال ہے کہ ماتحت الاسباب امداد کرنے والے حاکم اور حکیم اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہی امداد کرتے ہیں یا اس کی دی ہوئی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ امداد کرتے ہیں، اگر پہلا عقیدہ ہے تو پھر تم بھی مشرک ہو، اور اگر دوسرا عقیدہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روحانی صلاحیت اور استعداد والے

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت شیخ ابن باز نجدی نے اپنے رسالے ”لواقض اسلام“ میں ان باتوں کا ذکر کیا ہے جو اسلام کو ختم کر دیتی ہیں، ان میں پہلی بات شرک ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

﴿.....اللہ تعالیٰ اسکو قطعاً نہیں بخشے گا جو اس کے ساتھ شریک مقرر کرے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے، معاف فرمادے۔﴾ (سورۃ النساء: ۱۱۶)

﴿.....یقین مانو، کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ظلم (یعنی شرک) کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں،﴾ (سورۃ المائدہ)

ان آیات قدسیہ پر ہم مسلمانوں کا مکمل ایمان ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے، لیکن آگے حضرت شیخ ابن باز اپنی نجدی فطرت سے مجبور ہو کر پھر بے انصافی پر اتر آئے اور کہنے لگے،



ما فوق الاسباب بھی امداد کر سکتے ہیں، اگر ماتحت الاسباب کی صلاحیت رکھنے والوں سے امداد طلب کرنا جائز ہے تو ما فوق الاسباب کی صلاحیت رکھنے والوں سے امداد طلب کرنا کیوں جائز نہیں، دونوں صورتوں میں فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کا کارفرما ہے۔ اگر تمہیں یہ قاعدہ قبول نہیں تو پھر یاد رکھو! تم ماتحت الاسباب کے مشرک ہو، باقی مسلمان ما فوق الاسباب کے مشرک ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ روئے زمین پر ایک بھی آدمی موجود نہیں جسے ”موجود خالص“ ہونے کا شرف حاصل ہو، اگر کوئی کہے کہ اسباب کے ماتحت تو غیر اللہ سے امداد طلب کرنے کے دلائل ہیں اور قرآن وحدیث میں اس کا حکم موجود ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اسباب کے ما فوق بھی امداد کرنے کے دلائل ہیں اور قرآن وحدیث میں اس کا حکم موجود ہے، مثلاً آنکھ جھپکنے سے پہلے سینکڑوں میل سے سینکڑوں من وزنی تخت کو اٹھانا اسباب کے ماتحت تھا یا اسباب سے ما فوق تھا، ایک پیغمبر برحق نے اسباب رکھتے ہوئے بھی اسباب کے ما فوق کام کرنے کی کیوں اجازت دی،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز حج کو قیامت تک کی ارواح نے سنا اور بلبل پکارا، یہ آواز حج کن اسباب کے ماتحت موصول ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس میل سے ایک سیاہ چیونٹی کو چلتے ہوئے مشاہدہ کرتے تھے تو کس سبب کے ماتحت کرتے تھے، حضور نوح آدم علیہ السلام نے زمین پر کھڑے ہو کر حوض کوثر کو دیکھا، عذاب دوزخ کو دیکھا اور زمین کے مشارق ومغارب کو دیکھا تو کس سبب کے ماتحت دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آواز کو سینکڑوں میل دور حضرت سار یہ رضی اللہ عنہ نے سماعت فرمایا تو یہ آواز کس سبب کے ماتحت پہنچی اور سنی گئی، حضرت شیخ ابن باز اور ان کی ذریت نجانے کس دور کی بات کر رہی ہے، آج تو اسباب اس قدر تیز ہو چکے ہیں کہ ہزاروں میل سے موبائل کے ذریعے آوازیں سنائی دے رہی ہیں، اربوں میل کے فاصلے دور بین سے

ملاحظہ کیے جا رہے ہیں، زمین کے خزانوں کا مشینوں کے ڈائل پر اندازہ لگایا جا رہا ہے، سکریٹوں پر ساری دنیا کے ممالک کو مانٹر کیا جا رہا ہے، تیز رفتار راکٹ، طیارے اور خلائی فطیلین منٹوں میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر رہی ہیں، اگر مادی اسباب کی ترقی کا یہ حال ہے تو روحانی کمالات اور تصرفات کا کیا عالم ہونا چاہئے، ایک اور جھلک دیکھئے۔

..... حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ہم نے جنگ حنین میں حضور اقدس ﷺ کی معیت میں جہاد کیا، ایک وقت میں صحابہ کرام کے قدم اکھڑ گئے تو کفار نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ ﷺ اپنی سواری سے اتر آئے اور زمین سے ایک مشت خاک لے کر ان کے چہروں پر ماری، اور فرمایا شاہت الوجوہ ان میں ہر کافر کی آنکھوں میں مٹی بھر گئی اور وہ پیچھے بھاگ گئے، (مسلم شریف، مشکوٰۃ ص ۵۲۳)

اس قسم کی سینکڑوں روایات صحیحہ حضور اکرم ﷺ کے خدا داد تصرفات کی دہائی دے رہی ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء اس عالم اسباب میں رہتے ہوئے اسباب سے بھی کام لیتے ہیں اور جب معاملہ اسباب کی دسترس سے آگے نکل جائے تو اپنی مخصوص روحانی قوتوں کو بروئے کار لا کر ایسا کمال دکھاتے ہیں کہ میدان ان کے ہاتھوں میں رہتا ہے، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

..... کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز، اللہ

عظیم لکھ چکا ہے کہ میں ضرور غالب آؤں گا، اور میرے رسول (غالب

آئیں گے) بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے (سورۃ المجادلہ: ۲۱)

چونکہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کا زمانہ رسالت صدیوں پر محیط ہے، اس لئے



آج کے جتنے اکتشافات اور حیران کن ایجادات ہیں، سب پر آپ کی قوت و رسالت کا غلبہ ہوگا، مثلاً دنیا کے تمام راکٹ، طیارے، اور خلائی شعلیں مل کر بھی سیاح لامکاں ﷺ کے براق کے قدموں کی دھول تک نہیں پاسکتیں، دنیا کی دور بین اگر چار ہوں میل کے فاصلوں اور مرحلوں پر پھیلی ہوئی کہکشاؤں اور سیاروں کا مشاہدہ کر رہی ہے لیکن حوض کوثر کو نہیں دیکھ سکتی، جہان غیب کے پردوں کو فاش نہیں کر سکتی، لیکن حضور ناظر ازل ﷺ غیب کو بھی دیکھ رہے ہیں اور غیب الغیب کو بھی دیکھ رہے ہیں، اس طرح عالم اسباب میں بڑے بڑے قوانین تشکیل دیئے گئے لیکن آپ کا اسلام ہی مکمل ضابطہ حیات ہے، گویا مادی اور روحانی طور پر آج بھی اللہ کا رسول ہی غالب ہے۔ حضرت امام علی القاریؒ عیہ السلام فرماتے ہیں،

”محل اور مقام میں قید روح کے لحاظ سے تصور نہیں کی جاسکتی، یہ قید فقط جسم میں ہوتی ہے، بلکہ روح جب لطیف اور پاکیزہ ہو جائے تو بدن بھی نورانیت اور لطافت میں اس کے تابع ہو جاتا ہے اور وہ جسم کو جہاں چاہتی ہے لے جاتی ہے، اور جہاں سے چاہتی ہے فائدہ اٹھاتی ہے، اور جہاں تک اللہ اسے پہچانا چاہے، پہنچاتا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ کو شب معراج یہ مقام اعلیٰ نصیب ہوا اور آپ کے پیروکار اولیا کرام کیلئے بھی کہ زمین ان کیلئے سمیٹ دی جاتی ہے، اور انہیں بہت سارے مثالی بدن حاصل ہو جاتے ہیں، جنہیں وہ آن واحد میں مختلف مکانوں میں موجود پاتے ہیں، اور اللہ ہر چاہت پر قادر ہے، اور روح کیلئے یہ لطافت اور نورانیت اس عالم میں سے جو غالباً امور عادیہ پر مبنی ہے اور جب یہاں ان امور میں کوئی رکاوٹ نہیں تو عالم آخرت میں (مرنے

کے بعد) کوئی رکاوٹ ہوگی، کیونکہ روح اور آخرت کے تمام معاملات خرق عادت پر مبنی ہیں، (اسلام اور ولایت، بحوالہ مرقاۃ: ۳۱/۳۲) آپ قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم مطلق کے ساتھ اپنے محبوب اکمل ﷺ کے کمالات اور تصرفات کا ذکر کیا ہے، مثلاً فرمایا،

﴿..... یكون الرسول عليكم شهيداً اور یہ رسول تم تمام (مخلوق) پر نگہبان ہے، (سورۃ البقرہ: ۱۴۳)﴾

﴿..... کما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلو عليكم ايتنا ويزكيكم و يعلمکم الکتاب والحكمة و يعلمکم ما لم تکنوا تعلمون﴾ جیسا کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں کتاب اور پختہ علم (حکمت) سکھاتا ہے، اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا، (سورۃ البقرہ: ۱۵۱)

﴿..... واعلموا ان فيكم رسول الله اور جان لو کہ بے شک تم میں اللہ کا رسول ہے، (سورۃ الحجرات: ۷)﴾

﴿..... لقد جاءكم رسول من انفسکم عزيز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالموئین رءوف رحیم، بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں، مومنوں پر

کمال مہربان، رحم فرمانے والے ہیں، (سورۃ الاحزاب: ۱۲۸)

ذرا دامن ایمان کو تھام کر جواب دیجئے، کیا ان آیات قدسیہ کے مخاطب صرف



حضور اقدس ﷺ کے زمانہ ظاہری کے انسان اور جنات تھے یا صدیوں پر پھیلے ہوئے اربوں انسان اور جنات ہیں۔ اگر ان آیات قدسیہ کا حکم مطلق ہے لہٰذا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور اقدس ﷺ آج بھی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، روحانی توجہات سے دلوں اور ضمیروں کو طہارت عطا کرتے ہیں، لاکھوں انسانوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، کائنات کے ان اسرار کی خبر دیتے ہیں جنکی کسی فرد بشر کو خبر تک نہیں، آج بھی ہمارے درمیان اپنی روحانیت، رسالت و نبوت اور تصرف و کمال کی وجہ سے موجود ہیں، وہ آج بھی ہمارے لیے شہید ہیں، عزیز ہیں، حریص ہیں، رؤف ہیں، رحیم ہیں اور رسول کریم ہیں، کیا آپ ﷺ کو ان مناصب رفیعہ سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اگر تو کسی بد نصیب کا عقیدہ یہ ہے تو واللہ باللہ وہ ہرگز مسلمان نہیں اور اگر کوئی خوش نصیب آج بھی آپ کو ان مناصب رفیعہ پر فائز المرام تصور کرتا ہے تو وہ کیوں نہ آپ کو پکارے، کیوں نہ آپ کی امداد حاصل کرے، کیوں نہ آپ کو نگہبان سمجھے، وہ کیوں نہ آپ کو فریادرس سمجھے، رؤف اور رحیم کا مطلب ہے، مہربانی کرنے والا، رحمت فرمانے والا، اب خدا تعالیٰ سے کہا جائے کہ اس نے اپنے اسمائے خصوصی اپنے محبوب کے لئے استعمال کر کے کیوں ”شرک“ کا دروازہ کھول دیا ہے، کریم کا معنی ہے کرم کرنے والا، اگر کوئی عرض کرے کہ اے کرم کرنے والے، میری نگہبانی فرما، تو کیا یہ ”شرک“ ہے، اگر یہ ”شرک“ ہے، تو اس کو خود خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے، خدا نے کسی بت کو شہید، رؤف، رحیم، کریم، شفیع نہیں کہا، تو جو آدمی کسی بت کو نگہبانی کرنے والا، مہربانی کرنے والا،

۱۔ قرآن پاک کے حکم مطلق کو مخصوص کرنے کیلئے مولوی کے خود ساختہ عقیدے کی ضرورت نہیں ہوتی، کسی نص قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا کوئی نص قطعی ہے، جو ان آیات کو منسوخ یا مخصوص کر دے، ہاں تو ان کے انکسار صلیقین، ملاؤ کوئی نہیں مگر تم سچے ہو۔

رحمت فرمانے والا، کرم برسانے والا اور شفاعت کرنے والا قرار دے، وہ کافر ہے، لیکن اپنے رسول ﷺ کو تو اس نے ضرور نگہبانی کرنے والا، مہربانی کرنے والا، رحمت فرمانے والا، کرم برسانے والا کہا ہے، تو جو آدمی اس کے رسول ﷺ کو اس طرح نہ بلائے، اس طرح نہ پکارے وہ قرآن کا بھی منکر ہے، رحمان کا بھی منکر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، ذلک بما نہم کرموا ما انزل اللہ فا حبط اعمالہم، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے، پس اللہ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے (سورۃ محمد: ۹)

خدا کے احسان کے خزانے خدا کے محبوب نے ہیں بانٹنے  
خدا کی رحمت، نبی کی دولت نصیب والوں کے ہاتھ آئی  
اگر نبی کا کرم نہ ہو گا تو مار دے گا جہان دنیا  
یہ سچ ہے مشکل کو ختم کرنے شہ رسالت کی ذات آئی  
خدا نے بندوں کو راہ دکھائی اپنے محبوب دربار کی  
جو ان کی چوکھٹ پہ آ گیا تو اسی کے حصے نجات آئی





## قرآن اور رسول کا مقام

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت شیخ ابن باز نجدی نے اس مقالے میں لبنانی مجلہ شہاب میں شائع ہونے والی ایک تحریر کا تعاقب کیا ہے، جس میں قرآن اور پیغمبر قرآن کی شدید توہین کی گئی تھی، اس میں کہا گیا تھا کہ قرآن میں تناقض پایا جاتا ہے، اور اس میں بہت سی خرافات ہیں جیسے اصحاب کہف اور عصائے موسیٰ کے واقعات، پیغمبر قرآن کے بارے میں لکھا تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ایک معمولی انسان تھے، کثرت سے صحرا میں سفر کیا کرتے تھے اور اس زمانے میں رائج سطحی خرافات سننے کے عادی تھے، اور انہی خرافات کو قرآن کے نام سے بیان کرتے تھے، پھر اس نے مسلمانوں پر الزام لگایا ہے۔

”مسلمانوں نے پیغمبر محمد ﷺ کو معبود کا درجہ دے دیا ہے، ہمیشہ

محمد ﷺ اور اللہ، محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے، دہراتے رہتے ہیں،

اور یہ بات محمد کو معبود بنانے کے مترادف ہے۔“ (عقیدہ المسلم ص ۱۱۸)

ان توہین آمیز کمواسات کا جواب دیتے ہوئے حضرت شیخ ابن باز نجدی نے لکھا ہے،

”اس مقالے میں نبی کریم ﷺ کے عظیم مقام کے بارے میں یا وہ



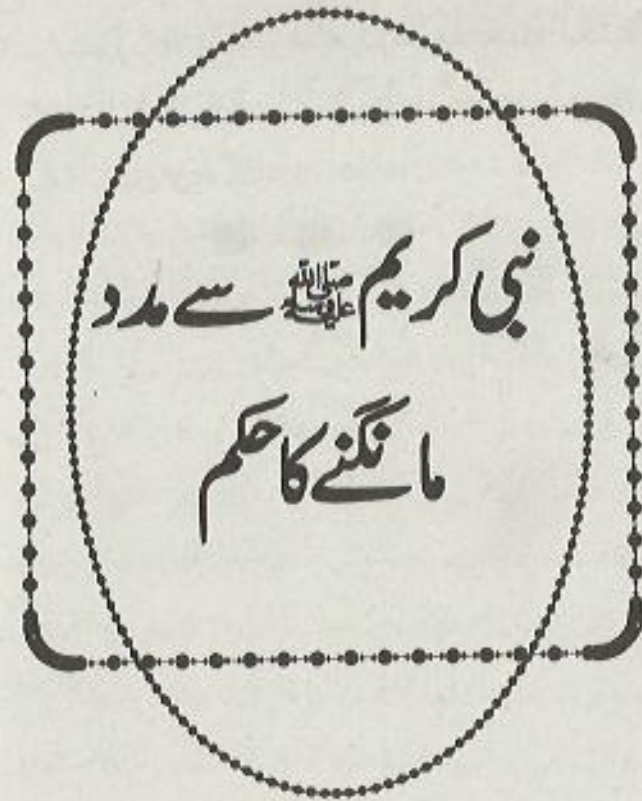
گوئی کی گئی ہے۔ اس تحریر نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔ اور انہوں نے شدت کے ساتھ اس کا انکار کیا ہے، اس لئے اگر یہ تحریر آپ کی ہے تو شرعی طور پر آپ پر واجب ہے کہ صدق دل سے اس سے توبہ کیجئے“ (ایضاً ص ۱۲۰)

ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت شیخ ابن باز بھی مسلمانوں پر یہی الزام لگاتے نہیں جھکتے کہ انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو معبود بنا رکھا ہے، ہر جگہ انبیاء اور اولیاء کی پوجا ہو رہی ہے، کسی مخلوق میں نفع و نقصان کی طاقت نہیں، انہوں نے بھی بتوں اور مجسموں اور صورتوں کے رد میں نازل ہونے والی آیتوں کو محبوب اقدس ﷺ اور آپ کے نام لیواؤں پر چسپاں کرنا اپنا شیوہ حیات بنا رکھا ہے۔ ان کے یہ توہین آمیز رویے نبی کریم ﷺ کے عظیم مقام کے بارے میں یا وہ گوئی نہیں تو اور کیا ہے، کیا انہوں نے محبوب اقدس ﷺ کو عام انسان نہیں سمجھ رکھا، ان کی اسی کتاب عقیدۃ المسلم میں ہے، ایک صوفی نے جب حضور اقدس ﷺ کو اللہ کا نائب اور رازدان کہا تو اس پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ ”اس طرح کی باتیں تکلف اور دین میں غلو ہے، جس سے اللہ کے رسول نے روکا ہے“ گویا جب حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نائب اور رازدان کہنا بھی تکلف اور دین میں غلو ہے تو وہ ایک عام انسان ہی ہوئے، کیا حضرت شیخ ابن باز کے اس رویے نے مسلمانوں کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ کیا اس رویے کا تمام مسلمانوں نے شدید انکار نہیں کیا، اب ان کے اپنے فتویٰ کے مطابق کیا ان کو صدق دل سے توبہ نہیں کرنی چاہئے تھی، اور جو ان کی ان تعلیمات کو ترجیح کے عام کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں، ان کو رجوع نہیں کرنا چاہئے، لہذا فی مجلہ شہاب کا مصنف تو نرا بد بخت تھا، جس نے قرآن اور پیغمبر قرآن کے بارے میں ہرزہ سرائی کی

اٹھا کر دی، اب حضرت شیخ ابن باز کو کیا کہا جائے، انہوں نے قرآن اور پیغمبر قرآن کا مقام کیا سمجھا ہے اور مسلمانوں کو کیا قلبی سکون پہنچایا ہے۔ ومن اظلم ممن ذکر باہات رہہ ثم اعرض عنها انا من المجرمین منتقمون ۱۵ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا، پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا، یقین مانو کہ ہم گنہگاروں سے انتقام لینے والے ہیں، (سورۃ الحجہ ۲۳:۱۵) قل ابالله وایاتہ و رسولہ کنتم تستہزون ۱۵ لا تعتلروا قد کفرتم بعد ایمانکم ۱۵ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے مذاق کیلئے رہ گئے، تم بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے (سورۃ آل عمران ۶۵:۶۶)







## نبی کریم ﷺ سے مدد مانگنے کا حکم

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنے مضمون ”اہل بدعت کے خلاف اتمام حجت“ کے تین حصے کئے ہیں۔ پہلا حصہ ہے ”نبی کریم ﷺ سے مدد مانگنے کا حکم“ اس حصے میں ایک مسلمان شاعرہ آمنہ خاتون کے ”شرکیہ اشعار“ کا رد لکھا گیا ہے، شاعرہ آمنہ خاتون نے ”عید میلاد النبی“ کے نام سے ایک قصیدہ کویت کے مجلہ مجمع میں شائع کروایا جس میں امت کے خلفشار اور افراتفری کے متعلق رسول اکرم ﷺ سے مدد طلب کی گئی ہے، اشعار کا ترجمہ یہ ہے،

”اے اللہ کے رسول! جنگ و جدل میں سلگتی کائنات کو بچائیے،  
اے اللہ کے رسول! شکوک و شبہات میں بھٹکتی کائنات کو بچائیے،  
(امت اپنی عزت گنوا چکی ہے اور غم و حزن سے دوچار ہے، اب تو  
امت پر نگاہ کرم فرمائیے) اے اللہ کے رسول! شب گزیدہ خیالات  
میں حیران پریشان امت کا ہاتھ اب تو تھام لیجئے، نظر عنایت جلدی  
ڈالئے، آخر آپ ہی نے بدر کے موقع پر بذریعہ دعا اللہ سے مدد مانگی



تھی، جس کی بدولت امت کی ذلت و رسوائی عزت و شرف میں بدل گئی، بیشک اللہ کے پاس ایسی فوج ہے، جسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ان ”شرکیہ اشعار“ پر حضرت شیخ ابن باز نجدی نے یہ تبصرہ فرمایا ہے: ”سبحان اللہ! کس طرح سے یہ ادیبہ اللہ کے رسول ﷺ سے مدد مانگ رہی ہے، اور امت کی بگڑی بنانے میں جلدی کرنے کو کہہ رہی ہے، اور وہ یہ چیز بھول جاتی ہے کہ مدد صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کا مالک نہ تو اللہ کا نبی اور نہ ہی کوئی دوسرا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا الْمُنْصِرُ إِلَّا مَنْ عِنْدَ اللَّهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ مدد صرف غالب اور دانا اللہ کی طرف سے آتی ہے، (آل عمران: ۱۲۶) نیز فرماتا ہے: اِنْ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ..... اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تمہیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور اگر مغلوب کر کے رسوا کرنا چاہے تو اس کے سوا بھلا اور کون مددگار ہو سکتا ہے، (آل عمران: ۱۶۰)، (عقیدہ المسلم ص ۱۲۵)

حضرت شیخ ابن باز نجدی کے متعلق سنا ہے کہ وہ آنکھوں کے اندھے تھے، لیکن یہاں تو بالکل محسوس ہوتا ہے کہ وہ دل کے بھی اندھے تھے غصا نہا لا تعمی الابصار ولكن تعمی القلوب التي فی الصدور، صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل بھی اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں، (سورۃ الحج: ۳۶) یہ دل کے اندھے ہونے کی کیسی عبرتناک مثال ہے کہ انہوں نے ایمانیہ اشعار کو ”شرکیہ اشعار“ کا درجہ دے دیا، آمند خاتون کے ایمان افروز اشعار میں صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کو حقیقی مددگار تسلیم کرتی ہے اور حضور اکرم ﷺ سے عرض کر رہی ہے کہ جس طرح آپ نے بدر کے

سوقہ پر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر امت کو رسوائی سے بچا یا تھا، اب بھی مدد مانگ کر جنگ و جدل سے سلتی اور شکوک میں بھٹکتی ہوئی کائنات کو بچائیے، اس نے کب کہا ہے کہ رسول کریم ﷺ مدد کے حقیقی مالک ہیں جو اس پر مذکورہ آیات چسپاں کی جائیں، وہ تو رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا رہی ہے، مراد یہ ہے کہ یا رسول اللہ! ہم گنہگار ہیں، بے عمل ہیں، ہماری دعا اور التجا کا قبول ہونا یقینی امر نہیں جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین بندے ہیں، محبوب ترین ہستی ہیں، آپ کی دعا اور التجا وہ ضرور قبول فرمائے گا، اور آپ کی عرض پر آپ کی امت کی پریشانی ضرور دور کرے گا، آگے اس نے اعتراف کیا ہے کہ اللہ کے پاس ایسی فوج ہے جسے کوئی نہیں دیکھ سکتا، بھلا اس ایمان میں شیطان کہاں سے آگیا۔

### لاحول ولا قوة الا بالله

حضرت شیخ نے اور ان کے مترجم نے بار بار آپ ﷺ کو نبی کریم، اور رسول کریم کہا ہے، جس کا مطلب ہے، بہت کرم کرنے والا نبی، بہت کرم کرنے والا رسول، آہ دل کے اندھوں سے کوئی یہ پوچھے کہ کرم کرنے والے نبی سے کرم مانگنا کہاں کا جرم ہے۔ ظاہر ہے وہ اللہ کا کریم نبی ہے تو اللہ سے کرم لے کر دے گا، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات ہیں،

..... فرمایا انما اتقاسم واللہ يعطی، بے شک میں تقسیم

کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے، (بخاری ۱۶/۱)

..... فرمایا انما اتقاسم وحازن واللہ يعطی، بے شک

میں تقسیم کرنے والا اور خزانے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے

والا ہے، (بخاری ۴۳۹/۱)



✽..... فرمایا، اللہ تعالیٰ نے عرش پر لکھا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، میں ان ہی کے وسیلے سے لوں گا اور ان ہی کے وسیلے سے عطا کروں گا، (کنز العمال ۱۲/۱۶۱)

✽..... فرمایا، اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے اور میں ہی تقسیم کرتا ہوں۔ (مولد رسول اللہ ص ۲۰)

✽..... فرمایا اللہ يعطی وانا اقسام، اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اور میں تقسیم کرتا ہوں (طحاوی ۴/۵۳۶)

✽..... ولادت مصطفیٰ ﷺ کے موقع پر رضوان جنت نے اعلان فرمایا، معك مفاہیج النصر یا خلیفۃ اللہ، اے اللہ کے خلیفہ اعظم، تیرے ساتھ ہی نصرت کی کنجیاں ہیں (خصائص کبریٰ ۱/۴۹)

✽..... فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیامۃ، میں قیامت کے دن نسل انسانی کا سردار ہوں، (مسلم ۲/۴۳۵) اس کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ”سید وہ ہے جو خیر میں اپنی قوم سے بہتر ہو، بعض نے کہا کہ سید وہ ہے جس کی طرف مصیبتوں اور تنگیوں میں آہ و زاری کی جائے۔ اور وہ لوگوں سے ان کو ٹال دے، بے شک وہ دنیا اور آخرت میں سید ہیں“ اور یہ شان ہر ایک پر ظاہر ہے،

قرآن پاک میں ہے، فاما المقسمات امرأ پھر حکم سے بانٹنے والے، ان مقسمات سے مراد فرشتے ہیں، جو رزق اور بارش تقسیم کرتے ہیں، (منظہری ۹/۹، ابواسعد ۶/۶۵۲، کبیر ۶/۶۵۳، مدارک ۴/۱۸۰، جلالین ص ۴۳۲) اب بتائیے اگر فرشتوں کو ان کاموں پر مامور کر دیا جائے تو شرک نہیں ہوتا، رسول کریم ﷺ مامور اور ماذون ہو جائیں تو کیسے

شرک ہوگا، فرشتوں کا تقسیم کرنا، بندگان خدا کی امداد کرنا اللہ تعالیٰ کا امداد کرنا ہے تو رسول کریم ﷺ کا امداد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا امداد کرنا ہے، ظالمو! اس رسول کا بولنا، اللہ کا بولنا ہے، اس رسول کا بیعت کرنا، اللہ کا بیعت کرنا ہے، یہ رسول اللہ کی طرف سے رحمت و نصرت بن کر آیا ہے۔ فرمایا وما ارسلناک الا رحمة للعالمین اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، جو مصیبت زدہ انسان اس کو امداد کیلئے پکارتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی رحمت و نصرت کو پکارتا ہے، حضرت امام الفاسی علیہ الرحمہ لفظ قاسم کی تشریح میں فرماتے ہیں،

”جہان میں حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہیں، اور حضرت الوہیت کا واسطہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطاؤں اور بخششوں کے متولی ہیں، جس کسی کو اس وجود میں کوئی رحمت ملی ہے، یا دنیا، آخرت، ظاہر، باطن، علوم، معارف اور اطاعات سے جو رزق ملا ہے، اس کو آپ کے ہاتھوں سے اور آپ کے واسطے سے ملا ہے۔ حضور جنت کے حقداروں میں جنت تقسیم فرماتے ہیں۔“

... فلا یخرج من الخزائن الالهیۃ شی الا علی یدیه، خدائی خزانوں سے ہر چیز حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ سے ہی باہر آتی ہے، (مطالع السمرات ص ۲۳۶)

حضور اقدس ﷺ خود اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے اپنی تمام مخلوق کی امداد فرمائی۔ جب کوئی یا رسول اللہ پکارتا ہے تو گویا وہ یا نصیر اللہ اور یا رحمتہ اللہ پکارتا ہے۔ یعنی اے اللہ کی امداد میری امداد کر، اے اللہ کی رحمت



میری مشکل آسان کر، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اللہ کی امداد قریب ہے، حضور اقدس ﷺ چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی امداد ہیں اس لئے اہل ایمان کے کس قدر قریب ہیں، فرمایا اللہ سبحی اولیٰ بالمومنین من انفسہم یہ نبی تو ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی امداد سمجھ کر آواز دی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں اہل ایمان کو ان کی دیرینہ نشانی سے یکجان کیا، اور اہل ایمان کی دیرینہ نشانی تھی ”یا محمد“ پھر وہ جس کو بھی لٹکارتے، قتل کر دیتے، (اکال فی تاریخ جلد ۳ ص ۲۳۶، البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۲۳) حضرت کعب بن ضمیرہ رضی اللہ عنہ نے میدان حلب سے پکارا یا محمد، یا نصر اللہ انزل، اے محمد، اے اللہ کی مدد نزول فرمائیے، تھوڑی ہی دیر کے بعد مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ (فتوح الشام/۱۹۲)

حضرت امام ابن جوزی علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ تین اولیا کرام کا واقعہ بیان کیا ہے، اور حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ نے بھی لکھا ہے، کہ تین مجاہد روم میں عیسائیوں کے ہاں گرفتار ہو گئے، بادشاہ نے انہیں عیسائی بنانا چاہا تو انہوں نے آواز دی، یا محمد یعنی یا رسول اللہ ہماری امداد کیجئے، بادشاہ نے انہیں گرم تیل میں پھینک دیا۔ ایک بھائی کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ پھر چھ ماہ کے بعد وہ دونوں بھائی فرشتوں کے ہمراہ اس کی شادی میں شرکت کرنے کیلئے آئے۔ اس نے جب ان بھائیوں کا حال پوچھا تو کہنے لگے، گرم تیل میں غوطہ کھاتے ہی ہم جنت الفردوس میں پہنچ گئے تھے، (عیون النکایات، شرح الصدور) یہ واقعہ ہارون الرشید کے دور کا ہے، لہذا وہ اگر تابعین میں سے نہیں تھے تو تبع تابعین میں سے تو ضرور تھے، معلوم ہوا کہ حضور نصرت خداوندی، ﷺ کو پکارنا اور آپ کو رحمت ایزدی کا وسیلہ بنانا قرون اولیٰ سے شروع ہے، اگر آمنہ خاتون مشرک ہے تو کیا صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی مشرک تھے،

حضرت علامہ زاہد الکوثر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”آغاز اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیاء اور صلحا کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے، اس سلسلہ میں تاریخ میں اتنا کچھ موجود ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا (محقق بقول فی مسئلہ التوسل ص ۱)

مکی بخاری شریف میں حدیث شفاعت کے الفاظ ہیں،

”استغاثوا بآدم ثم بموسى ثم بمحمد ﷺ، یعنی

قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ السلام، پھر حضرت موسیٰ علیہ

السلام، پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے امداد طلب کریں گے“

قیامت کے دن تو مشرکین کی رسوائی کا دن ہے۔ اُس دن یہ کیسا ”شرک“ سامنے آ گیا کہ لوگ انبیاء کرام کی جناب سے استغاثے کرنے لگے، اولیا عظام سے امدادیں طلب کرنے لگے، حضور اقدس ﷺ خود فقرا مہاجرین کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے۔ (رواد فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ ص ۴۳۷) حضرت علامہ شرف القادری رقم فرماتے ہیں،

”حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی

ہیں، فقرا مہاجرین کا وسیلہ پیش کرنے کا باعث ہر گز نہیں کہ آپ وسیلے

کے محتاج ہیں، بلکہ حکمتِ خاطر اور ستم رسیدہ صحابہ مہاجرین کی عزت

افزائی ہے اور امت مسلمہ کو یہ بتانا ہے کہ بارگاہِ الہی میں دعا کرتے وقت

میرے غلاموں کا وسیلہ بھی پیش کر سکتے ہو، سبحان اللہ، جس ذات اقدس

کے غلاموں سے توسل کیا جاسکتا ہے، خود اس ذات مکرم سے توسل

کیوں جائز نہ ہوگا، اس مسئلہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بارگاہِ الہی

میں صرف اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مقبول بارگاہ



صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے (توسل ص ۴)

**چند ایمان افروز واقعات:** تاریخ اسلام کے روشن صفحات سے چند ایمان افروز واقعات اور اشتہاؤات پیش خدمت ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آمنہ خاتون نے ہی استغاثہ پیش نہیں کیا، اس ایمان افروز کام میں ساری امت پیش پیش ہے، اور ساری ملت آپ کے وسیلے سے سرفراز ہو رہی ہے۔

﴿.....۱.....﴾

عظیم صحابی حضرت سیدنا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں ۔

وانك ادنى المرسلين و سيلة  
الى الله يا ابن الاكرمين الا طائب  
وكن لى شفيعاً يوم القيامة لا ذو شفاعة  
بمغن فتيلاً عن سواد ابن قارب

اے طیب و مکرم حضرات کے فرزند! آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام رسولوں سے زیادہ قریب وسیلہ ہیں، آپ اس دن میرے شفیع ہوں گے جس دن کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کو کچھ بھی بے نیاز نہ کر سکے گا (مختصر سیرۃ الرسول ص ۶۹ از ابن نجید)

﴿.....۲.....﴾

خليفة رسول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب حضور سید عالم ﷺ کے وصال کی اطلاع ملی تو آپ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور چہرہ انور سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے، ولو ان موتك كان اختياراً لجدنا لموتك بالنفوس

اذكرنا يا محمد عند ربك ولنكن من بالک، اگر آپ کے وصال میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کے وصال کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے، یا محمد رسول اللہ! اپنے رب کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ہمارا خیال رکھنا، (مواہب لدنیہ مع شرح الزرقانی ۲/۸ ص ۲۲۲)

﴿.....۳.....﴾

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب حراست میں میدان کر بلا سے گزریں تو بے ساختہ فریاد کی، اے بہت ہی تعریف کئے ہوئے، امداد امداد، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، اور آسمانی فرشتے درود بھیجیں، یہ حسین میدان میں ہے، خون میں نہایا ہوا، اس کے اعضا کٹے ہوئے ہیں، یا محمد! امداد، آپ کی شہزادیاں حراست میں ہیں، آپ کی اولاد شہید کر دی گئی ہے، باد صبا ان پر گرد و غبار اڑا رہی ہے“ راوی کہتے ہیں کہ پرسوز آواز نے ہر اپنے اور بیگانے کو رلا دیا (البدایہ والنہایہ ۸/۱۹۳)

﴿.....۴.....﴾

امام ابن اسحاق نے حضرت ابو طالب کے اشعار رقم کئے ہیں جن میں انہوں نے رسول کریم ﷺ کی مدحت سرائی کی ہے۔ حضور پر نور ﷺ نے ان اشعار کو شریک قرار نہیں دیا ۔

طویل النجاد خارج نصف مساقہ  
على وجهه نسقى الغمام و نسعد  
عظيم الرماد سيد و ابن سيد



يَحْضُ عَلٰى مَقْرِى الضِيُوفِ وَ يَحْشُدُ

وہ دراز قد، جس کی آدمی پنڈلی باہر نکلی رہتی ہے، اس کے چہرہ کے طفیل ابر پانی برساتا اور سعادت حاصل کرتا ہے، بڑا نچی سردار اور سردار کا بیٹا، مہمانوں کی ضیافت پر دوسروں کو بھی ابھارتا ہے،

(مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۹۵)

﴿.....۵.....﴾

حضرت سیدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم پر رسول اللہ ﷺ کا معاملہ پوشیدہ ہوا تو قریش کی ایک جماعت ہمارے گھر آئی..... تین دن تک ہمیں کوئی خبر نہ ملی کہ رسول اللہ ﷺ کہاں گئے، حتیٰ کہ مکہ کی نخلی طرف سے ایک آدمی آیا، وہ یہ شعر پڑھتا تھا، لوگوں کو اس کی آواز سنائی دیتی تھی لیکن وہ خود نظر نہیں آتا تھا، ترجمہ

☆..... اے قصی کی اولاد تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسا عمدہ کردار اور کیسی عمدہ سرداری تم سے بٹالی ہے، آج تک کسی اونٹنی نے اپنی پیٹھ پر محمد ﷺ سے زیادہ ٹیک اور اپنے عہد کا محمد ﷺ سے زیادہ پکا آدمی نہیں اٹھایا، جو اس سے زیادہ نیا لباس لوگوں کو پہنانے والا ہو اور چیز رفتار کم سو گھوڑے، اس سے زیادہ بخشنے والا ہو، اس کے ذریعے گمراہی کے بعد رب نے ان کو ہدایت دی اور سیدھی راہ دکھائی، اور جو حق کی پیروی کرتا ہے، اس کو راستہ مل جاتا ہے (مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۹۵)

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہوئے اور ایک قیصدہ عرض کیا، قیصدے کے اشعار سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حسن اعتقاد کا علم ہوتا ہے، کہتے ہیں،

بَشِّرْ اَنْ رَّسُولَ اللّٰهِ اَوْعَدْنِي  
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَّسُولِ اللّٰهِ مَا مَوْلُ  
لِظُلِّ يَرْعُدُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ  
مِنْ الرَّسُولِ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَنْوِيلُ  
اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٍ يَسْتَضَاءُ بِهٖ  
مَهْنَدٌ مِّنْ سَيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُورُ

مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے، حالانکہ مجھے آپ سے معافی کی توقع ہے، تو وہ بھی کاٹنے لگے، الا یہ کہ اس کھڑے ہونے والے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول کی طرف سے بخشش حاصل ہو جائے، بیشک اللہ کے رسول ایسا نور ہیں کہ جس سے راہ حق تلاش کی جاتی ہے، وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام ”ہندی“ تلوار ہیں، (مختصر سیرۃ الرسول ص ۶۰۶)

جب حضرت کعب نے آخری شعر ﴿اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٍ يَسْتَضَاءُ بِهٖ﴾ پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر ان پر پھینکی جسے بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خرید لیا، اور کہا جاتا ہے کہ وہ چادر آج تک سلاطین کے پاس محفوظ ہے، (ایضاً ص ۶۰۹)



﴿.....۷.....﴾

حضور اقدس ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مالک بن نمط رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور ان الفاظ میں نذرانہ محبت پیش کیا ۔

ذکرت رسول اللہ فی قحمة الدجی  
ونحن با علی رحرحان وصلدد  
بان رسول اللہ فینا مصدق  
رسول اتی من عند ذی العرش مہند  
فما حلت من ناقة فوق رحلہا  
ابروا و فی ذمہ من محمد  
واعطی اذا ما طالب العرف جاءہ  
وامضی بحمد المشرفی المہند

میں نے اللہ کے رسول کو تخت اندھیرے میں اس وقت یاد کیا جب کہ ہم ایک کشادہ اور سخت میدان کے بالائی حصہ میں سفر کر رہے تھے، ہم اللہ کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں، وہ رب عرش کے ہدایت یافتہ پیغمبر ہیں، آج تک کسی اونٹنی نے محمد ﷺ سے بڑھ کر نیک سلوک کرنے والا، عہد کا پکا کوئی آدمی اپنی زمین پر سوار نہیں کیا، نیز جو مسائل کے آنے پر ان سے بڑھ کر دینے والا اور مشرفی قاطع تلوار کی دھار سے زیادہ سرعت کے ساتھ اپنے عزم کو جامہ پہنانے والا ہو۔ (مختصر سیرۃ الرسول ص ۶۷۰)

کویت کی شاعرہ آمنہ خاتون نے ہی حضور اقدس ﷺ کو جلدی امداد کرنے کے لئے عرض نہیں کی، ایک صحابی رسول صدیوں پہلے اس عقیدے کا اظہار کر چکا ہے کہ آپ سرعت کے ساتھ عزم فرماتے ہیں اور سائل کو توقعات سے بڑھ کر عطا کرتے ہیں ۔

واہ کیا جود و کرم ہے شاہ بطحا تیرا  
نہیں منتہای نہیں مانگنے والا تیرا

﴿.....۸.....﴾

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے، ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی، اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی، حضرت عثمان نے اس سے کہا، تم وضو خانہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ کہو ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے“ اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا، پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں، وہ شخص گیا، اور اس نے



حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، دربان نے ان کے لئے دروازہ کھولا اور اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا، اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے، اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا، اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا، اور فرمایا جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو ہمارے پاس آ جانا، پھر وہ شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا، اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، حضرت عثمان بن حنیف نے کہا، اللہ کی قسم میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی۔ لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا، آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا، اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس پر صبر کرو گے، اس نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔ مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا، تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو، (جس میں یا محمد انی تو جہت بلک اے

محمد مصطفیٰ میں آپ کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ الفاظ ہیں) ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص اس حال میں آ گیا کہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی، یہ حدیث صحیح ہے، (مجموعہ مطبوعاتی ۱۸۴/۱) حافظ ذکی الدین منذری نے الترغیب میں اور حافظ لکھنوی نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، شیخ ابن تیمیہ نے بھی فتاویٰ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، (تفصیل کے لئے دیکھئے شرح مسلم سعیدی ۷/۷۰)

یہ حدیث صحیح بتا رہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ کا وسیلہ اختیار کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ وہ یا محمد یا رسول اللہ پکار کر آپ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور رب تعالیٰ کی رحمت و نصرت ان کی طرف متوجہ ہوتی تھی، آج بھی یہ معاملہ برحق ہے، کیونکہ حدیث مبارک ہے، عرضت علی اعمال امتی حسنھا و سیئھا، مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، (صحیح مسلم ۲۰۷/۱) یہ حکم عام ہے، کوئی نص قطعی اس کو منسوخ نہیں کر رہی، بلکہ قرآن خود بھی اعلان فرما رہا ہے، اے نبی ہم نے تمہیں شاہد بنا کر بھیجا ہے، اب تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ امت کی فریاد سے باخبر ہیں، جب باخبر ہیں تو شفیع امت ہونے کی وجہ سے شفاعت بھی فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرماتا ہے، یہ شان کرم وصال سے پہلے بھی قائم تھی اور وصال کے بعد بھی قائم ہے، بلکہ ہر آنے والی گھڑی گزرنے والی گھڑی سے زیادہ وجاہت والی ہے،



﴿.....۹.....﴾

ایک صاحب نابینا تھے، حاضر خدمت ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ میں ساربان ہوں، سانپ کے انڈوں پر پاؤں آگیا تھا، جس کے زہر کی وجہ سے آنکھیں خراب ہو گئی ہیں، حضور اقدس ﷺ نے اس کی آنکھوں پر لعاب دہن مبارک لگایا تو اس کی آنکھیں ایسی روشن ہو گئیں کہ تا عمر روشن رہیں، لوگ اسی سال کی عمر میں انہیں سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے دیکھا کرتے تھے، (مجمع الزوائد ۸/۲۹۸)

﴿.....۱۰.....﴾

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہو کر عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ، میرے ان دونوں شہزادوں کو کچھ فیوضات عطا کریں، آپ نے فرمایا، اما الحسن فقد نحلته، حلمی وھبیتی واما الحسین فقد نحلته نجدتی وجودی، یعنی حسن کو ہم نے اپنی بردباری اور ھبیت عطا فرمائی اور حسین کو اپنی قوت اور سخاوت عطا کر دی (الاسن والعلی ص ۹۹ بحوالہ ابن عساکر)

﴿.....۱۱.....﴾

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک ایمان افروز قصیدہ پیش کیا، جس کا ایک ایک لفظ پڑھنے اور غور کرنے کے لائق ہے۔

وردت نار التحلیل مکتوما

فی صلبہ انت کیف یحترق  
وانت لما ولدت اشرق  
الارض وضاءت بنورك الافق  
فنحن فی ذالك الضياء  
وفی النور سبل الرشاد نحتر

آپ نے حضرت ظیل علیہ السلام کے ساتھ آگ میں نزول فرمایا، وہ کیسے جل سکتے تھے، کیونکہ آپ ان کی پشت انور میں موجود تھے، اور جب آپ پیدا ہوئے تو ساری زمین روشن ہو گئی، آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے، لہذا ہم اسی روشنی اور نورانیت میں ہدایت کے راستوں پر گامزن ہیں، (شرایب فی ذکر الحبيب الزقانونی)

﴿.....۱۲.....﴾

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محاصرے کے دوران حضور ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا، کیا تمہیں انہوں نے گھیرا ہوا ہے، اور پیاسا رکھا ہے، میں نے عرض کی، ہاں، آپ نے ایک پانی والا ڈول لٹکا دیا، اس میں پانی تھا، میں نے خوب سیراب ہو کر پیا، یہاں تک کہ میں اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں دونوں کندھوں کے درمیان محسوس کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو چاہے تو تیری امداد کر دی جائے اور اگر تو چاہے تو ہمارے ہاں افطار کرنا، میں نے آپ کے ہاں افطار کرنا پسند کر لیا، یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ



عز سے بیان فرمایا جو محاصرے کے دوران ان سے ملنے کیلئے گئے تھے۔ اسی دن آپ کو شہید کر دیا گیا۔ (الحادی للعتاویٰ ۴۳۸/۲)

﴿.....۱۳.....﴾

حضرت امام علی عابد زین العابدین رضی اللہ عنہ سرکار رسالت ﷺ کے حضور پکار رہے ہیں۔

یا رحمة للعالمین انت شفیع المذنبین  
اکرم لنا یوم الحزین فضلاً وجوداً والکرم  
یا رحمة للعالمین ادرك لزین العابدین  
محبوس ایدی الظالمین فی موبک والمزدحم  
اے تمام جہانوں کی رحمت، آپ گناہگاروں کی شفاعت  
کرنے والے ہیں، اپنے فضل، جود اور کرم سے قیامت کے  
دن ہماری بھی لاج رکھ لینا، اے تمام جہانوں کی رحمت،  
زین العابدین کی دیکھیری کیجئے، جو ظالموں کے ہاتھوں محبوس  
ہے اور امداد کیلئے عرض گزار ہے،

﴿.....۱۴.....﴾

امام الزمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سر اپا فریاد ہیں۔

یا سید السادات جبتک قاصداً  
ارجو رضاک واحتمی بحماک  
یا مالکی کن شافعی فی فباقتی  
انی فقیر فی الوری لغناک

یا اکرم الثقلمین، یا کنز الوری  
جدلی بحودک وارضنی برضاک  
انا طامع بالحدود منک ولم یکن  
لا بسی حنیفة فی الا نام سواک

اے سیدوں کے سردار میں دلی قاصد کے ساتھ آپ  
کے حضور حاضر ہوا ہوں، آپ کی رضا کا طالب ہوں اور خود کو  
آپ کی پناہ میں دیتا ہوں، اے میرے مالک! آپ میری  
حاجت میں میرے شفیع ہو جائیں، میں تمام مخلوق میں آپ کی  
غنا کا فقیر ہوں، اے جن وانس سے زیادہ کریم، اے مخلوق کے  
خزانے، مجھ پر احسان فرمائیں اور اپنی رضا سے مجھے راضی فرما  
دیں، میں آپ کی بخشش کا امیدوار ہوں، آپ کے سوا مخلوق میں  
ابوحنیفہ کا کوئی پرسان حال نہیں۔ (قصیدۃ العمان)

﴿.....۱۵.....﴾

حضرت سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ بھی وسیلے کے قائل ہیں۔

آل النبی ذریعتی..... وہم الیہ وسیلتی  
ارجو ابہم اعطی غداً..... بیدی الیمین صحیفتی  
آل نبی میرا ذریعہ نجات ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف میرا وسیلہ ہے،  
مجھے امید ہے کہ ان کے وسیلے سے مجھے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال  
دیا جائے گا، (مواعن مرقس ۱۸۰)



﴿.....۱۶.....﴾

الغرض اس طرح کے پیشار واقعات کتب اسلامیہ میں بکھرے پڑے ہیں۔ قاضی شوکانی نے بھی تسلیم کیا ہے، حضور اکرم ﷺ سے توصل آپ کی حیات میں بھی ہے اور وصال کے بعد بھی، آپ کی بارگاہ میں بھی ہے اور بارگاہ سے دور بھی، حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ سے توصل ثابت ہے، آپ کے وصال کے بعد دوسروں سے توصل یا جماع صحابہ ثابت ہے، (الدر المفید، فتح الااعدی شرح الترمذی ۳/۲۸۲) نواب صدیق حسن بھوپالی بھی اعتراف کرتے ہیں، اے میرے آقا، اے میرے سہارے، اے میرے وسیلے، سختی اور نرمی میں میرے کام آنے والے، میں آپ کے دروازے پر اس حال میں حاضر ہوں کہ میں ذلیل ہوں، گڑگڑا رہا ہوں، اور میری سانس پھولی ہوئی ہے، آپ کے سوا میرا کوئی نہیں، جس سے مدد مانگی جائے، اے رحمۃ للعالمین! میری آہ و پکار پر رحم فرمائیے (حاشیہ بدیع السعدی ص ۲۰)

زمجوری برآمد جان عالم

ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃ للعالمین

زخروماں چرا فارغ نشینی جاتی

اسمائے مصطفیٰ کا تقاضا: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اقدس ﷺ کو بڑے عظیم اور حسین اسمائے گرامی عطا فرمائے ہیں، ان اسمائے گرامی کا بھی ایک تقاضا ہے، آئیے

دل میں اس پہلو پر بھی غور کیجئے۔

..... حضور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی ہے، اُحییٰ، اس کا معنی ہے اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے دور رکھنے والا، (ذرقانی علی المواب ۳/۱۷۲) آپ کا یہ اسم گرامی تورات میں مذکور ہے، (سبل الہدیٰ ۱/۳۳۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قرآن میں میرا نام محمد ہے، انجیل میں احمد ہے، تورات میں احید ہے، مجھے احید اس لئے کہا گیا ہے کہ میں اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے بچا کر ایک طرف لے جانے والا ہوں، (تہذیب الاسماء للغات ۱/۳۹) امام ذہبی نے اس کو مرفوع حدیث کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ۱/۳۳۶)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، اولیٰ، اس کا معنی ہے سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ مالک، سب سے زیادہ قریب، قرآن پاک نے فرمایا ہے، یہ نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، یا مالک یا قریب ہے، حدیث پاک ہے، میں دنیا و آخرت میں ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں، (بخاری کتاب التفسیر صفحہ ۳۶۸/۳۶۸)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، بارقلیط، اس کا معنی ہے خلاصی دلوانے والا، (تسم الریاض ۳/۲۷۹، سبل الہدیٰ ۱/۳۳۸، الریاض الایضہ ص ۱۳۹، ذرقانی ۳/۳۰۲)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، جواد، اس کا معنی ہے کرم کرنے والا اور سخاوت کرنے والا، (لسان العرب ۳/۱۳۵) حدیث پاک ہے، اجواد بالخیر من الریح المرسلۃ آپ بھلائی کرنے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سختی ہیں، (بخاری کتاب بدء الوئی)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، حافظ، اس کا معنی ہے، اپنی امت کی حفاظت کرنے والا، (الریاض الایضہ ص ۱۳۹، ذرقانی ۳/۱۸۲، سبل الہدیٰ ۱/۳۳۵)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، حبیب اللہ، یعنی اللہ کا دوست، حدیث پاک



ہے، میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے فخر نہیں، (ترمذی ابواب المناقب سنن داری ۳۰/۱) حضرت امام عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ محبت کا درجہ خلعت سے زیادہ بلند ہے، اس لئے حبیب ہونے کی وجہ سے آپ کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہیں زیادہ بلند ہے، (کتاب الشفا ۱۸۳/۱)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، حبیب، اس کا معنی ہے کافی اور بے نیاز، حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے حق میں یہ معنی بالکل درست ہے، کیونکہ آپ اپنی امت کی تمام دنیوی اور اخروی حاجات پوری کرنے کیلئے کافی ہیں، اور امت کسی دوسرے کی محتاج نہیں (الریاض الامنیہ ص ۱۳۳) یہ نام قرآن سے ثابت ہے، یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین، اے نبی اللہ آپ کو کافی ہے اور آپ کے تابع فرمان مومن آپ کو کافی ہیں، اگر مومن کافی ہو سکتے ہیں تو آپ بدرجہ اولیٰ کافی ہیں،

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، خبیر، اس کا معنی ہے آگاہ، خبر رکھنے والا، قرآن پاک میں ہے، الرحمن فسنل بہ عیبرا، وہ رحمن ہے تو اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ، حضرت امام عیاض مالکی نے اس آیت سے آپ کا نام اخذ فرمایا ہے، کیونکہ آپ سے بڑھ کر اور کون اللہ تعالیٰ سے آگاہ اور آشنا ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پوشیدہ علوم اور عظیم معارف سے آگاہ فرمایا اور جن علوم کے اظہار کی اجازت دی، آپ نے ان کی اپنی امت کو خبر عطا فرمائی، (کتاب الشفا ۱۸۳/۱ ریاض الامنیہ ص ۱۵۱)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، رحمۃ للعالمین، اس کا معنی ہے تمام جہانوں کیلئے رحمت، یہ اسم گرامی قرآن پاک سے ماخوذ ہے، امام آلوسی فرماتے ہیں، آپ کا تمام جہانوں کیلئے رحمت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ آپ ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیض الہی کا وسیلہ ہیں، میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کے ہر فرد کیلئے رحمت ہیں،

آپ فرشتوں، انسانوں جنوں غرض سب کیلئے رحمت ہیں، اس شان رحمت میں جنوں اور انسانوں کے درمیان اور کافر اور مومن کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں، کیونکہ یہ رحمت ہر فرد کے حق میں الگ الگ نوعیت کی حامل ہے، (روح المعانی ۱۰۵/۱) حضور، رحمت ہیں تو اس کا کاشا ہے کہ آپ سب مخلوق کے قریب ہیں، سب کے حالات کے عالم ہیں، سب کے قریب ہیں، سب کے مختار ہیں، آج بھی زندہ ہیں، کیونکہ رحمت دور نہیں ہو سکتی، جاہل نہیں ہو سکتی، بے رحم نہیں ہو سکتی، مجبور نہیں ہو سکتی، مردہ نہیں ہو سکتی۔

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، رشید، اس کا معنی ہے ہدایت دینے والا اور ثابت قدم رہنے والا، حضرت ابوطالب نے کیا خوب فرمایا۔

حلیم، رشید، عادل، غیر طائش

یو الی الا ہالیس عنہ بغافل

آپ بردبار، ہدایت دینے والے، عدل فرمانے والے اور غصے میں نہ آنے والے ہیں، اور اس معبود سے محبت کرنے والے ہیں جو اس سے کبھی غافل نہیں (الہدایہ ۵۷/۳، سل اللہ ص ۱/۱۳۶۵) حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے لئے ”الرشید المسد“ کا نام استعمال کیا ہے، اس کا معنی ہے ہدایت دینے والا اور سیدھے راستے پر چلنے والا (دیوان حسان ص ۱۱) حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا ہے، یا رسول اللہ ارشدنی، اے اللہ کے رسول مجھے ہدایت دیجئے، (ترمذی کتاب التفسیر، صحیح ابن حبان ۲/۲۸۳، المسد رک ۵۱۳/۲)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، رءوف اور رحیم، رءوف رافت سے ہے، اس سے مراد رحمت میں مبالغہ ہے، رحیم، رحمۃ سے ہے، ائمہ لغت نے ان دونوں میں فرق لکھا ہے کہ احسان کے بدلے احسان کرنے کو رافت اور کسی احسان کے بغیر کسی پر



احسان کرنے کو رحمت کہتے ہیں، (زرقاتی شرح المواہب ۲/۲۵۷) حضرت جبریل بن مسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے مروی لکھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رءوف اور رحیم رکھا ہے۔ (مسلم کتاب المغازل) قرآن پاک میں ہے و بالعمومین رءوف رحیم، (سورۃ النور ۱۹۸) حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، سید، اس کا معنی ہے سردار، حضرت عبداللہ اشقی رضی اللہ عنہ عرض گزار ہیں۔

یا سید الناس و دیان العرب

الیک اشکو ذریۃ من الذرب

اے تمام انسانوں کے سردار، اے عرب کے عظیم منصب، میں اپنی غرض کی شکایت آپ کے حضور بیان کرتا ہوں، (مسند احمد ۲/۲۵۲، مجمع الزوائد ۲/۳۳۱، الاصابہ فی تیز اصحابہ ۲/۳۶۶) حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے شاف، اس کا معنی ہے، غم و آلام سے شفا دینے والا، اُمت کی تکلیف ختم کرنے والا، (سبل الہدیٰ ۲/۳۷۳) آپ نے اپنے دست برکت، اور لعاب رحمت سے کتنے بیماروں کو شفا تقسیم فرمائی، ان واقعات سے حدیث و سیر کی کتابیں مالا مال ہیں، آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر لعاب دہن لگایا تو انہیں شفا مل گئی (بخاری) حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعاب دہن لگایا تو وہ تندرست ہو گئی، (بخاری) آپ نے ایک بچے کے سینے پر ہاتھ بھیرا تو اس کے پیٹ سے سیاہ جانور نکل کر بھاگ گیا، (دارقطنی، معنی ابن ابی شیبہ ۵/۳۷) آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی ٹکلی ہوئی آنکھ درست فرمادی (مجمع الزوائد ۶/۱۱۳)

حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، شاہد، اس کا معنی ہے جاننے والا، دیکھنے والا، حاضر، موجود، (زرقاتی ۲/۲۷۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شاہد بنایا ہے) اولین و آخرین کے احوال پر مطلع فرمایا، (نہج الریاض ۲/۲۶۳) حدیث پاک ہے انا شاہد کم الیوم، میں

آج کے دن تمہارا گواہ ہوں (المسند رک ۱/۳۶۵)

حاضر و ناظر ہوئے نظر و تصرف سے حضور ہاتھ میں ہر شے ہے آنکھوں میں ہے کل سنار بھی بالیقین تو حید مقصد ہے مرے افکار کا ساتھ لازم ہے شعور عظمت سرکار بھی راقم

حضرات علما نے اسم شاہد اور شہید پر کمال کا عقیدہ رقم فرمایا ہے، حضرت امام زرقاتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، لانه صلی اللہ علیہ وسلم شہید علی امتہ و ناظرہا عملوا، حضور اپنی امت پر حاضر ہیں اور امت کے عملوں کو مشاہدہ فرماتے ہیں (شرح المواہب ۲/۱۷۳) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضور کی ذات اقدس اپنی حقیقت کے اعتبار سے تمام موجودات اور کائنات میں ناظر و شاہد اور موجود و حاضر ہے، اس لئے نمازی کی ذات کے پاس بھی حاضر و شاہد ہے، اور سلام کو صیغہ خطاب میں لانا، آپ کے شاہد و مشہود اور حاضر و موجود ہونے کے اعتبار سے ہے (تجلیل الحسنات ص ۷)

حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، شہید، اس کا معنی ہے عالم، جاننے والا، (کتاب السنن ۲/۳۶۶) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام شہید رکھا ہے، یکون الرسول علیکم شہیداً، اور یہ رسول تم پر گواہ ہے، منکبہان ہے، (سورۃ البقرۃ ۱۳۳) حضور انور ﷺ کی حدیث مبارک ہے، وانا شہید علیکم، اس کی تشریح میں حضرت امام علی القاری فرماتے ہیں۔

”اور میں تم پر شہید ہوں، یعنی تمہارے حالات سے آگاہ ہوں کہ

وہ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، میں تمہارا گواہ ہوں، اور اچھے اعمال

پر تمہاری تعریف کرنے والا ہوں“ (مرقاۃ ۱۱۵/۲۳۷)

حضور اقدس ﷺ وصال کے بعد بھی شاہد اور شہید ہیں، اسی لئے حضرت



صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی روشن پیشانی کو ہاتھ اور عرض کیا، وانبیاء، واخلیاء واصفیاء آہ اے نبی اکرم، آہ اے خلیل مکرم، آہ اے صفی متشتم (مسند احمد ۳۱/۶)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، قاسم، اس کا معنی ہے تقسیم کرنے والا، آپ نے فرمایا، میں تمہیں عطا کرتا ہوں نہ محروم رکھتا ہوں، میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، (بخاری کتاب الجس) آپ کا اسم گرامی حکم بھی ہے جس کا معنی ہے انتہائی زیادہ سخاوت کرنے والا، آپ اپنی ذات میں کمالات اور خیرات کا مجموعہ ہونے کے باعث حکم ہیں (نیم الریاض ۲/۲۶۳)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، فاتح، اس کا معنی ہے حکم کرنے والا، کھولنے والا، فرمایا جعلنی فاتحاً و خاتماً مجھے کھولنے والا اور آخری نبی بنایا گیا ہے، اس کی مراد یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ امت کیلئے خدا کی معرفت اور خدا پر ایمان رکھنے کے راستے کھولنے والے ہیں، (کتاب الشفا ۱۱/۳۲۹)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، کریم، اس کا معنی ہے بہت زیادہ اچھائی کرنے والا، ایسا نبی جس سے سخاوت میں کوئی بڑھ نہ سکے، (لسان العرب ۱۲/۵۱۰) اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے ”رسول کریم“ کا نام استعمال کیا ہے (سورۃ الحاقة: ۴۰) حضرت امام بوہری علیہ الرحمہ کیا خوب کہتے ہیں۔

فاق النبین فی خلق و فی خلق

ولم یدانہ فی علم ولا کرم

حضور ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے صورت اور سیرت میں بڑھ گئے، اور کوئی فرد بھی علم اور کرم میں آپ کی ہمسری نہیں کر سکتا، (تصید بردہ)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، مجیب، اس کا معنی ہے قبول کرنے والا، حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے وصال پر عرض کیا ہے۔

یا ابتاہ اجاب ربا دعاه

یا ابتاہ من حنة الفردوس ماواه

یا ابتاہ الی جبریل ننعاه

اے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا پیغام قبول کر لیا، اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں جلوہ فرما ہوں گے، اے ابا جان! میں آپ کے فراق کے غم کی خبر جبریل امین کو سناتی ہوں، (بخاری کتاب المغازی، سنن ابن ماجہ ۱۰۳/۲، سنن ابی داؤد ۴۱/۱، مسند احمد ۲۸۲/۱)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، شافع اور شفیع، اس کا معنی ہے شفاعت فرمانے والا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا،

ان الناس یصبرون یوم القیام حننا، کل امة تتبع نبیها یقولون یا فلان اشفع یا فلان اشفع حتی تنتهی الشفاعة الی النبی ﷺ فذلک یوم یبعثہ اللہ المقام المحمود ضرور سارے لوگ قیامت کے دن چلیں گے، ہر امت کو اپنے نبی کی تلاش ہوگی، وہ کہیں گے، اے فلاں شفاعت فرما، اے فلاں شفاعت فرما، یہاں تک کہ شفاعت کی تلاش کیلئے حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں گے، یہ وہ دن ہوگا جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا، (بخاری کتاب التفسیر)

خود رسول شفاعت، نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں کہ مخلوق جا کر یہ کہے گی اے محمد، اے اللہ کے نبی، آپ ﷺ کی



برکت سے اللہ نے شفاعت کا دروازہ کھولا ہے، آج آپ ہی پر امن اور پرسکون ہیں، آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، آپ رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں، ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں، آپ نظر رحمت تو فرمائیں کہ ہم کس درد میں ہیں، آپ چشم کرم تو فرمائیں کہ ہم کس حال زار کو پہنچے ہیں پھر آپ فرمائیں گے کہ میں ہی اس شفاعت کے لئے ہوں، میں ہی تمہارا صاحب (غمگسار) ہوں، (جلی الخیرین ص ۷۲ منھا)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، مطہر، اس کا معنی ہے، آپ (پاک بھی ہیں) اور دوسروں کو شرک کی نجاست سے پاک کرنے والے بھی ہیں۔ (ورقانی ۱۸/۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيم بها وصل عليهم  
..... یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کریں کہ آپ اس کی وجہ سے ان کو پاک اور صاف کر دیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں، بے شک آپ کی دعا ان کیلئے سکون کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ سنتا، جانتا ہے (سورۃ التوبہ: ۱۰۳)

صحابہ کرام آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے رہے، حضور آپ مجھے پاک کر دیں، اس کی بیشمار مثالیں ہیں۔ بے شک آپ نے انسانیت کو پاک فرمایا اور انسانوں کی گردنوں میں پھنسے ہوئے غلامی کے طوق توڑ ڈالے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ویضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کائنات کی مشکل کشائی نہیں تو اور کیا ہے،

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، مولا، اس کا معنی ہے سید، سردار، منعم، نعمت دینے والا، ناصر، مددگار، اور محبت کرنے والا، (النبایہ فی غریب الحدیث والاثر جلد ۵ ص ۲۸) آپ ﷺ فرماتے ہیں، انا مولیٰ من لا مولیٰ له جس کا کوئی ولی نہیں، اس کا میں ولی ہوں، (سنن ابوداؤد ۳۹/۳، مسند احمد ۱۳۳/۴، مسند رک ۳۳۳/۴) اور فرمایا اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ له جس کا کوئی ولی، (مددگار، ناصر، محبت) نہیں، اللہ اور اس کا رسول اس کے ولی (مددگار، ناصر، محبت) ہیں، (ابن حبان ۴۰۱/۱۳، دارقطنی ۸۵/۳، سنن بیہقی ۲۴۱/۶، ترمذی ۶۰۷/۲، ابن ماجہ ۳۳۳/۳، مسند احمد ۳۶/۱) حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے وصال مصطفیٰ پر کیا خوب عرض کیا ہے۔

جز عا علی المہدی اصبح ثاویلاً

یا خیر من وطی الحصى لا تبعد

آنکھیں اس ہدایت یافتہ پروردگار ہیں، اسے زمین پر چلنے والے تمام انسانوں سے بہترین محبوب! آپ ہم سے دور نہیں ہوئے، (دیوان حسان ص ۶۵)۔

حضور اکرم ﷺ ولی بھی ہیں، انما ولیکم اللہ ورسولہ، بے شک تمہارا ولی (مددگار) ہے، اللہ اور اس کا رسول، (القرآن) حدیث مبارک ہے انا ولی من لا ولی له جس کا کوئی ولی (مددگار) نہیں اس کا میں ولی (مددگار) ہوں، (مسند احمد ۱۳۳/۴) اور فرمایا انا ولی المؤمنین، میں مومنوں کا مددگار ہوں، (سنن بیہقی ۲۴۱/۳) اور فرمایا، من كنت ولیہ فعلی ولیہ، جس کا میں مددگار ہوں، اس کا علی مددگار ہے (مسند احمد ۳۶۱/۵، بخاری ص ۲/۵۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۳۶۵/۶، طبرانی المعجم ۱۰۰/۴، مجمع الزوائد ۱۰۸/۹، کنز العمال ۶۰۲/۱۱)

..... حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی ہے، حاد، اس کا معنی ہے ہدایت دینے والا، اللہ کریم کا فرمان ہے لکل قوم هاد، ہر قوم کیلئے ہدایت دینے والا ہے۔ اور فرمایا انک



لنہدی الی صراط مستقیم آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرماتے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہذا الرجل یهدی الی السبیل، یہ شخص کریم مجھے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (بخاری کتاب الفعائل، مسند احمد ۳/۲۱۱)

حضرات گرامی! حضور اقدس، رسول انور، نبی محمد ﷺ کے لائق تعداد ناموں میں سے چند نام آپ کے سامنے بیان کئے گئے ہیں، آپ نے دلائل سے جان لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو اپنی مخلوق کا کس طرح سہارا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ امت کو آگ سے بچاتے ہیں۔ آپ غمزدوں کو خلاصی دلواتے ہیں، آپ حد سے زیادہ کرم فرماتے ہیں، آپ دنیوی اور اخروی حاجتوں کو پورا کرنے کیلئے کافی ہیں، ہر وقت امت کی خبر رکھنے والے ہیں، تمام جہانوں کے ہر فرد کیلئے رحمت ہیں، حلم والے، عدل والے اور ہدایت عطا کرنے والے ہیں، شفا بانٹنے والے ہیں، حفاظت کرنے والے ہیں، دنیا اور آخرت میں شفاعت کرنے والے ہیں، قبول کرنے والے ہیں، لوگوں کے بوجھ اتارنے والے ہیں۔ مولا، مددگار، حامی، ناصر، وارث اور مبالغے کے ساتھ رحم کرنے والے ہیں، جانوں سے بھی زیادہ محبوب اور قریب رہنے والے ہیں، ذرا سوچئے، خدا را ذرا سوچئے، ان ناموں کا کیا تقاضا ہے، کیا یہ نام روز روشن کی طرح ظاہر نہیں کر رہے کہ وہ ذات مقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطاؤں اور بخششوں کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ اس کو مدد کیلئے آواز دینا، خود نصرت الہی کو آواز دینا ہے، کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں کہا، کون ہے میرا اللہ کے لئے مددگار، حواری بولے، ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار (القرآن) اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی مددگار ہو سکتے ہیں تو ہمارے نبی ہمارے مددگار کیوں نہیں ہو سکتے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو مدد کیلئے پکارنا شرک فی العبادۃ نہیں تو ہمارا اپنے نبی کو پکارا کیسے شرک فی العبادۃ ہوگا، کاش ان

کے پاس ہماری عقل ہوتی تو انہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو پکارنا شرک ہوتا ہے، اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بری ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے امتی بھی بری ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ ان مذکورہ ناموں اور شانوں سے معزول نہیں کیے گئے، بلکہ ان کی برکتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو پھر امت کیوں نہ اپنا حال زار پیش کرے، اللہ اللہ، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ محبوب کے پاس جا کر اللہ سے معافی طلب کرو اور محبوب کو حکم دیا گیا ہے،

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي  
يريدون وجهه ولا تعد عینک عنهم، آپ اپنے آپ کو ان  
لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھئے، جو دن رات اپنے رب کی عبادت  
کرتے ہیں اور اسکی رضا چاہتے ہیں اور ان سے اپنی نظروں کو  
نہ پھیرئے (یعنی ان پر نگاہ رکھئے) (القرآن)

اللہ اللہ! ادھر فرمایا، اے محبوب آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں (القرآن)  
یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر نظر رحمت فرماتا ہے اور محبوب اپنی امت پر نظر رحمت فرماتے ہیں، ادھر امت محبوب کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتی ہے اور محبوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتا ہے۔ لوگ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے، اسی کا نام تو وسیلہ ہے۔  
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے

حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

**ایک نستعین کا مفہوم:** ایک نستعین، اس کا ترجمہ ہے ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں، اس کا درست مفہوم بیان کرنے کے لیے ہم مفسرین قرآن کی تحقیق پیش کرتے ہیں، حضرت امام مفتی احمد یار خان بدایونی علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں، اس جگہ مدد سے



مراد حقیقی مدد ہے، یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں، رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا، وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے، جیسے کہ قرآن میں **ان الحکم الا للہ**، نہیں ہے حکم مگر اللہ کا، یا فرمایا گیا **لا اله الا اللہ**، مافی السموات ومافی الارض، اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان وزمین کی چیزیں، پھر ہم حکام کا حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں، یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم، اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کیلئے بہ عطاءے الہی، نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے کہ اس آیت میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے، تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے، بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں، کالی ماں تیری دہائی، وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا، اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا، نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین، ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں، اب بھی مدرسہ کے چندہ کیلئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے، انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے، دائی کی مدد سے پیدا ہوا، ماں کی مدد سے پرورش پائی، استاد کی مدد سے علم سیکھا، مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری، اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے، پھر غسل اور درزی کی مدد سے غسل اور کفن ملا، گورکن کی مدد سے قبر کھدی، مسلمانوں کی مدد سے زیر خاک دفن ہوئے، پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا، پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے، اس آیت میں کوئی قید نہیں کہ کس سے مدد اور کس وقت (مدد مانگی جائے) (جاء الحق ۲۰۹/۱)

..... حضرت امام الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں، سمجھنا چاہئے

کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر ہے، اس کو مدد الہی نہ سمجھے، یہ حرام ہے، اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے، اس کو اللہ کی مدد کا مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے، اور شریعت میں جائز ہے، اور اس کو انبیاء اور اولیاء کی مدد کہتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے، بلکہ حضرت حق سے مدد مانگنا ہے، (تیسرے اجزاء ۲۰۹/۱)

..... حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں، یعنی جیسے ہم عبادت صرف تیری ہی کرتے ہیں اسی طرح مدد بھی تجھی سے طلب کرتے ہیں۔ تو ہی کار ساز حقیقی ہے، تو ہی مالک حقیقی ہے، ہر کام میں، ہر حاجت میں تیرے سامنے ہی دست سوال دراز کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عالم اسباب میں قطع نظر کر لی جائے، بیمار ہوئے تو علاج سے کنارہ کش، تلاش رزق کے وقت وسائل معاش سے دست بردار، حصول علم کیلئے صحبت استاد سے بیزار، اس طریقہ کار سے اسلام اور توحید کو کوئی سروکار نہیں، کیونکہ وہ جو شافی، رزاق اور حکیم ہے، اسی نے ان نتائج کو ان اسباب سے وابستہ کر دیا ہے، اسی نے ان اسباب میں تاثیر رکھی ہے، اب ان اسباب کی طرف رجوع استعانت بالغیر نہیں ہوگی، اسی طرح ان جملہ اسباب میں سب سے قوی تر اور اثر آفرین سبب دعا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **الدعاء یرد القضاء** کہ دعا تو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے، اور اس میں بھی کلام نہیں کہ محبوبان خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی عاجزانہ اور نیاز مندانہ التجاؤں کو ضرور شرف قبولیت بخشے گا، چنانچہ حدیث قدسی جسے امام بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے، **لان سألنی لا عطنہ ولان استعافنی لا عینہ** اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا، اور اگر وہ



مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا، تو اب اگر کوئی ان مجبوران الہی کی جناب میں خصوصاً حبیب کبریا ﷺ کے حضور میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشعل کی کشود کیلئے التماس دعا کرتا ہے تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے، ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے اور خدا نہ چاہے، تب بھی یہ (مدد) کر سکتا ہے تو یہ شرک اور ایسا کرنے والا مشرک ہے (اور کوئی مسلمان اس عقیدے کے ساتھ کسی نبی اور ولی سے استعانت نہیں کرتا) (ضیاء القرآن ۲۳/۱)

..... مولانا محمود الحسن دیوبندی رقم فرماتے ہیں، اس آیت شریفہ (ایاک نستعین) سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے (حاشیہ قرآن ص ۲)

..... امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں، اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے، یعنی قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، ان معنوں میں ہی اگر بیماری کے علاج میں طبیب یا دوا سے مدد طلب کرے یا فقیری کی حاجت میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے، یا انصاف کرانے کو کسی پچھری میں مقدمہ لڑائے، بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے جو یقیناً تمام منکرین استعانت روزانہ اپنی عورتوں، بچوں اور نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے، یا کھانا پکا دے، سب قطعی شرک ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر خود انہیں اپنی ذات سے بے عطاء الہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا؟ اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا

ظہر، واسطہ، وسیلہ اور سبب جان کر تو انہی معنوں میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے مدد مانگنا کیونکر شرک ہوگا (برکات الامداد ص ۲۸) مزید فرماتے ہیں کہ، جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہوگا، اور ایک کے لئے شرک نہیں تو وہ کسی کیلئے شرک نہیں ہو سکتا، کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے، زندے ہو سکتے ہیں، دور کے نہیں ہو سکتے، پاس کے ہو سکتے ہیں، انبیاء نہیں ہو سکتے، حکیم ہو سکتے ہیں، انسان نہیں ہو سکتے، فرشتے ہو سکتے ہیں؟ حاشا للہ، اللہ عز و جل کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا، (برکات الامداد ص ۲۸)

..... مولانا اشرف علی تھانوی رقم فرماتے ہیں، جو استعانت واستمداد باعقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے، اور جو باعقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے، خواہ جس سے مدد مانگی جائے وہ زندہ ہو یا مردہ (امداد الفتاویٰ ص ۹۹)

..... مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی رقم فرماتے ہیں، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے، (حاشیہ قرآن ص ۲)

..... حضرت علامہ ابن قیم الجوزیہ رقم فرماتے ہیں، یعنی بہت دفعہ لوگوں نے رحمت عالم ﷺ کو معہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے خواب میں دیکھا کہ ان کی روحوں نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو شکست دے دی، پھر اس کا ظہور بھی ہوا کہ مڑی دل لشکر نہتے، کنز و راہ و تھوڑے مسلمانوں سے شکست بھی کھا گئے، علاوہ ازیں تعدد اور تواتر سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ معہ خلفائے راشدین کے مسلمانوں کی امداد اور اعانت کے لئے تشریف فرما ہوتے ہیں، (اسلام اور دلائل ص ۴۰۸، بحوالہ کتاب الروح ص ۲۶۹)

..... حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اپنی امت کے اعمال پر نگاہ



رکھنا، ان کے گناہوں کے لئے استغفار کرنا، ان سے بلا دور ہونے کی دعا کرنا، زمین میں ادھر ادھر آنا جانا، اس میں برکت دینا اور اپنی امت کے صالحین کے جنازوں میں شریک ہونا، یہ چیزیں حضور اقدس ﷺ کا مشغلہ ہیں، جیسا کہ اس کے متعلق احادیث اور آثار پائے جاتے ہیں، (انہاء الذہب ص ۷)

..... حضرت علامہ محمد بن علوی مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ زندہ ہیں، اور مکمل برزخی زندگی گزار رہے ہیں، اس کامل وارفیع زندگی کے واقعات کے مطابق آپ کی روح پر انوار ملکوت ساوی میں مجوسیر و سیاحت رہتی ہے، اور اس روح مقدس کے لئے یہ ممکن ہے کہ محافل نورانی اور مجالس علمی میں تشریف فرما ہو، اس طرح یہ مقام آپ کی اتباع کرنے والے مخلص مومنین کو بھی حاصل ہے، امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ روح آزاد ہوتی ہے، جہاں چاہتی ہے، جاتی ہے۔ اس طرح حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، ایمان والوں کی روحیں زمین پر حیات برزخی کی حالت میں جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں، (حول الاحوال ص ۴۲)

ذرا غور کیجئے، اس شان عظیم کے حامل انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے استعانت مجازی کا عقیدہ کیونکر شرک ہو سکتا ہے، وہ دنیا میں ہوں یا برزخ میں، ان سے امداد طلب کی جاسکتی ہے وہ اللہ کے فضل سے یہاں بھی زندہ ہیں اور وہاں بھی زندہ ہیں، یہاں بھی مختار ہیں اور وہاں بھی مختار ہیں،

**استعانت کا ثبوت:** جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو ہر قسم کی عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اس کی حقیقی اور مجازی تقسیم قطعی طور پر حرام ہے، یعنی حقیقی طور پر تو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا، مگر مجازی طور پر کسی اور کی عبادت کرنا، ہرگز جائز نہیں، جبکہ استعانت کی دو قسمیں ہیں، حقیقی استعانت اور مجازی استعانت، حقیقی استعانت بھی صرف اور صرف

اللہ تعالیٰ سے جائز ہے، اور ایسا کہ نستعین، ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، جس کا عقیدہ ہو کہ کوئی نبی اور ولی کوئی صدیق اور شہید، کوئی حکیم اور حاکم حقیقی طور پر، ذاتی طور پر، خدا تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے بغیر ہی مدد کر سکتا ہے تو وہ پکا مشرک ہے، پکا کافر ہے، کیونکہ حقیقی، ذاتی، استقلالی، ازلی، ابدی مددگار فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہاں مجازی استعانت اسکی مخلوق سے جائز ہے، کیونکہ اس نے اپنی مخلوق کو اپنی امداد کا مظہر بنایا ہے، یہ عالم اسباب ہے، اور عالم اسباب میں رہتے ہوئے اسباب سے بے اعتنائی اس حکیم مطلق کی حکمت اور مشیت کے خلاف ہے، ایک شخص جسمانی طور پر بیمار ہے تو اسے کسی طبیب حاذق کے پاس جانے، اس سے مجازی استعانت کرنے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی معاشرتی طور پر استحصال کا شکار ہو جائے تو اسے حاکم وقت کی خدمت میں التماس کرنی چاہئے، اس سے انصاف کی امید رکھنی چاہئے، یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے، اس عالم اسباب میں کوئی آدمی اسباب سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اصل قوتوں کا مالک خالق اسباب ہے، جس نے انسان کیلئے طرح طرح کے اسباب پیدا فرمائے، حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اگر کوئی شخص روحانی طور پر بیمار ہو جائے یعنی اسے حسد، ہوس، تکبر، بغض، بلکہ کفر اور شرک کی بیماری لاحق ہو جائے تو اس کے لئے انبیاء اور اولیاء کی بارگاہ میں جانے کا حکم ہے، ان کی صحبت میں شفا ہے، ان کی سنگت میں دوا ہے،

آنکہ چشم مست بصد حیلہ واکند

سگ را ولی کند، بگس را ہما کند

اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں ان کی ذوات قدسیہ کو ہدایت و مغفرت کا سرچشمہ بنایا ہے، لیکن منافقین کی ایک عادت ہے کہ وہ حاکم وقت اور حکیم حاذق کے پاس



جانا شرک نہیں سمجھتے، انبیاء اور اولیاء کے حضور جانا تو شرک جانتے ہیں، قرآن فرماتا ہے،

..... جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے

بخشش کی دعا کریں، تو اپنا سر پھیر لیتے ہیں، تم ان کو دیکھو گے کہ وہ

لوگوں کو بھی (ان کے پاس جانے سے) روکتے ہیں، اور وہ نہایت

منکبر انسان ہیں (سورۃ المنافقون)

..... جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اس کی طرف جو اللہ نے

نازل کیا اور (آؤ) رسول کی طرف تو اسے محبوب تم ان منافقوں کو

دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف آنے سے (کتر اتے ہیں اور) لوگوں

کو روکتے ہیں۔ (سورۃ النساء)

ان آیات قدسیہ سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم، رسول معظم ﷺ کی بارگاہ کو مغفرت و رحمت کا وسیلہ نہ ماننا اور ان سے آکر استغانت نہ چاہنا منافقوں کا طریقہ ہے، اور منافقت کی نشانی ہے، مجازی استغانت کا ثبوت قرآن میں بھی ہے اور مصطفیٰ کریم ﷺ کے فرمان میں بھی ہے، وہ اسباب کے ماتحت ہو یا اسباب سے مافوق ہو، ہم عرض کر چکے ہیں کہ ماتحت اور مافوق کی قید ان لوگوں کے اپنے ”کرشمہ ساز حسن“ کا کمال ہے جو انبیاء اور اولیاء سے استغانت کو شرک سمجھتے ہیں، چونکہ وہ خود اس عالم اسباب میں رہتے ہوئے حاکم وقت کی اشیر باد، حکیم حاذق کی امداد، جہادی چندے کی فریاد، امریکہ اور برطانیہ سے استمداد کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے، اس لئے انہیں اسباب کے ماتحت ہونے والے شرک کی کڑوی گولی ٹھکانا پڑی، ورنہ قرآن کی کسی آیت اور حدیث کی کسی روایت میں ماتحت اور مافوق سے استغانت، زندہ اور مردہ سے استغانت، حاکم وقت اور انبیاء سے حق سے استغانت کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا کہ ان سے جائز ہو

اور ان سے حرام ہو، یہ سب کی سب مجازی استغانت ہے اور حقیقی استغانت کی مظہر ہے لہذا اطلاق طور پر جائز ہے۔ اسباب کے ماتحت استغانت سے تو ان کو بھی کوئی انکار نہیں، جیسا کہ حضرت شیخ ابن باز نجدی نے اعتراف کیا ہے۔

”ظاہری اسباب اختیار کرنا یا دنیوی معاملات میں

(جن کا حل ہونا کسی کے ذریعہ ممکن ہو) کسی زندہ اور سامنے موجود

فخص سے مدد کی اپیل کرنا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائز اور

درست ہے، اور اس کو عبادت میں شمار نہیں کیا جائے گا، مثلاً کسی کا

لڑکا یا خادم یا مولیٰ کسی ناگہانی آفت و بلا کا شکار ہو جائے تو ایسی

صورت میں کسی ایسے فخص سے مدد لی جاسکتی ہے جو اس کی قدرت

رکھتا ہو، یا گھر وغیرہ کی تعمیر و اصلاح کیلئے سامنے موجود فخص سے

بالمشافہ یا کسی دور افتادہ فخص سے بذریعہ خط و کتابت مشورہ لیا

جاسکتا ہے، جیسا کہ خاندان موسوی سے تعلق رکھنے والے اس کمزور

فخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد کی اپیل کی تھی۔ جس کا

نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے، فاستغاثہ الذی من شعبہ

علی الذی من عدوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریبی آدمی نے

اپنے دشمن کے خلاف ان سے مدد کی اپیل کی، (سورۃ القصص: ۱۵) اسی

طرح سے جہاد و جنگ میں ایک ملک کا دوسرے ملک سے یا ایک

فخص کا دوسرے فخص سے تعاون لینا جائز ہے، مصیبتوں میں

مردوں، جن و ملک اور شجر و حجر سے مدد کی اپیل کرنا سراپا شرک، اور

کفار عرب جیسا کام ہے، جو معبودان باطل لات و عزری وغیرہ

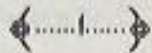


بتوں سے مدد مانگتے تھے، اسی طرح کسی زندہ آدمی کو اللہ کا ولی سمجھ کر اس سے مدد طلب کرنا اور جنت طلب کرنا، جہنم سے چھٹکارا دلانے کی درخواست کرنا یا شفا یابی کی امید رکھنا سب کا سب شرک ہے، کیونکہ یہ سب کام اللہ کا ہے، مخلوق میں سے کسی کے بھی بس کی بات نہیں“ (عقیدہ المسلم ص ۱۵۵، ۱۵۶)

حضرت شیخ ابن باز نجدی کے فلسفہ استعانت میں ظاہری اسباب کے ماتحت غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ زندہ ہو اور سامنے موجود ہو، اور امداد کی قدرت رکھتا ہو، ہم پوچھتے ہیں کہ کسی بھی غیر اللہ کا زندہ ہونا، سامنے موجود ہونا اور امداد کی قدرت رکھنا اللہ قادر و مستعان کے حکم اور فضل سے ہے یا حکم و فضل کے بغیر ہے۔ اگر اس کے حکم و فضل کے بغیر ہے تو حضرت شیخ ابن باز نجدی کو شرک سے کوئی نہیں بچا سکتا، کیونکہ انہوں نے ایسے زندہ، سامنے موجود اور امداد پر قدرت رکھنے والے آدمی کو یا ملک کو اللہ تعالیٰ کے برابر تسلیم کر لیا جو اس کی مشیت و قدرت کے مقابلے میں تصرف پر تصرف کرتا جا رہا ہے، اور اگر کوئی زندہ، سامنے موجود اور امداد پر قدرت رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم و فضل سے امداد کرتا ہے تو کیا یہ حکم و فضل کسی نئی اور ولی پر نہیں ہوا، کسی فوت شدہ مرد مومن اور ملک مقرب پر نہیں ہوا، کسی راجل غیب اور دور بیٹھے ہوئے بطل کامل پر نہیں ہوا یا نہیں ہو سکتا، ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی فرد کائنات اگر کسی کی امداد کرتا ہے تو محض اس مستعان حقیقی کے حکم اور فضل سے کرتا ہے، اگر وہ نہ چاہے تو کسی کو آنکھ جھپکنے کی بھی توفیق نہیں مل سکتی۔ افسوس کہ حضرت شیخ کی نظر میں ایسے خوبصورت عقیدے والے لوگ مشرک ہیں اور اسباب کے ماتحت سارے جہان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت و قدرت سے خارج کرنے والے موحد ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اگر کوئی کہے کہ اسباب کے ماتحت تو استعانت

کا ثبوت ہے، مثلاً فرمایا ۔

- ❖..... اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، (القرآن)
  - ❖..... بے شک اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اسکی مدد کرے گا، (القرآن)
  - ❖..... نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں (ایک دوسرے کی) مدد کرو، (القرآن)
  - ❖..... حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے فرمایا، اے قوم اپنی قوت سے میری مدد کرو (القرآن)
- اس طرح کی اور بھی آیات قدسیہ موجود ہیں، لیکن اسباب سے مافوق استعانت کا کوئی ثبوت نہیں، لہذا یہ تسلیم نہیں کر سکتے، ہم کہتے ہیں کہ اسباب سے مافوق استعانت کے بیشمار دلائل ہیں جو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں، سب سے پہلے تو یہ کہ حضرت شیخ ابن باز نجدی نے تین شرائط کے ساتھ استعانت کو جائز قرار دیا ہے، اگر یہ شرائط انبیا اور اولیا کے بارے میں پوری ہو جائیں تو اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ تسلیم کر لینا چاہئے۔



اولا کسی زندہ آدمی سے مدد مانگنا جائز ہے، لیکن اسی عبارت میں پھر بدل گئے اور کہنے لگے ”کسی زندہ آدمی کو اللہ کا ولی سمجھ کر اس سے مدد طلب کرنا، جنت طلب کرنا، جہنم سے چھٹکارا دلانے کی درخواست کرنا یا شفا یابی کی امید رکھنا سب کا سب شرک ہے“ معلوم ہوا کہ ان کو ”ولی اللہ“ سے شدید دشمنی ہے۔ کوئی اور زندہ آدمی ہو تو مدد مانگنا جائز ہے، لیکن ولی اللہ زندہ بھی ہو تو پھر بھی اس سے مدد مانگنا شرک ہے۔ جنت کا طلب کرنا، جہنم سے چھٹکارا دلانا یہ سب اللہ تعالیٰ کے انبیا اور اولیا سے باذن اللہ ثابت ہے، کیا حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے جنت نہیں مانگی، (مسلم شریف) حدیث پاک ہے، تم مجھے اپنی زبان کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، (بخاری شریف) اور فرمایا، تم دوزخ کی آگ میں پتنگوں کی طرح گزر رہے ہو، میں تمہیں



پکڑ کر بچا رہا ہوں، (مسلم شریف) کیا کوڑھ کے مارے ہوئے اور اندھے انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شفا یابی کی امید نہیں رکھتے تھے، کیا صحابہ کرام نے حضور پر نور ﷺ کے لعاب دہن سے استفادہ نہیں کیا، ہزاروں روایات تو اتر کے ساتھ منقول ہیں کہ امت محمدیہ کے اولیا کرام نے باذن اللہ مردوں کو زندہ کیا، بیماروں کو شفا بخشی اور گنہگاروں کو جنت کی امید دلائی، اور جہنم کے طوق کاٹے، بہر حال ان کا فرمانا کہ زندہ سے مدد مانگنا جائز ہے تو یقین کیجئے کہ ہم زندہ انبیاء کرام اور پابندہ اولیا عظام سے مجازی طور پر استعانت کرتے ہیں جو فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی استعانت کی مظہر کامل ہے۔ اس عقیدے پر قرآن و حدیث، صحابہ کے آثار، اولیا اور فقہاء کے اقوال بھرپور دلائل فراہم کر رہے ہیں کہ انبیاء اور اولیا اپنے مزارات میں زندہ ہیں اور باذن اللہ روحانی قوتوں سے امداد کرتے ہیں۔

﴿.....۲.....﴾

ثانی کسی آدمی کا سامنے موجود ہونا، تو اس پر قرآن و حدیث اور صحابہ کے آثار اور اولیا و فقہاء کے اقوال شاہد ہیں کہ انبیاء اور اولیا اپنے مزارات میں رہتے ہوئے اللہ کے حکم اور فضل سے پوری کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں، کسی کے موجود ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نظر بھی آئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام اور ہزاروں فرشتے امداد کرنے کے لئے آتے تھے لیکن سب کو نظر نہیں آتے تھے، کراما کا تین، مکرین، ملک الموت، دیگر مدبرات اور مقسمات ایک ہی وقت میں کائنات کے ہزاروں مقامات پر موجود ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے، لیلۃ القدر میں حضرت جبریل علیہ السلام لاکھوں مسلمانوں سے مصافحہ کرتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ دکھائی بھی دیں، یہ سب فرشتے انبیاء کرام کے خدام بارگاہ ہیں۔ ان کی نورانی طاقتوں کا یہ عالم ہے تو ان کی روحانی قوتوں کا کیا عالم ہوگا، پھر حضور اقدس ﷺ کی روحانی موجودگی کا عقیدہ قرآن نے دیا ہے۔

..... فرمایا، جان لو بے شک تم میں اللہ کا رسول موجود ہے (سورۃ النجرات)

..... فرمایا، اور یہ رسول تم تمام کے (ہر وقت) تمہاں ہیں (سورۃ البقرہ)

یہ دونوں آیات آپ کو ساری امت میں روحانی طور پر موجود اور تمہاں ثابت کر رہی ہیں، موجود کا معنی ہے حاضر اور تمہاں کا معنی ہے ناظر،

اللہ اکبر! جو لوگ ہر جگہ حضور ﷺ کی موجودگی اور تمہاں کو تسلیم نہیں کرتے وہ شیطان کو شیطانی طاقتوں کے ساتھ ہزاروں نجدیوں کے قریب موجود مانتے ہیں، اس کے لئے نظر نہ آنے کی شرط بھی عائد نہیں کرتے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ،

جب انبیاء اور اولیا روحانی طور پر تمام کائنات میں باذن اللہ تصرف کر سکتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ جہاں تک کسی کا تصرف کام کرتا ہے وہاں تک وہ حکماً موجود ہوتا ہے، جہاں تک کسی کی نظر کام کرتی ہے وہاں تک وہ ناظر سمجھا جاتا ہے، اس کیلئے قاعدے سے انبیاء کرام بالخصوص حضور نبی کریم ﷺ اپنے غلاموں کے پاس روحانی طور پر موجود ہیں، اس پر معراج کی احادیث گواہی دے رہی ہیں کہ انبیاء کرام آن واحد میں قبروں میں بھی موجود تھے، بیت المقدس میں بھی موجود تھے، ساتوں آسمانوں پر بھی موجود تھے، روح القدس سدرہ پر بھی ہوتے تھے اور مدینہ منورہ میں بھی ہوتے تھے، حضور اقدس ﷺ ایک آن میں ہزاروں قبروں میں جلوہ گری فرماتے ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ انبیاء کرام نے اپنی قبروں میں رہتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی امداد فرمائی جو قرآن کی آیت لیس منن بہ و لتصرفن سے ظاہر ہے۔ حضور اقدس ﷺ اولیٰ ہیں، اولیٰ کا معنی ہے اقرب یعنی بہت زیادہ قریب، گویا حضور نص قرآنی کے مطابق روحانی طور پر مومنوں کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اسی لئے آپ کو جان جہاں اور جان جاناں کہا جاتا ہے۔ انفس جو سامنے موجود ہو، اسے تو مدد کیلئے پکار جائے اور جان سے بھی زیادہ قریب ہو اسے نہ پکارا



جائے نظر آنا شرط نہیں، سورج سامنے موجود ہوتا ہے، اندھوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ جو باطل نظروں کے مالک ہیں، انہیں آپ آج بھی نظر آتے ہیں، کیا امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے مجتہد بار بیداری کے عالم میں نہیں دیکھا، اور بھی ہزاروں لاکھوں افراد کا مشاہدہ منقول ہے، گویا حضور پر نور ﷺ رسالت و نبوت کے سراج منیر ہیں جو اندھوں کو نظر میں آتے، آنکھ والوں کو ہر وقت نظر آتے ہیں۔

﴿.....۳.....﴾

حکام کسی کا امداد پر قدرت رکھنا، بالکل درست، لیکن حضرت شیخ ابن باز نجدی کو کس نے کہا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے پاس امداد کی قدرت نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں، کسی بت کے وارث نہیں، اللہ تعالیٰ جس کو اپنی خلافت و نبیبت اور نبوت و ولایت سے سرفراز فرماتا ہے اسے تسخیر کائنات کی قوت بھی عطا فرماتا ہے اور تمام اسمائے ارضی اور اشیائے سماوی کا علم بھی ودیعت فرماتا ہے، لوح محفوظ پر نگاہ رکھنے کا ملکہ بھی تفویض کرتا ہے۔

چچے نہیں کنجشک وہام اس کی نظر میں

جبریل و سرا لیل کا صیاد ہے مومن

اللہ تعالیٰ کا خلیفہ عالم اسباب میں رہ کر اسباب کے ماتحت بھی تصرف کرتا ہے اور اسباب کے مافوق بھی قدرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کی مثالیں ہم پیش کر چکے ہیں، مزید حاضر خدمت ہیں، قرآن پاک گواہ ہے۔

﴿..... و مسعر لکم الیل والنہار اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر فرمایا (۱۲/۱۶)﴾

﴿..... اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اس سب کو اپنی طرف سے تمہارا مسخر کر دیا، بے شک اس میں تفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، (۱۳/۴۵)﴾

﴿..... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر چیز کو، سمندر میں اس کے حکم سے

ملنے والی کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، (۶۵/۲۲)﴾

﴿..... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز تمہارے لئے مسخر کر دی، اور تم پر اپنی نعمتیں ظاہر میں اور باطن میں کمال کو پہنچا دیں، اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتا ہے، (۳۶/۴۰)﴾

خدا را ان آیات پر غور کیا جائے، اللہ تعالیٰ کتنی وضاحت و صراحت کے ساتھ

تار ہا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارے لئے مسخر کر دی ہے، واسبغ علیکم

لعمہ ظاہرہ و باطنہ یعنی اس نے تم پر ظاہر میں اور باطن میں اپنی نعمتیں کمال پر پہنچا دیں

ہیں ظاہر میں نعمتیں اسباب کے ماتحت ہیں اور باطن میں نہیں اس کے مافوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا

خلیفہ ظاہر کے ساتھ باطن کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہوتا ہے۔ ان باطنی نعمتوں میں ایمانی

قوتیں، روحانی طاقتیں، وجدانی عظمتیں شامل ہیں جن سے کام لے کر وہ کبھی لوہے کو نرم

کرتا ہے، کبھی پہاڑوں اور پتھروں کو نغے سکھاتا ہے، کبھی چاند کے دو ٹکڑے کرتا ہے، کبھی

سورج کو مقام عصر پر لاتا ہے، کبھی درختوں کو اپنی بارگاہ میں بلاتا ہے، کبھی لعاب دہن سے

مریضوں کو شفا بخشتا ہے، کبھی ہاتھ لگا کر مردوں کو زندہ کرتا ہے، کبھی پھونک مار کر مٹی کے

پرندے اڑاتا ہے، کبھی عصا پھینک کر جادو کے کرشمے فدا کرتا ہے، کبھی عصا کے زور سے پتھر

سے چشمے جاری کرتا ہے، کبھی آگ کو گلزار بناتا ہے، کبھی مستقبل کے اسرار کھولتا ہے، کبھی کشتی

کا تختہ اکھاڑ کر بھی اسے ڈوبنے سے بچاتا ہے، آگ کو راز دے کر ٹھنڈا کرتا ہے، سمندروں کو

ریت میں ملاتا ہے، پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرتا ہے، دریائوں کو حکم دے کر چلاتا ہے، ہزاروں

میل دور اپنی آواز پہنچاتا ہے، جنگلوں میں رہے تو درندوں کو نکل جانے کا حکم دیتا ہے، بارہ

سال کا ڈوبا ہوا بیڑا اتراتا ہے، کبھی زہر کھالے تو موت کی تاثیر ختم کرتا ہے، ملک الموت کو

تھپہ مار کر آنکھ کھال دیتا ہے، جلال میں آجائے تو کائنات میں زلزلہ برپا کر دیتا ہے، جمال



میں آئے تو ہدایتوں کے ہاڑے تقسیم کرتا ہے، مشرق سے لیکر مغرب تک کی سیر کرتا ہے۔  
اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، فرمایا،

..... اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے بس میں کر دیا، سو تم انکی راہوں میں چلو، اس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے (۱۵/۶۷)

..... اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ وہ دونوں گردش میں ہیں (۳۲/۱۳)

..... وَالْفَلَکَ الّٰتِیْ تَحْرِیْ فِی الْبَحْرِ مِمَّا یَنْفَعُ النَّاسَ، اور کشتی جو سمندر میں لوگوں کے نفع کیلئے چلتی ہے، (۱۶۴/۲) اور تمہارے لئے ندیوں کو مسخر کر دیا، (۳۲/۱۳)

اللہ اکبر! قرآن فرما رہا ہے کہ اللہ کے حکم سے کشتی بھی نفع کا سبب ہے، لیکن مگر اعلان کر رہے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کوئی نفع نہیں دیتے، قرآن فرما رہا ہے کہ ندیاں بھی مسخر ہیں، اور بندہ مومن کے ایک اشارہ ابرو پر ہنچا اور ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سامنے نیل اور دجلہ کے دریا مسخر ہو گئے، حضرت بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، مرد کامل وہ ہے جو اگر ہمتی ہوئی ندی سے کہے کہ ائی بہنا شروع ہو جا تو وہ اتنی بہنے لگے، آپ اس وقت ایک ندی کے کنارے کھڑے تھے، وہ ندی فوراً الٹا بہنا شروع ہو گئی۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا اور یا

سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے راکھی

اللہ فرماتا ہے، اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا غیاث بہ الارض بعد موتھا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، وہ پروردگار آسمانی پانی سے مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے تو انبیاء اور اولیاء کی نظر باطن سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے، معلوم ہوا انسان اگر انسانیت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جائے تو ہر چیز پر اس کی حکومت جاری ہو جاتی ہے۔ انسانیت کا

اعلیٰ مرتبہ یہی خلافت الہی کا مرتبہ ہے، حضرت شیخ ابن باز نجدی نے استغانت کے لئے شرط عائد کی تھی، امداد پر قدرت رکھنا، تو آئیے دیکھئے انبیاء اور اولیاء کس طرح اسباب سے بافق بھی امداد پر قدرت رکھتے ہیں،

..... حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں، اس کی شرح میں ایک غیر مقلد عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں، وہ کتابی تعلیمات کا عالم تھا، جس کی وجہ سے اس کو ایسے امور پر قدرت تھی، وہ بولا کہ حضور کی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں اس تحت کو حضور کے سامنے لا سکتا ہوں، (تفسیر ثنائی ص ۳۵۴) اب خود ہی انصاف کریں کہ زیور کا علم رکھنے والا تو اتنے تصرف کا مالک ہے قرآن کا علم رکھنے والا کیوں نہ ڈوبے ہوئے بیڑے کنارے پر لگا سکے گا، اور پھر ان تصرفات میں جب قدرت الہی کا رفرما ہے تو حیرت کی کوئی بات ہے، هذا من فضل ربی، یہ میرے رب کا فضل ہے،

..... حضرت غصن علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کشتی توڑ ڈالی، ایک لڑکا قتل کر دیا اور یتیم بچوں کی دیوار سیدھی کر دی، ان کاموں کا کوئی ظاہری سبب نظر نہیں آتا تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال پر سوال کئے، آخر میں انہوں نے ان اسباب سے بافق امور کی علت بیان فرماتے ہوئے کہا،

”وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے، تو

میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر کشتی چھین لیتا تھا، اور وہ جو لڑکا تھا، اس کے ماں باپ مسلمان تھے، تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر پر چڑھا دے گا، تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر صاف ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں عطا کرے، رہی دیوار تو وہ شہر کے دو یتیم



لڑکوں کی تھی، اور اس کے بیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ٹیک آدمی تھا، تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو بچھیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، (سورۃ الکہف آیت ۷۹، ۸۲) بتائیے یہ کمالات اسباب کے ماتحت ہیں یا اسباب سے مافوق ہیں؟

..... حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی علیہ السلام کے لئے اپنا جبہ مبارک ارسال کیا کہ ان کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئے، فرمایا، جب خوشی سنانے والا آیا تو وہ قمیض حضرت یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دی، اسی وقت ان کی آنکھیں لوٹ آئیں، قمیض کے ذریعے شفا عطا کرنا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے نیز حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگنا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو آپ نے اپنے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا، آپ نے اپنے اشارے سے اپنے بیٹے کی امداد فرمائی، مفسرین فرماتے ہیں یہ اللہ کی برہان تھی، جس کا اس آیت میں ذکر ہے،

”اور یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے، کنعان میں بیٹہ کر فرزند گرامی کو گناہ کی دلدل سے بچانا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہو گئے، تو فرمایا، اے ایوب زمین پر اپنا پاؤں مار، یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کیلئے، پاؤں کی برکت سے ٹھنڈے چشمے کا پھوٹنا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... فرمایا، ہم نے اس طرح ابراہیم کو زمینوں اور آسمانوں کی تمام بادشاہیاں دکھا دیں، یہ زمین و آسمان کی بادشاہیاں دیکھنا اسباب کے تحت ہے یا فضل و ہاب کے ماتحت ہے؟

..... فرمایا، لوگوں میں حج کی آواز پہنچاؤ، (سورۃ الحج) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آواز پہنچانا اور قیامت تک کی روحوں کا لہیک کہنا، اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مردہ پرندوں کو بلانا اور ان کا دوڑ کر چلے آنا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسی پھلوں کا آنا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... حضرت سلیمان علیہ السلام کا تین میل سے چوٹی کی آواز سن کر مسکرانا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟

..... حضور نبی کریم ﷺ کا چاند سے باتیں کرنا، قلم قدرت کی آواز سننا، آن واحد میں فرش سے عرش پر جانا، راجز مکہ کی دہائی کا جواب دینا، ہر اہل محبت کا درد اپنے کانوں سے سماعت فرمانا، اٹھلیوں سے پانی چلانا، ہر انسان کی قبر میں جلوہ نما ہونا، نماز کسوف میں کھڑے ہو کر جنت کے خوشے پر ہاتھ ڈالنا، جنت میں رہ کر بلال کے جوتوں کی آواز سننا، سامنے چہرہ رکھ کر پیچھے بھی پوری طرح دیکھنا، ایک لمحے میں زمین کے مشرق و مغرب کو مشاہدہ کرنا، اعمال امت کا مشاہدہ کرنا، کن کہہ کر ابو خثیمہ کو موجود کرنا، ایک آدمی کا ہاتھ مفلوج کر دینا، شاخ کو تلو اور بنادینا، صحابہ کے بازو جوڑ دینا، حضرات انبیاء سے کلام کرنا اسباب کے ماتحت ہے یا اسباب سے مافوق ہے؟ کیا بات ہے ان لوگوں کی تحقیق کی، جسمانی قوت سے اور مادی قوت سے مدد لینا تو جائز ہے مگر روحانی قوت سے اور ایمانی قوت سے مدد لینا شرک ہے، ارے کوئی ان دونوں قوتوں کو قوت پروردگار کے برابر یا بالمقابل سمجھ کر مدد مانگتا ہے تو بلاشبہ کافر و مشرک ہے، اور کسی مسلمان کے دماغ میں کبھی اس کا خیال تک نہیں آیا، لہذا ایسا سوچنے والے علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر ہی جھگڑا کر رہے ہیں۔



وہ نہیں دیتے مگر دیتے ہیں حاکم اور حکیم

تفارے منکر یہ تراکار بھی اقرار بھی

ایسا کہ نستعین میں اسباب کے ماتحت مدد مانگنے کی تخصیص کہاں ثابت ہوئی ہے، ہمیں جو ازام دیا جاتا ہے کہ آپ مجازی اور حقیقی، عطائی اور ذاتی کی اصطلاحات نافذ کر کے قرآن وحدیث کی مخالفت کرتے ہیں، کیا آپ ماتحت اور مافوق کی اصطلاحات سے بلا دلیل قرآن وسنت کے حکم مطلق کو مخصوص نہیں کر رہے؟ نماز میں تو آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں، نماز پڑھ کر حاکم اور حکیم کے پاس دوڑ لگا دیتے ہیں، اگر آپ کہیں کہ حاکم وحکیم کے پاس جانے کا بھی نماز والے نے حکم دیا ہے تو ہم کہیں گے کہ انبیاء اور اولیاء کے پاس جانے کا بھی نماز والے نے حکم دیا ہے۔ حدیث مبارک ہے، قبیلہ بنو ہوازن کا وفد آیا اور حضور اقدس ﷺ کے احسان کا طالب ہوا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اذا صلیتم الظهر فقلو لو انا نستعین برسول اللہ علی المؤمنین والمسلمین فی نائلنا و ابنائنا، جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا، ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں، مؤمنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں (نسائی من عروبن شعیب عن ابی عن جدہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما الامن والعلی ص ۱۰۲)

اب کون ہے جو کہے کہ رسول کا "نستعین برسول اللہ" فرمانا ایسا کہ نستعین کے خلاف ہے، کیا رسول خود شرک کی تعلیم رہے ہیں (معاذ اللہ) معلوم ہوا کہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے اور مجازی طور پر رسول اللہ ﷺ سے بھی استعانت ہو جائے تو شرک نہیں، کیونکہ اس استعانت میں اس استعانت کا ظہور ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں،

"حدیث فرماتی ہے، سید عالم ﷺ نے بنفس نفیس تعلیم فرمائی کہ

ہم سے مدد چاہنا، نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں، ایسا کہ نستعین کے معنی کہیں، استعانت تو خدا ہی کے ساتھ مخصوص تھی، یہ ارشاد کیسا ہے کہ ہم سے استعانت کرنا اور زمان حیات دنیاوی اور اس کے بعد کا تفرقہ وہابیہ کی جہالت ہی نہیں بلکہ سراسر ضلالت ہے، قطع نظر اس بات سے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب بحیات حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں، جو بات خدا کے لئے خاص ہو چکی، غیر خدا کے ساتھ شرک ٹھہر چکی، اس میں حیات وموت، قرب وبعد ملکیت و بشریت خواہ کسی وجہ کا تفرقہ کیسا، کیا بعد موت ہی شرکت خدا کی صلاحیت نہیں رہتی، بحال حیات شریک ہو سکتے ہیں، یہ جنون وہابیہ کو ہر جگہ جاگتا ہے، جس نے انہیں حمایت تو حید کے زعم میں الٹا مشرک بنا دیا ہے، ایک بات کو کہیں گے شرک ہے، پھر کبھی موت وحیات کا فرق کریں گے، کبھی قرب وبعد کا، کبھی کسی اور وجہ کا، جس کا صاف حاصل یہ نکلے گا کہ یہ انوکھے موحد بعض قسم مخلوق (کو) خدا کا شریک جانتے ہیں، جب تو وہ بات کہ غیر کیلئے اس کا اثبات شرک تھا، ان کے لئے ثابت مانتے ہیں، اب کھلا کہ ان کے امام نے تقویۃ الایمان میں ان وہابی ہی صاحبوں کی نسبت کہا تھا (اور اب شیخ ابن باز کہہ رہے ہیں) کہ اکثر لوگ شرک میں گرفتار ہیں، اور دعویٰ مسلمانی کا کئے جاتے ہیں، سبحان اللہ، یہ منہ یہ دعویٰ، سچ فرمایا اللہ صاحب نے کہ نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر شرک



کرتے ہیں، یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ ان کی فاحشہ جہالتوں کی پردہ دری کرتا ہے، وباللہ التوفیق (الامن داخلہ ص ۱۰۲)

گویا اگر عام مسلمان فوت شدہ اور بعید لوگوں سے اسباب سے مافوق مدد مانگ کر مشرک ہو گئے تو یہ نجدی حضرات زندہ، اور قریب لوگوں سے اسباب کے مافوق مدد مانگ کر مشرک ہو گئے، کیونکہ غیر خدا ہونے میں فوت شدہ اور زندہ، بعید اور قریب ماتحت اور مافوق سب برابر ہیں۔ پھر مسلمان کون رہا؟ حضور اقدس ﷺ کی حدیث مبارک ہے،

”جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی سختیوں میں سے ایک سختی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے روز قیامت کی سختیوں میں سے ایک سختی دور فرمائے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا، اور اللہ اپنے بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے، جب تک کہ وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے“ (رواہ المسلم)

یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ مسلمان ہر مسلمان کا مددگار ہے۔ اور اس سے مدد طلب کرنا ایسا کہ نستعین کے خلاف نہیں، پھر انبیاء اور اولیاء کیوں مددگار نہیں ہوں گے، غیر مقلد عالم وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں، اولیاء اللہ کی ارواح سے بعد موت بحکم و مرضی الہی تصرفات ہوتے ہیں، اور طرح طرح کے فیوض و برکات بھی، حضرات صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے اور اتفاق کے ساتھ بتواتر ان سے اس قسم کے واقعات منقول ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا مگر بعض اہل ظاہر نے جو سخت تشدد اور غلو رکھتے ہیں، ان امور کا انکار کیا ہے (لفات الحدیث ۱۷/۲) مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب بھی لکھتے ہیں، اولیاء کرام کی

کرامت اور تصرفات و وفات کے بعد بھی اپنی حالت پر باقی رہتے ہیں بلکہ وفات کے بعد ولایت میں مزید ترقی ہو جاتی ہے اس پر علامہ ابن عبد البر کی نقل کردہ حدیث دلیل ہے، (تذکرہ الرشید ۲/۲۵۳) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، فقیر مرتا نہیں ہے، صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے، فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا (امداد الصالح ص ۱۱۳) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اور نقشبندیوں کے عجیب اور حیران کن تصرفات ہیں ہمت باندھنا، کسی مراد پر، پس وہ مراد ہمت کے مطابق ہوتی ہے، اور طالب میں تاخیر دکھانا اور بیماری کو دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا فیض ڈالنا، اور لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنا تاکہ وہ خدا کے محبوب اور معظم ہو جائیں اور ان کے خیالات میں تصرف کرنا، تاکہ ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور اللہ والوں کی نسبت پر آگاہ ہو جانا، خواہ وہ زندہ ہوں یا قبروں میں ہوں، اور لوگوں کے ان قلبی خطرات و وسوسوں پر مطلع اور متصرف ہونا جو ان کے سینوں میں خلجان اور شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں، اور آئندہ ہونے والے واقعات کا کشف اور نازل ہونے والی مصیبت کو نال دینا، ان کے علاوہ نقشبندی حضرات کے اور بھی تصرف ہیں، (القول الجلیل ص ۱۱۱)

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، وفات پانے والے اولیاء اور صلحا سے استعانت اور استفادہ جاری ہے، اور ان سے افادہ اور امداد بھی منظور ہے، (تفسیر فتح العزیز ص ۵۰، پارہ ۳۰) اس قسم کی واضح عبارات صحابہ کرام سے لے کر آج تک کے زمانے کے عظیم علما کرام سے متعدد اور متواتر منقول ہیں اور یاد رہے کہ انبیاء کرام کو اپنے معجزات ظاہر کرنے پر اختیار دیا جاتا ہے۔ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے معجزہ ظاہر کر دیں، اس طرح کامل اولیاء کو کرامات کے ظاہر کرنے پر اختیار حاصل ہوتا



ہے، حضرت امام تفتازانی لکھتے ہیں،

”کرامت خلاف عادت امر کے ظہور کو کہتے ہیں، اور یہ جائز ہے، اگرچہ ولی کے ارادے سے ہو، یہ معجزات کی جنس سے ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان سب کو شامل ہے، اور یہ واقع ہے جسے حضرت مریم، آصف بن برخیا، اور اصحاب کہف کا قصہ، اور اس جنس کے واقعات صحابہ، تابعین اور صالحین امت سے بکثرت صادر ہوتے ہیں، معتزلہ فرقہ اس کا مخالف ہے،“ (مقام علی شرح القاصد ۲/۲۰۳)

حضرت امام عینی، حضرت امام ابن حجر، حضرت امام نووی علیہم الرحمہ جیسے متقدمین نے بھی کرامت کے اختیاری ہونے کا قول نقل کیا ہے، یعنی ولی کامل چاہتا ہے تو اس کے حق میں قدرت الہی کی طرف سے کرامت ظاہر ہو جاتی ہے، امام عبد الوہاب شمرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، وما لکامل من قدر علی الکرامة، کامل وہ ہے جو کرامت پر قادر ہو، (الایات ۱۰۵/۲) نیز اس پر بھی علماء کرام کا اتفاق ہے کہ کرامات وصال اولیا کے بعد منقطع نہیں ہو جاتیں، (شاہد الحق ص ۱۸۸) امام ابو سعید قنوی لکھتے ہیں، انبیاء اور اولیا سے ان کے وصال کے بعد بھی مدد مانگنا جائز ہے اور انہیں وسیلہ ماننا درست ہے کیونکہ انہیں اور کرامت موت سے منقطع نہیں ہوتی، امام ربلی اور امام الحرمین سے بھی یہی منقول ہے کہ کرامت موت سے منقطع نہیں ہوتی (البرہۃ شرح الطریقہ ص ۲۷۰)

اب ان جلیل القدر علما کے عقائد کی موجودگی میں ایک بے بصیرت انسان کی بات پر کون کان دھرے،

کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

### ﴿.....چند آیات کا افہام.....﴾

حضرت شیخ ابن باز نجدی نے اپنے زعم باطل سے کام لیتے ہوئے چند آیات قدسہ کو رسول اللہ ﷺ سے استغانت کے خلاف پیش کیا ہے، حالانکہ ان آیات قدسہ کا متعلقہ موضوع سے دور کا واسطہ بھی نہیں،

﴿.....واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا، اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (سورۃ النساء: ۳۶)﴾

﴿.....وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين، اهل کتاب کو خلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، (سورۃ البقرہ: ۵)﴾

﴿.....وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه، اللہ وصیت کر چکا ہے کہ تم سب اسی ایک کی عبادت کرو، (سورۃ الاسراء: ۲۳)﴾

﴿.....فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرين، پوری دل جی اور تندہی کے ساتھ اللہ کو یاد کرو، یہ چیز گرچہ کفار و مشرکین پر گراں ہی کیوں نہ گزرے (سورۃ الفاطر: ۱۳)﴾

﴿.....اے نبی! آپ کے رب کا حکم ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا، جو لوگ میری عبادت سے گریز کرتے ہیں وہ ذلت و خواری کے ساتھ جہنم رسید ہوں گے (سورۃ الفاطر: ۶۰)﴾

﴿.....والذين يدعون مع الله الها اخر، مؤمن بندے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے، (سورۃ اعراف: ۶۸)﴾ (شکر ہے شیخ کے ترجمہ نگار نے لا یدعون کا معنی ”عبادت نہیں کرتے“ کیا ہے)

﴿.....ولقد نصركم الله بيد رواتم اذلة، غزوہ بدر میں جب کہ تم تھوڑے تھے، اللہ نے تمہاری مدد فرمائی، (سورۃ آل عمران: ۱۲۳)﴾

﴿.....قل فما ادعوا ربی ولا اشرك به احداً، قل لیس لایملک لکم نفعا ولا رشداً﴾



اے نبی! آپ صراحت سے کہہ دیں کہ میں رنج و الم کے وقت اپنے پالنہار کو پکارتا ہوں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیں کہ میں تمہارے کسی لمحہ نقصان کا مالک نہیں (سورۃ النجم: ۲۰)

..... وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ..... اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ذات کو نہ پکاریے جو نہ آپ کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی نقصان، پس اگر ایسا کریں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے (سورۃ ہود: ۱۰۶)

..... اگر آپ نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارا تو اپنا نام آپ ظالموں کی فہرست میں پائیں گے، (ایضاً: ۱۰۶)

..... ہر قوم و ملت کے لئے کوئی نہ کوئی رسول بھیجا تا کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں، اجتناب الطاغوت، اور غیر اللہ کی پرستش سے باز رہیں (سورۃ النمل: ۲۶)

ان آیات قرآنیہ کا ترجمہ مولانا لقمان سلفی نے کیا ہے حیرت ہے کہ ان آیات قرآنیہ کو کس طرح رسول اللہ ﷺ کے خلاف استعمال کیا گیا ہے۔ ان سب آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے، یہاں دعا کا معنی بھی عبادت ہے، اور مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یا اللہ تعالیٰ کے برابر یا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جن بتوں اور مجسموں کو پکارتے تھے تو گویا وہ ان کی عبادت کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو پکارتا، برابر سمجھ کر پکارتا، مقابلے میں پکارتا، زمرہ عبادت میں داخل ہے، بعض دفعہ وہ ان کی عبادت کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ قرار دیتے تھے، یہ بھی غلط تھا کیونکہ وسیلے کی عبادت بھی ہرگز جائز نہیں۔ ان امور کو ہم قرآن پاک سے ثابت کرتے ہیں، وباللہ التوفیق

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كُفَّار عَرَبِ اللَّهِ تَعَالَى كُوْچھوڑ کر بتوں اور مجسموں سے مدد مانگا کرتے

تھے کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے اور ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے لہذا یہ بت ان کے مددگار ہو کر بڑی بنا دیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ اللَّهِ وَكَبِيرًا اور نہیں ہے اللہ کا کوئی ولی کمزوری کی بنا پر اور اس کی بڑائی بولو، (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۱۱) اور فرمایا، اور پوچتے ہیں وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ انہیں نقصان دیں اور نہ نفع پہنچا دیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں اللہ کے نزدیک، اور فرمایا، کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں، وہ اپنی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی کوئی یاری ہو، یاد رکھیں کسی نبی اور ولی کے بارے میں کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں۔

ثانیاً کفار عرب بتوں اور مجسموں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ کر پکارا کرتے تھے، اسی طرح عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت میں برابر کا حصہ دار سمجھتے تھے، (ہشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”دوزخ میں مشرک اپنے بتوں سے کہیں گے، اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے، کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے“ اور فرمایا، کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا، اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو بنایا، اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں، جہالت سے یہ کفار فرشتوں کا نام عورتوں جیسا رکھتے تھے، اور فرمایا ”کافر ہو گئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے“ اور فرمایا، ”بے شک کافر ہو گئے وہ جو کہتے ہیں، اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے“ اور فرمایا ”کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی شریک ہے اس میں جو ہم نے تمہیں دیا کہ تم اس میں برابر ہو“ یاد رکھیں کسی نبی ولی کے بارے میں کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں۔

ثالثاً کفار عرب اپنے بتوں اور مجسموں کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مدد



کے لئے پکارتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”یہ کفار، خدا کو عاجز نہیں کر سکتے، زمین میں اور نہ کوئی خدا کے مقابل ان کا ولی مددگار ہے، اور فرمایا ”ما کان لہم من ولیاء ینصرونہم من حون اللہ، اور ان کا کوئی ولی نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کرے اور فرمایا، تو کیا سمجھ رکھا ہے ان کافروں نے جنہوں نے میرے بندوں کو میرے مقابلے میں ولی بنایا، ہم نے کافروں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے، اور فرمایا، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا، اور فرمایا، ولا تدع مع اللہ احداً اور اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو، کسی نبی اور ولی کو کوئی مسلمان اس عقیدے کے ساتھ نہیں پکارتا کہ وہ اللہ کے مقابلے میں یا اللہ کے ارادے کے خلاف ہماری امداد کرے گا،

**واللہ اعلم:** کفار عرب اپنے بتوں اور مجسموں کو اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لئے وسیلہ بنا کر پوجتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور جنہوں نے رب کے سوا اور ولی (مددگار) بنائے، کہتے ہیں ما نعبدہم الا لیقر بو نالی اللہ زلفاً، تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، ایک تو یہاں ”ولی“ کا معنی معبود ہے، یہ لفظ نبیہم سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان ”ولیوں“ کی عبادت کرتے ہوئے وسیلہ سمجھتے تھے، کسی نبی اور ولی کے بارے میں کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ وہ اس کی عبادت کرتا کہ وہ اس عبادت سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی قربت کے مقام پر فائز کر دے، مسلمان تو نبی اور ولی کو اللہ تعالیٰ کا عظیم بندہ سمجھ کر، اس کے فیوضات کا وسیلہ سمجھ کر پکارتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی مشکلات کے بارے میں دعا کرے۔ اس کا ثبوت ہم کافی تفصیل سے دے چکے ہیں، مزید حاضر ہے،

﴿.....۱.....﴾

اہل یمن کے انصار حاضر خدمت ہو کر ایمان میں داخل ہوئے تو سرکارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا، ”اللہ اکبر، اللہ اکبر! اللہ کی مدد اور فتح آگئی، اہل یمن آگئے جو دل کے رقیق ہیں جن کی طبیعتیں نرم ہیں، ایمان یمنی ہے، فقہ یمنی ہے اور حکمت یمنی ہے، (صحیح بخاری کتاب المغازی، صحیح مسلم)

اس حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ”نصر اللہ“ قرار دیا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس نصر اللہ، ذکر اللہ، فتح اللہ اور احسان اللہ نہیں ہو سکتی،

﴿.....۲.....﴾

ایک شخص آشوب چشم میں مبتلا تھا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، یہ شخص اپنی آنکھوں کی شفا چاہتا تھا، اس کی عرضداشت سن کر طبیب عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا قل اللہم ینبیک الطاهر الطیب اشف بصری تو پکاراے اللہ اپنے نبی طاہر و طیب کے مدد سے (وسیلے) میری آنکھوں کو شفا عطا کر دے، (مسند احمد ۱۳۸/۳)

﴿.....۳.....﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا، فرمایا، فلهم یقتلوہم ولكن اللہ قتلہم، وما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی۔ تم نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ نے قتل کیا ہے، تم نے سنگریزے نہیں مارے، لیکن وہ تو اللہ نے مارے، (سورۃ الانفال) اور فرمایا، هو الذی یدک بنصرہ وبا المؤمنین، اس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد سے اور ایمان والوں (کی مدد) سے (سورۃ الانفال) کیا یہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور مسلمانوں کی مدد، مقابل چیزیں ہیں، نہیں ہرگز نہیں، مسلمانوں کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد کی منظر ہے، حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ ہے، وہ بالواسطہ بھی مدد کرتا ہے اور بلا واسطہ



بھی، یہاں ان دونوں قسموں کا ظہور ہے،

﴿.....۴.....﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، وَمَنْ يَقُولِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنْ حَزَبَ اللَّهُ هُمْ الْغَالِبُونَ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو مددگار بنایا تو بے شک (یہ) اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے، (سورۃ المائدہ) اس آیت کریمہ نے تو صاف واضح کر دیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی جماعت یعنی انبیاء اور اولیاء سے امداد طلب کرے، ظاہر ہے حقیقی امداد اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کی جماعت کی امداد میں اسی کی امداد کا ظہور ہے، حزب اللہ کے غلبے کا امداد کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

﴿.....۵.....﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، وَمَنْ الْأَعْرَابِ..... غُفُورٌ رَحِيمٌ، یعنی کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں قرب الہی اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے، ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے، اللہ انہیں ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے، (سورۃ التوبہ) دیکھئے اہل ایمان پر اللہ کا فضل و کرم، کس طرح ان کے لئے نبی اکرم ﷺ کی دعا طلب کی گئی ہے، اور ہمارے لئے بیان فرمایا ہے کہ رسول کی دعائیں باعث قربت ہیں، اللہ ہمارے لئے اپنے نبی کی دعائیں طلب کرتا ہے، یہ منکر لوگ کہتے ہیں، کہ نبی اکرم ﷺ کا توسل کفر ہے، آپ سے دعا طلب کرنا شرک ہے، جب ہم یا رسول اللہ کہتے ہیں تو ہمارا یہی مطلب ہے کہ آپ ہماری طرف توجہ فرمائیں اور ہماری حالت زار پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، آپ کی دعا کو اللہ ضرور شرف قبول بخشا ہے اور اپنی قربت کا ذریعہ ٹھہراتا ہے۔ اگر آپ سے دعا کروانا شرک ہوتا تو

اس کو ختم کر دیا جاتا، جس طرح ایک شخص نے سجدہ کرنے کا اذن مانگا تو آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ سجدہ صرف اللہ کی ذات کو روا ہے، امت کی محبت ہے کہ وہ اپنے محبوب کی بارگاہ میں آج بھی دعا کرنے کی گزارش کرتی ہے اور محبوب کی دعا کا صدقہ اللہ تعالیٰ مصائب کے پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اے محبوب اپنے لئے اور مومنوں کیلئے رحمت کی دعا کریں، یہی وسیلہ ہے۔

﴿.....۶.....﴾

قرآن پاک فرماتا ہے لِمَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَمْوَسِيٰ اِذْ عَلِمْنَا لَكَ رِيْكَ..... جب ان پر عذاب پڑتا تو کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے، بے شک اگر تم ہم پر سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے، اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے، پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا دیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے، جیسی وہ پھر جاتے۔ (سورۃ الاعراف آیت: ۳۳، ۳۵)

قرآن پاک نے کتنی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ آل فرعون بھی اپنی تمام تر بغاوت کے باوجود عذاب کو ٹالنے کے لئے پیغمبر برحق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتی، کیونکہ ان کا تجربہ تھا کہ خالق حقیقی اپنے محبوبوں کی دعا رد نہیں فرماتا، اس کا اپنے محبوبوں کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ وہ جب بھی مانگیں گے، ضرور عطا کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرما لیتا اور وہ لوگ عذاب سے محفوظ ہو جاتے، بعد میں پھر گمراہ ہو جاتے اور پیغمبر برحق کی خداداد عظمت و وجاہت کو فراموش کر دیتے، الحمد للہ، مسلمان حضور امام الانبیاء، محبوب کبریا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی وفادار امت ہیں، وہ اپنے محبوب کی شان و جاہت کو تصور میں رکھتے ہوئے دعا کرنے کی



التجا کرتے ہیں، کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ پروردگار اپنے محبوب کو راضی رکھے گا اور ان کی ہر دعا کو شرف قبول عطا فرمائے گا، اللہ اکبر، حضرت ابن باز نجدی اور ان کے پیروکار امریکی اور برطانوی سامراج کے ہاتھوں ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، یہودی اور عیسائی افواج نے جگہ جگہ ڈیرے جمار کھے ہیں، لیکن مجال ہے، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر التجا کریں۔

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے

امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

قوم فرعون اور قوم موسیٰ تو پریشانیوں کے عالم میں پیغمبرِ برحق کو دعا کے لئے عرض کرتی رہیں، مگر ان کی ہٹ دھرمی شاید ان سے بھی زیادہ شدید ہے، ہمیں تو کہا جاتا ہے کہ سمندروں میں مشرکین عرب بھی خدائے بزرگ جل و علی کو پکارتے تھے مگر آج ”کے“ ”مشرکین“ انبیاء اور اولیاء کو پکارتے ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ عذابوں میں قوم فرعون بھی، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تو سل اختیار کرتی تھی، مگر آج کے ”مشرکین“ حضرت محمد حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تو سل سے گریزاں ہیں، کیوں جی کیا خیال ہے۔

پڑا ملک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں

جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

﴿.....۷.....﴾

حضور تاجدارِ حرم ﷺ نے فرمایا، جو آدمی وصیت نہیں کرے گا، اسے فوت شدہ لوگوں کے ساتھ گفتگو کی اجازت نہیں ملے گی، عرض کیا گیا، بھل بتکلم الموتی، کیا فوت شدہ لوگ بھی گفتگو کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا، نعم، بتزاورون، ہاں وہ ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرتے ہیں، (اتحاف السادة المحققين ۵/۵۸، کنز العمال، المودنی

لنعمانی دینی ۲/۲۷۲، کتاب الوصایا للابن حبان) حدیث مبارک ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا والی بنے تو اسے اچھا کفن دے، کیونکہ وہ قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں، (جامع ترمذی، ۹۹۵، نسائی، ۱۳۷، ابن ماجہ، ۱۳۷، مسلمان، المیزان ۲/۱۷۹) اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات وارد ہیں جو اہل برزخ کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں، انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی حیاتِ روحوں اور جسموں کے ساتھ تحقیق ہے، اگر ان پاکیزہ حضرات کی حیات بھی صرف روحوں کیساتھ ہو تو پھر ان کی برزخی زندگی اور کافروں، فاسقوں کی برزخی زندگی میں کیا فرق رہے گا، فرق نہ کرنا بہت بڑی جہالت ہے، جو عقلاً اور نقلاً مردود ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے عقیدے کو بیوقوفی قرار دیا ہے، فرمایا،

”کیا ان لوگوں نے جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند بنادیں گے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرتے رہے، کہ ان دونوں کا جینا اور مرنا برابر ہو جائے گا، یہ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں (سورۃ الباقیہ) انبیاء اور اولیاء کی حیاتِ برزخی پر اجماع امت ہے، حضرت شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آج تک کسی نے انہیں اختلاف نہیں کیا، ایسے پاک لوگوں کا تو سل اور وسیلہ پکڑنا اور ان سے مجازی استعانت کی توقع رکھنا کیوں کر غلط ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اپنی جماعت کی حیات بھی منفرد بنائی ہے اور وفات بھی منفرد رکھی ہے۔

﴿.....۸.....﴾

اب بھی حضور فخر آدم ﷺ اور آپ کے ساتھی انبیاء کرام اور امت کے اولیاء عظام کی زیارت خواب کی حالت میں اور عین بیداری کے عالم میں بالکل ممکن ہے بلکہ ہزاروں واقعات کی روشنی میں واقع ہے۔ حدیث پاک ہے، جس نے مجھے دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا، (بخاری کتاب العلم، ترمذی کتاب



ارویا، سند احمد ۲۰۶/۵) یہ روایت کافی صحابہ کرام سے منقول ہے، پھر فرمایا، جس نے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں بھی ضرور دیکھے گا، (بخاری کتاب التعمیر، ابوداؤد کتاب الہب، مسلم کتاب الروایا)، یہ احادیث صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ حضرت امام سید اسماعیل بن مہدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”تاجدار کائنات ﷺ کے جسم کے فنا ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ احادیث میں آیا ہے کہ باقی انبیاء کرام کے ساتھ آپ کا جسم سلامت ہے، یہ بھی وارد ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں، ان کی زندگی کی طرح نیکی کے احکام جاری ہوتے ہیں، یہ بھی وارد ہے کہ ایام حرہ میں سیدنا سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بند ہو گئے تھے اور حجرہ مبارکہ کے اندر سے اذان سن کر نماز کے اوقات کو پہچانتے تھے، اور یہ بعید نہیں کہ انبیاء کرام اور اللہ کے خاص بندوں کی خصوصیات ہوں، علما کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک ہی رات میں تمام زمین والوں کو بھی تاجدار کائنات ﷺ کی زیارت ممکن ہے، کیونکہ کائنات شے کی طرح ہے، آپ سورج کی طرح ہیں، (شمس الرحمن ص ۴۱۸)

اللہ اکبر! جب حضور فخر آدم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شان عظیم عطا فرمائی ہے، وصال کے بعد بھی آپ کا فیضان نظر جاری ہے، آج بھی خوش نصیب آپ سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں، آپ کے وسیلے سے ایمان کی بلند یوں پر فائز ہو رہے ہیں۔ ایک صحابی حضرت ضمیرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سرکار مدینہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی، آپ اللہ تعالیٰ سے میری شہادت کی دعا فرمائیں، آپ نے دعا

فرمائی، اے اللہ، ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا خون کافروں اور مشرکوں پر حرام کر دے، وہ فرماتے ہیں، میں قوم کے سامنے سے حملہ آور ہوتا تھا اور مجھے ان کے پیچھے حضور ﷺ دکھائی دیتے تھے، لوگوں نے کہا، اے ابن ثعلبہ تم دھوکہ کھا کر قوم پر حملہ کر دیتے ہو، انہوں نے جواب دیا، مجھے ان کے پیچھے حضور ﷺ دکھائی دیتے ہیں، یہاں تک کہ میں ان کے پاس کھڑا ہوتا ہوں، پھر مجھے میرے اصحاب نظر آتے ہیں، میں ان پر حملہ کرتا ہوں، یہاں تک کہ میں ان کے پاس کھڑا ہوتا ہوں، حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد کافی عرصہ تک ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ زندہ رہے (مجمع الزوائد ۳۷۹/۹) یہ حدیث حسن ہے، اسیے امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں اس امر کا بھی ثبوت ہے کہ اپنے وصال کے بعد حضور ﷺ اپنے غلاموں کو بیداری کے عالم میں ملاقات کا شرف عطا فرما سکتے ہیں، حضرت امام عبد الوہاب شغرنانی علیہ الرحمہ نے بخاری شریف رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہے، حضرت شیخ احمد رفاعی علیہ الرحمہ کے لئے دست مبارک کو حزار سے نکالا تو ہزاروں افراد نے زیارت کی، حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے منہ میں لعاب دہن ڈالا تو انہیں عربی زبان کی فصاحتیں نصیب ہو گئیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے رسالہ مبداء معاد کو چوم کر قبول فرمایا اور خواص امت کو ایسے معتقدات اپنانے کا حکم صادر فرمایا، حضرت خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ کو حدیث کی صحت کے بارے میں یقین محکم عطا فرماتے رہے، حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کے السلام علیک ایہا النبی کا جواب عطا فرماتے رہے، حضرت خواجہ سید نور الدین اٹھی علیہ الرحمہ کو سلام کا جواب عطا فرمایا، حضرت شیخ ابوبکر دیار بکری علیہ الرحمہ کو سلام کا جواب عطا فرمایا، حضرت ابوالخیر قطع علیہ الرحمہ کو بھوک لگی تو روٹی عطا فرمائی، حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے مشاہدہ کیا کہ ساری کائنات حضور اکرم ﷺ کے وسیلے سے فیض حاصل کر رہی ہے، حضرت خواجہ اجیری علیہ الرحمہ کو سلام کا جواب عطا



فرمایا، حضرت شیخ عبدالرحیم دہلوی علیہ الرحمہ کو شفا عطا فرمائی اور دو مومے مبارک عنایت فرمائے جو حالت بیداری میں بھی ان کے پاس موجود تھے، پھر خاندان میں بطور تبرک موجود رہے۔ وہ جہان غیب ہو یا یہ جہان شہادت، ہر جگہ خلیفۃ اللہ الاعظم علیہ السلام کا تصرف جاری ہے، اس شان کے حامل محبوب اعظم سے امت کیوں نہ مانگے اور ان کے وسیلے سے رب العالمین کا قرب کیوں نہ حاصل کرے، راقم نے عرض کیا ہے۔

سرور کونین بھی، محبوب بھی، ولد ار بھی

مصطفیٰ ہیں دو جہاں کی جان بھی، معیار بھی

ان کے جلووں سے چمک اٹھا شبستاں وجود

ان کی آمد سے مہکتے ہیں گل و گلزار بھی

﴿.....۹.....﴾

ایک صحابی رسول نے غلطی سے ایک قبر پر خیمہ لگا لیا، اسے یہ خبر نہیں تھی کہ ایک انسان کی قبر ہے، پس اچانک اس نے سنا کہ صاحب قبر سورۃ الملک پڑھ رہا ہے، اور اس نے اس سورت کو ختم کیا، اس صحابی نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ سورت روکنے والی ہے، یہ سورت نجات دینے والی ہے، یہ تجھے عذاب قبر سے نجات دے گی، (جامع ترمذی حلیہ الاولیاء ص ۸۱)

اس مضمون کی بے شمار روایات صحابہ کرام، تابعین عظام اور صالحین ذوالاقتحام سے منقول ہیں، ابن مندہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ رات کو عبداللہ بن عمر بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے پاس گئے، اور انہیں نہایت پیاری آواز میں قرآن کی تلاوت کرتے سنا، یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ عبداللہ ہیں، تمہیں خبر نہیں کہ اللہ نے ان کی روحوں کو ہنز برجد

اور یا قوت کی قدیلوں میں رکھا ہے، پھر ان کو جنت کے درمیان لٹکا دیا ہے، جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں، طلوع فجر تک وہاں رہتی ہیں، اس کے بعد واپس چلی جاتی ہیں (نفس الرحمن ص ۸۳) اسی طرح امام ابو نعیم علیہ الرحمہ حلیۃ الاولیاء میں حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم ثابت الہنائی رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارا، حمید طویل رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، جب ہم قبر برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی، پس اچانک ہم نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز ادا کر رہے تھے، وہ دعا فرمایا کرتے تھے، اے اللہ اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز ادا کرنے کی توفیق دی تو مجھے ضرور عطا کرنا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو رد نہیں کیا، حضرت امام سیہلی علیہ الرحمہ نے بعض صحابہ کرام سے روایت کیا ہے کہ ایک جگہ وہ کسی قبر پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ قبر کا ایک تختہ کھلا ہے اور ایک شخص پلنگ پر بیٹھا ہے، اس کے سامنے قرآن پاک ہے اور وہ تلاوت کر رہا ہے، اس کے سامنے ایک سبز باغ ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ شخص شہید ہے، حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام نے شہادت کے بعد کلام کیا ہے، حضرت جعفر طیار، حضرت امام حسین، حضرت زید بن خارجه رضی اللہ عنہم نے بھی جام شہادت پینے کے بعد بھی گفتگو کی ہے۔ اللہ اکبر وصال کے بعد صالحین کی کرامت و وجاہت مضبوط و لاکھ سے ثابت ہے، لہذا ان کے مزارات پر جا کر دعائے بخشش کی اپیل کرنا شرک نہیں، وہ زائرین کو جانتے ہیں اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت فرماتے ہیں، یہی ان لوگوں کیلئے دنیا و آخرت میں خوشخبری ہے، یاد رہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں کرامت سے نوازتا ہے، وہ اپنے وصال کے بعد بھی اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کا وصال اسی کرامت پر ہوا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو حیات ظاہری اور حیات باطنی میں مشرف فرمایا ہے، اللہ والوں کی زندگی دونوں جہانوں میں نہایت کامیاب ہے۔



**غلوئی الدین:** کسی نجدی نے حضرت شیخ ابن باز نجدی کی خدمت میں خط ارسال کیا اور لکھا کہ ہمارے یہاں صوفی حضرات برابر کہتے رہتے ہیں کہ ”اے اللہ اس ذات پر درود و سلام نازل فرما جس کو تو نے اپنی بے پناہ طاقتوں کے مغرات سے آگاہ کیا، اور جس پر تو نے اپنے رحم و کرم کی سحر مودار فرمائی، جس کی بنا پر وہ تیرا نائب اور خاص راز دان بن گیا ہے“، اتنی خوبصورت نعت مصطفیٰ پر شیخ ابن باز نجدی نے انتہائی افسوس ناک فتویٰ صادر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس طرح کی باتیں تکلف اور دین میں غلو ہے، جس سے اللہ کے رسول نے روکا ہے، آپ نے تین بار فرمایا غلو پسند ہلاک ہو گئے، لا حول ولا قوة الا باللہ، ہمیں پورا یقین ہے کہ نجدیت کا مقصد حیات ہی رسول اللہ ﷺ کے محامد و محاسن کی تردید ہے۔ ان گستاخان رسول کو اتنی بھی خبر نہیں کہ رسول اقدس ﷺ کے حق میں غلو صرف یہ ہے کہ آپ کو خدا نہ کہا جائے اور خدا کا بیٹا نہ کہا جائے، باقی جو کچھ بھی کہا جائے گا، حضور پر نور ﷺ کی شان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

تیرے تو وصف عیب تنہا ہی سے ہیں بری

حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

کوئی مسلمان آپ کی ذات اقدس کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں مانتا، پھر غلوئی الدین کا کیسے ارتکاب ہو گیا، حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ طاقتوں کے مضمرات سے آگاہ ہیں، اس میں کونسا غلو ہے، خود سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے، مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں، (مسلم، صحیح مسلم)، جیسی معرفت خداوندی حضور اقدس ﷺ کو نصیب ہوئی، بتائیے اور کس کو نصیب ہوئی ہے قرآن پاک کا اعلان ہے، فاعلموا انی عبدہ ما و احی، اس نے اپنے عہد خاص کی طرف وحی فرمائی جو فرمائی، اور اعلان ہے ”ہم نے آپ کو وہ کچھ سکھادیا جو آپ

لکھ جانتے تھے، آپ پر اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے“ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر رحم و کرم کی سحر مودار فرمائی، اس میں کونسا غلو ہے، یہ تو حضور ہیں، اللہ تعالیٰ تو آپ کے غلاموں پر رحم و کرم کی سحر مودار فرماتا ہے۔ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے، انہیں ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے (القرآن) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر اتنا رحم فرمایا کہ رحیم اور رحمت للعالمین بنا دیا، اتنا کرم فرمایا کہ کریم اور شفیع المذنبین بنا دیا، جسے مقام محمود عطا فرمایا گیا، جسے تاجدار شفاعت بنایا گیا، جس کو اولین و آخرین کا سردار ٹھہرایا گیا، جس کا ذکر بلند ترین کیا گیا، جس کی محبت ایمان کی جان بنائی گئی، جس کی اطاعت اسلام کی روح روان بنائی گئی، اس پر رحم و کرم کی سحر مودار نہیں ہوئی، واللہ جس کا تبسم جان فزا ہی جان سحر ہے، اس ہاں، امام اعظم رضی اللہ عنہ کیا خوب پکارتے ہیں۔

انت الذی من نورک البدراکتسی

والشمس مشرقہ بنور بہا لہ

یعنی آپ سے چاند اور سورج نور حاصل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اور اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکو گے (القرآن)، حضرت امام سہل بن عبد اللہ تستری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، نعمۃ اللہ سے مراد اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جو اس نے محمد مصطفیٰ ﷺ پر فرمائی ہیں، ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا، (کتاب الشفا/ ۱۸) کیا آپ کا اجر و ثواب ”غیر ممنون“ یعنی بے انتہا نہیں، قرآن پاک نے فرمایا ہے، تعزروہ، اس محبوب کی تعظیم کرو، اس کی امداد کرو، یا اسکی تعظیم میں مبالغہ کرو، جس کی یہ شان ہو کہ وہ محمد ہو یعنی خدا بھی جس کی تعریف کر رہا ہو اور خدائی بھی مدحت سرائی میں مگن ہو، کیا اس پر اللہ کے رحم و کرم کی سحر مودار نہیں ہوئی۔ قرآن پاک فرماتا ہے ولا تفسدوا مال الیتیم الا با نسی ہی احسن، اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر یہ کہ احسن طریقے سے، اس کی



شرح میں عطا فرماتے ہیں، اس آیت میں تمام انبیاء، مرسلین اور مقررین کی ارواح کے لئے اشارہ ہے کہ وہ درجہ تہم محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کو حاصل نہیں کر سکتے، جب بھی کسی نے اپنے دست روحانی سے یہ مقام حاصل کرنا چاہا جو آپ سے مختص ہے تو وہ ہرگز اس تک رسائی حاصل نہ کر سکا، (جواہر نایسی ۲/۲۹۸) حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جس نے کل قرآن میں غور و فکر کیا تو وہ اس کو آپ کی تعظیم عظیم سے مالا مال پائے گا، (جواہر نایسی ۲/۲۹۸) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کرام کے صحائف جس کی شان و عظمت سے معمور ہوں کیا اس پر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی سحر نمودار نہیں ہوئی، ارے جو خود سراج منیر ہو، جس کے وسیلے سے اوروں کو صبح نور کا منہ دیکھنا نصیب ہوا، کیا وہ رحم و کرم کی سحر سے محروم ہوگا، والفجر جس کے رخسار ہیں، والقمر جس کی تجلی ہے، والشمس جس کا جلوہ ہے، والضحیٰ جس کا چہرہ ہے کو انجم جس کی ادا ہے، کیا وہ رحم و کرم کی سحر سے محروم ہے۔

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض و جود ہی سر بسر

مجھے کھائے نجدی تپ سقر، تیرے دل میں کس سے بخدا ہے

پھر حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نائب اور راز دان کہنا بھی غلو فی الدین ہے اور باعث ہلاکت ہے، تو باعث رحمت کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ نہیں بنایا، حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ نہیں بنایا، سب انبیاء کرام درجہ بدرجہ خلیفہ نہیں ہوئے، پھر قدرت کے جو راز ان پر آشکار ہوئے اور کون ان کا زیادہ حقدار ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کتنی بار فرماتے ہیں، میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے (القرآن) خود حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے اور جو میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سنتے، (رواہ ترمذی) قرآن پاک میں معراج مصطفیٰ ﷺ کا ایک مقصد یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ، اللہ تعالیٰ کی تمام نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، یہ آپ کی خلافت عظمیٰ کی نشانی اور شان راز دانی نہیں تو اور کیا ہے، آپ کا

زمان ہے، میں اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ کی جانب (جیسا کہ اس کی شان کے مطابق ہے) کھڑا ہوں گا، کہ سب پہلے اور پچھلے مجھ پر رشک کر رہے ہوں گے (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ) حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ اہل ظاہر ہے کہ ہمارے پیغمبر برحق ﷺ تمام کائنات کے فرشتوں، رسولوں، نبیوں اور مقربوں سے افضل ہیں، (امداد للبعثات ۳/۳۰۴) آپ کی افضلیت مطلقہ پر اجماع ہے، محزلہ بھی اہل سنت کے ساتھ متفق ہیں، (ذرقانی ۵/۲۸۰)

ذرا غور کیجئے کہ جب تمام انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی خلافت و نیابت کے مقام پر فائز ہیں تو ان سے افضل محبوب ﷺ کیوں نہ خلیفہ اعظم اور نائب اکمل ہوگا، اور کیوں نہ سب سے بڑھ کر قدرت کا راز دان ہوگا، جس کو لامکان پر بلوا کر اپنے حسن مطلق کے جلوے بھی دکھا دیئے، حضرت امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”بے شک حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں،

اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے دستر

خوان آپ کے دست رحمت اور آپ کے ارادے کے ماتحت کر

دیئے ہیں، آپ جسے چاہیں عطا کرتے ہیں اور جسے چاہیں عطا

نہیں کرتے“ (الجواہر المحکمہ ص ۴۲)

اللہ اکبر! دنیا و آخرت کی ہر رحمت و نعمت آپ کے خوان کرم کا ایک ذرہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم و معارف کا ایک قطرہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوق کا حاکم بنایا ہے، جو آپ کو حاکم نہیں مانتا، آپ کے رب کی قسم، وہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہے، وہ پرلے درجے کا گمراہ ہے، گھٹیا درجے کا بے دین ہے،

الابا ی من کان ملکاً و سبدا

و آدم بین السماء والطمین واقف

اذا دام امرا لا یكون خلافه



ولیس لذلک الامر فی الکوّن صارف

خبردار! میرے والدین اس بادشاہ اور سردار پر قربان، اس وقت کہ  
حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں ٹھہرے ہوئے تھے، وہ جس امر کا ارادہ فرمائیں  
کا خلاف نہیں ہوتا اور مخلوق میں کوئی ان کا حکم ٹالنے والا نہیں ہوا، (جواہر النہار ۱۳/۱۳۳)  
ہاں، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز آپ کے سامنے مسخر فرمادی ہے اور ہر چیز پر آپ کا فرمان  
جاری کر دیا ہے۔

صدقے اس اکرام کے، قربان اس انعام کے

ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ وا

حضرت محدث مناوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضور پر نور ﷺ اللہ تعالیٰ کے  
خلیفہ اکبر ہیں اور ہر موجود کے مددگار ہیں (جواہر النہار ۱۵۵/۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ  
فرماتے ہیں، آپ ﷺ کے توسط کے بغیر مطلوب تک پہنچنا محال ہے (مکتب ۱۲/۲۷۸)  
حضرت شیخ امیر عبدالقادر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضور پر نور ﷺ علم قدیم اور ارادہ ازیلی  
کے مظہر ہیں، آپ کا ارادہ حق تعالیٰ کا ہی ارادہ ہے، (جواہر النہار ۲۶۲/۳) شیخ ابن باز اور  
ان کی ذریت کو کیا خبر کہ مقام مصطفیٰ کیا ہے اور غلو فی الدین کی حقیقت کیا ہے، حضرت شیخ  
ابن باز نے صرف درود ابراہیمی کو شروع مانا ہے، حالانکہ درود ابراہیمی کے ساتھ اور بھی  
درود بارگاہ نبوت سے ثابت ہے، مثلاً الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بھی ثابت ہے،  
پھر ان کی اس کتاب کے آغاز میں ہے۔

”الصلوٰۃ والسلام علی نبینا محمد وعلیٰ جمیع النبیین والمرسلین وآل کل  
و سائر الصالحین“ یہ درود کس حدیث میں وارد ہوا ہے، ذرا حوالہ تو پیش کیا جائے، پھر

ہائے تنہی باز ”صلی اللہ علیہ وسلم“ لکھا ہے، اس درود کی آپ نے کہاں تاکید فرمائی ہے،  
الہدیت کے نہایت معتبر عالم حضرت علامہ ابن قیم الجوزیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جو  
الہدیت کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے،

”ابو بکر محمد بن عمر علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر  
بن مجاہد علیہ الرحمہ کے پاس تھا کہ حضرت شبلی علیہ الرحمہ آئے، حضرت ابو  
بکر بن مجاہد علیہ الرحمہ ان کے لئے اٹھے اور ان سے معاف کیا، اور  
ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، میں نے کہا سیدی! آپ شبلی  
کے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں حالانکہ تمام اہل بغداد ان کو پاگل  
خیال کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے شبلی کے ساتھ وہی عمل  
کیا ہے جو حضور اقدس ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے، میں نے  
خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شبلی حاضر ہوئے،  
آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ  
دیا، میں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے  
فرمایا ”یہ شبلی ہر نماز کے بعد لفظ جلاء کم رسول من ھسکم پڑھتے  
ہیں اور پھر تین مرتبہ ”صلی اللہ علیک یا محمد“ کہتے ہیں، پھر جب میں  
نے اس ذکر کے بارے میں حضرت شبلی سے پوچھا تو انہوں نے  
اسی طرح بیان کیا“، (جلاء الافہام ص ۲۵۸)

☆.....☆.....☆



## بدعت اجتناب

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے ”بدعت سے اجتناب“ نامی مقالے میں عید میلاد النبی، محفل معراج رسول اور محفل شب برات کے متعلق کافی زہر اگلا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جشن منانا اور میلاد کی محافل منعقد کرنا شرعاً ناجائز ہے اور سراسر بدعت اور دین میں نئی ایجاد قرار دیا ہے، پھر اس پر دھڑا دھڑا آیات اور احادیث چسپاں کی ہیں جن میں ان امور کا ردِ بلیغ فرمایا گیا ہے جو اصول اسلام سے ٹکراتے ہیں۔ کاش حضرت شیخ اور ان کی ذریت کو معلوم ہوتا کہ ہر وہ نیا کام گمراہی ہے جس کی اصل قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ سے ثابت نہ ہو، اور جس کو اجماع امت نے ٹھکرا دیا ہو، اگر اس اصول پر عمل نہ کیا جائے تو پھر بیسوں ایسے کام ہیں جو قرونِ اول میں ناپید تھے مگر تمام آلِ نجد ان پر سختی سے عمل پیرا ہے، مثلاً

- ..... آلِ نجد کا جشن نزول قرآن منانا بدعت ہے۔
- ..... آلِ نجد کا اہل حدیث کا نفرتس منعقد کرنا بدعت ہے۔
- ..... آلِ نجد کا الشکر طیبہ پانا اور اس کے سالانہ جلسے منعقد کرنا بدعت ہے۔
- ..... آلِ نجد کا اثری، سلفی، غیر مقلد اور اہل حدیث کہلانا بدعت ہے۔



- ..... آل نجد کا ختم بخاری کی تقریب سجانا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا کتابیں لکھنا اور پھیلانا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا اصول فقہ، اصول حدیث اور اصول تفسیر پڑھنا اور پڑھانا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا موجودہ لباس بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا ننگے سر رہنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کے چہروں پر موجودہ شائکل کی واڈھی بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا قیام صلوٰۃ میں ٹانگوں کو اتنا چوڑا کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا تصویریں، ہونا، رسالوں میں چھپوانا بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا کابوٹوں اور چراہوں پر صبح کر کے نمازیں پڑھنا بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا برصغیر میں آٹھ تراویح کا شوشہ بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا خوبصورت مسجدیں بنانا اور عالی شان مدر سے تعمیر کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا مختلف تنظیمیں قائم کرنا بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا امت مسلمہ کے عقائد و نظریات سے ہٹ جانا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا اعراب والا قرآن پڑھنا اور شائع کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا مختلف زبانوں میں ترجمے کروا کر قرآن کی اشاعت کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کی بھوک ہڑتالیں، دھرنے، لاٹک مارچ، ہارن مارچ، بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا اپنے اکابر کی برسیاں منانا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا "سعودی" عرب نام رکھنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا عرب میں حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کا مقلد ہونا اور برصغیر میں تہلیل کو حرام

- ..... کہنا بدعت بلکہ منافقت ہے۔
- ..... آل نجد کا امریکہ اور برطانیہ سے امداد طلب کرنا، کفار کے سرداروں کی قبروں پر جا کر پھول چڑھانا بدعت بلکہ بدترین شرک ہے۔
- ..... آل نجد کا شاہانہ انداز حیات، محلات، کثیر ازواج سے مناکحت اور طلاق کی کثرت، بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا طرح طرح کی کھیلوں کا انعقاد کرنا اور بے بہادری صرف کرنا بدعت ہے،
- ..... آل نجد کا سالانہ یوم آزادی منانا قومی ترانے پڑھنا، کھڑے ہو کر سلامی دینا اور لینا بدعت ہے
- ..... آل نجد کا سادہ زندگی گزارنے کی بجائے لمبی لمبی گاڑیوں میں سفر کرنا، معمولی کاموں میں ہزاروں ریال خرچ کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا مسجد حرام اور مسجد نبوی میں مجلسیں سجانا اور خود سارے لوگوں سے ممتاز ہو کر بیٹھنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا کعبہ کی طرف پاؤں کرنا، قدموں پر قرآن رکھنا، روضہ رسول کی طرف پشت کرنا بدعت بلکہ پر لے درجے کی بے ادبی اور محرومی کی علامت ہے۔
- ..... آل نجد کا زیارت قبور سے روکنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا اللہ تعالیٰ کے لئے سست فوق و متعین ماننا بدعت بلکہ مجسمہ کی حمایت ہے۔
- ..... آل نجد کا شعائر اللہ کو گرانادا و تبرکات اسلامی کا انکار کرنا اور ان کے مقامات پر فلک بوس ہوٹل قائم کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا قبربانوں کے پیچھے جمع کر کے دیگر کاموں پر خرچ کرنا بدعت ہے۔
- ..... آل نجد کا حرم شریف میں نمازیوں کے آگے سے گزرنا بدعت ہے۔



ان کے علاوہ اور بھی بدعات و ضلالت میں پوری آل نجد بری طرح آلودہ ہے مگر خوش ہے۔ ایک محفل میلاد النبی سے ہی کیوں دشمنی رکھی جاتی ہے، اس کی صاف وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے دشمنی ہے۔ جہاں تک میلاد رسول کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہے، آثار صحابہ میں موجود ہے۔ صدیوں سے امت محمدیہ کا اس پر عمل ہے، مولود مبارک پر کتابوں کے عظیم ذخیرے پائے جاتے ہیں۔ آئیے ان حقائق کا مطالعہ کر کے دیدہ و دل کو روشن کریں۔ و ما توفیق الا باللہ،

**میلاد اور قرآن:** میلاد کی محافل میں حضور تاجدار انبیا ﷺ کی آمد کا ذکر کیا جاتا ہے، اسکی اصل قرآن پاک میں موجود ہے۔ قرآن پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی آمد کا ذکر فرمایا ہے، حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کا تذکرہ بھی کیا ہے، پھر حضور پر نور، پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کی تشریف آوری کو تو خوب بیان کیا ہے۔ سنو! سنو! الہوتی صدائیں گونج رہی ہیں۔

..... وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

..... قد جاءكم من الله نور

ترجمہ: بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آگیا۔

..... قد جاءكم برهان من ربكم

ترجمہ: بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس برهان آگئی۔

..... انا ارسلناك شاهداً و مبشراً و نذيراً

ترجمہ: ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

..... مبشراً برسول يا تى من بعدى اسمه احمد

ترجمہ: میں اپنے بعد آنے والے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جس کا نام احمد ہے،

..... يا ايها الناس اني رسول الله اليكم جميعاً

ترجمہ: لوگو، میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

..... لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا

ترجمہ: اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں رسول عظیم کو مبعوث فرمایا۔

اللہ اسلام بھی محافل میلاد میں انہی آیات کی تلاوت کر کے عظمت مصطفیٰ ﷺ کے ترانے آلا پتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو رحمت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ قرار دیا ہے، جب رحمت و نعمت اور فضل و احسان نصیب ہو جائے تو مسرت کے اظہار کا حکم

ہے۔ قرآن پاک نے فرمایا قل بفضل الله و برحمته فليفرحوا فرمادے، جب اللہ کا فضل و رحمت نصیب ہو جائے تو خوب خوشی مناؤ، میلاد مصطفیٰ ﷺ کی مسرتوں اور شادمانیوں کی اصل دلیل یہ آیت مبارکہ ہے، فليفرحوا میں حکم مطلق ہے، گویا خوشی کا ہر وہ طریقہ جائز ہوگا جو دائرہ شریعت کے اندر رہ کر اپنایا جائے گا، قرآن کے حکم مطلق کو مخصوص یا منسوخ کرنے کیلئے

نجدی ذریت کے پاس کوئی دلیل ہے؟ حضرت شیخ ابن باز نجدی کہتے ہیں۔

”میلاد کی محفلیں بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ عام طور

پر دیگر منکرات مثلاً مرد و زن کے اختلاط (میل ملاپ) گانے

بجانے کے اہتمام، نشہ آور اور اعضائے انسانی کو خخل کرنے والی

چیزوں کے خورد و نوش اور اس قسم کی دوسری برائیوں سے خالی نہیں

ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان محفلوں میں سب سے بڑے گناہ

شرک اکبر کا ارتکاب بھی ہوتا ہے، اکثر لوگ محفل میلاد النبی ﷺ



اور دیگر اولیا کے میلاد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور دوسرے اولیا کی مدح میں غلو کرتے ہیں، مشکلات میں ان کو پکارتے ہیں، اور ان سے فریاد و مدد طلب کرتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے عالم غیب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور اس قسم کے دوسرے امور کفریہ کا ارتکاب کرتے ہیں“ (عقیدہ اسلام ص ۱۷۹)

حضرت شیخ ابن باز نجدی تو مادرزادنا بیٹا تھے، ان کو یہ ساری باتیں برصغیر کے غیر مقلدوں نے چغل خوری کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بتائی ہیں اور یقیناً ان میں کذب بیانی کی انتہا ہے۔ کیا ان غیر مقلدوں کو علم نہیں کہ عیدین کے موقع پر کتنی منکرات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کیا اب عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو چھوڑ دیا جائے، یوم آزادی پر کہا کچھ ہوتا ہے، کبھی انہوں نے اس کی مخالفت بھی کی ہے، ان کے سعودی آقاؤں کے اندرون خانہ کی کہانیاں انسانیت کو شرمادہی ہیں، کبھی ان پر بھی انگلی اٹھائی ہے۔ ایک آقا کے میلاد النبی کی منکرات پر سارا غصہ نکالنا اور باقی دنیا جہان کی برائیوں کو ہضم کر جانا کونسا انصاف ہے، ہمارے تمام علما کرام نے ہمیشہ ان منکرات کا رد کیا ہے اور شرعی تقاضوں کے مطابق یوم میلاد منانے کا فتویٰ دیا ہے۔ دانشمند لوگ باغ سے کانٹے دور کرتے ہیں، باغ کو نہیں جلاتے، منکرات نظر آتی ہیں تو ان کو دور کرو، میلاد کو بند نہ کرو، یہ تمہارے کہنے سے بند بھی نہیں ہوگا کیونکہ یہ بیان کرنا خود قرآن پاک کی سنت کریمہ ہے، باقی انبیاء اور اولیا کی مدح میں غلو کرنا کسی مسلمان کا طریقہ نہیں۔ ہم انبیاء اور اولیا کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہتے، الوہیت و ربوبیت میں شریک نہیں مانتے، ان کو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تسلیم کرتے ہیں۔ ان کو رحمت خداوندی کا وسیلہ سمجھ کر پکارتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے، ان کی دعا درجہ قبولیت پر فائز ہوگی

اور یہ دعا یعنی پکار اس وقت عبادت بالغیر ہوگی جب ہم بزرگان دین کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر، اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ کر یا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں پکاریں گے، اس موضوع پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے، حضرت شیخ ابن باز نجدی نے ایک اور الزام لگایا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ”عالم غیب“ ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں، اس پر ہمارا جواب ہے لعنة الله على الكاذبين، جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، کوئی مسلمان حضور اقدس ﷺ کے لئے عالم غیب کا لفظ استعمال نہیں کرتا، اس سے ہمارے علما کرام نے سختی سے روکا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور اس نے اپنے محبوب اقدس ﷺ کو فیض اور شہادت کے بے بہا خزانے عطا فرمائے ہیں، حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب کلی نصیب ہوا، گویا ہم عطا کی قید کے ساتھ آپ کا علم غیب بیان کرتے ہیں۔ باقی رہ گیا محافل میلاد کا بدعت ہونا اور اس پر ”کل بدعة ضلالة“ کا قانون لاگو کرنا تو یہ بھی حضرت شیخ نجدی کی ستم ظریفی ہے، کیونکہ بدعت ضلالت وہ ہوتی ہے جس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو، اور آثار صحابہ اور اجماع امت سے موید نہ ہو، چونکہ محافل میلاد اصلاً ان اصول شرعی پر پورا اترتی ہیں لہذا بدعت ضلالت نہیں، داخل سنت ہیں، اس پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔

**میلاد اور حدیث:** محافل میلاد کی دوسری اصل حدیث رسول میں موجود ہے۔ آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کرنا ایمان کی علامت ہے، جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب لوگ نعرے لگا رہے تھے، یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ، (مسلم ۴/۳۱۹) قبیلہ بنو نجاہر کی بچیاں پڑھ رہی تھیں، طلع البدر علینا، ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، ثنات کی پہاڑیوں کی طرف سے، ہم پر اس نعمت کا شکر منانا واجب ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے



مدینہ منورہ میں تشریف لا کر دیکھا کہ یہودی ۱۰ محرم کا روزہ رکھتے تھے، آپ نے ہم پوچھی تو کہنے لگے، یہ فرعون کے ہلاک ہونے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کامیاب ہونے کا دن ہے۔ اس لئے ہم شکرانے کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا یٰٰحنو لوسیٰ بموسیٰ منکم ہم تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں، (بخاری کتاب الاطعمہ، ابو داؤد، الترمذی، ابن عبد البر ۲/۲۸۹، فتح الباری ۲/۲۷۴) یہودی نے روز شکر اور مسرت کے طور پر رکھا کیونکہ اس دن اللہ نے دین کو غالب کیا تھا اور کافروں پر عذاب نازل کیا تھا، محافل میلاد کو مسلمانوں نے شکر و مسرت کا اظہار بنایا ہے، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہر فرمایا، جنہوں نے اس کے دین کو ادیان پر غالب کر دیا، اگرچہ مشرک لوگ اس کو ناپسند کرتے رہیں، (لس الرضیٰ ص ۹۵۹) ایک اور روایت صحیح بخاری شریف میں منقول ہے کہ ابولہب کی لوٹڑی ثویبہ نے حضور اقدس ﷺ کی ولادت پر خوشخبری ابولہب کو سنائی تو اس نے اس مسرت میں لوٹڑی کو آزاد کر دیا۔ پھر جب وہ حالت کفر میں مر گیا تو ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خواب میں آیا اور کہنے لگا کہ تم سے جدا ہو کر میں سخت عذاب سے دوچار ہوں، بس سو مواری کے دن اس انگلی سے سیراب کیا جاتا ہوں (جس کے اشارے سے لوٹڑی کو آزاد کیا تھا) تمام شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ اگر ابولہب جیسا کافر آپ کو بھیجا سمجھ کر آپ کے میلاد کی خوشی منائے تو اسے بھی سیراب کیا جائے تو اس امتی کی کیا شان ہوگی جو آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ مان کر میلاد مناتا ہے، شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بیٹے شیخ عبد اللہ بن محمد نجدی نے بھی مختصر سیرۃ الرسول میں یہ روایت نقل کی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ امام شمس الدین محمد بن ناصر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

اذا کان هذا کافر جاء ذمه

وقبيل يده في الحبحم معلدا

انی انہ فی یوم الاثنين دائماً  
يعطف عنه للسرور باحمداً  
فما الظن بالعبد الذی کان عمره  
باحمد مسروراً ومات موحداً

حضور اقدس ﷺ پیر کے روز روزہ رکھا کرتے تھے، استفسار پر فرمایا، اس دن میں پیدا ہوا ہوں اور اس دن مجھ پر قرآن نازل ہوا ہے، (مسلم ۱/۳۶۸، مشکوٰۃ، ۱۷۹) معلوم ہوا کہ میلاد مصطفیٰ اور نزول قرآن کی مسرت خود مصطفیٰ کریم ﷺ نے منائی ہے۔ پھر کتنی محافل میں آپ ﷺ نے اپنے ذکر کا اہتمام فرمایا، حضرت حسان، حضرت کعب بن زہیر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے آپ کے مناقب و فضائل آپ کی صدارت میں بیان کئے، آپ کے دشمنوں کی تردید کی اور آپ نے ان کو انعامات سے سرفراز فرمایا، حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب عظیم نعمت ہیں، تمام مسلمان ہر نعمت کی طرح اس نعمت عظمیٰ کے حصول پر خوشیاں منا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور کفران نعمت کی بیماری سے محفوظ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنی آمد کا ذکر خود زبان محبوب سے مشروع ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں،

..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ثنا کر رسول اللہ ﷺ وابو بکر رضی اللہ عنہ میلادہما عندی، بے شک میرے پاس حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اپنے میلاد کا ذکر کرتے رہے، (مجمع الزوائد، طبرانی کبیر) امام بیہقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، تعصب سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو یہ روایت میلاد کی حقانیت پر کتنی صریح ہے، لفظ میلاد بھی حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے۔

..... فرمایا، میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس وقت سے خاتم النبیین ہوں جب کہ آدم علیہ السلام



ابھی مٹی گارے میں تھے، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، میں اپنی والدہ کا چشم دید واقعہ ہوں کہ دیگر انبیاء کی طرح انہوں نے میری ولادت پر ایک نور دیکھا جس کی روشنی سے ملک شام کے محلات دکھائی دیئے، (مشکوٰۃ ص ۵۳۶، مسند احمد ۴/۱۲۷، مستدرک ۲/۶۰۰، دلائل النبوة ۱۲/۸۰)

..... فرمایا، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ کا چشم دید واقعہ ہوں جو انہیں میری پیدائش کے وقت دکھائی دیا، ان کے جسم اطہر سے نور نکلا جس کی نورانیت سے بھرکی کے درو دیوار روشن ہو گئے، (مسند احمد ص ۶۰۰، سیرت ابن ہشام ۱/۱۹۵، دلائل النبوة ۱۲/۸۱، حقیقات ابن سعد ۱۰۲)

..... فرمایا، میں اولاد آدم میں ہمیشہ بہترین لوگوں بہترین زمانوں میں ارسال کیا گیا ہوں، قرنا بعد قرن جہاں تک کہ اس موجود زمانہ میں جلوہ گر ہوا، (مشکوٰۃ ص ۵۱۱)

ان احادیث نبویہ کو اگر کوئی مسلمان ایک محفل سجا کر بیان کر دے اور باقی مسلمانوں کا ایمان تازہ ہو جائے تو کونسی بدعت نمودار ہو جائے گی، کیسا کفر و شرک سامنے آجائے گا۔ کیا کار خیر کے لئے مسلمانوں کا اجتماع بدعت و ضلالت ہے؟ غزوہ تبوک سے واپسی پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار کے اجتماع صحابہ میں خالص میلاد ی اشعار پڑھے، ان ہی اشعار اور جذبات کا ترجمہ اردو پنجابی اشعار میں پڑھا جائے تو کوئی بدعت نہیں،

**میلاد اور صحابہ:** طبرانی کبیر اور مسند احمد میں حدیث موجود ہے کہ ایک دن صحابہ کرام کا جمع غیر موجود تھا، آپ ﷺ نے اپنے غلاموں کو اس طرح اکٹھے دیکھا تو فرمایا: ما اجلسکم یہ جلسہ کس لئے ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا، جلسنا نذکر اللہ و نحمده علی هدانا لدینہ و من علینا ہک، ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حمد کے لئے بیٹھے ہیں، کیونکہ اس نے ہمیں اپنے دین کی ہدایت دی اور آپ کے ذریعے ہم پر احسان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان

اللہ عز وجل ینا ہی بکم الملائکۃ، اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل پر ملائکہ میں خوشی کا اظہار فرما رہا ہے، (طبرانی ۹/۱۳۱، مسند احمد ۴/۹۲)

کیا یہ حدیث میلاد مصطفیٰ کا پروگرام مرتب کرنے کیلئے اصل نہیں، یہی کچھ محافل میلاد میں بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اس نے ہمیں اپنا محبوب عطا فرمایا، باقی ”جشن میلاد“ کا عنوان قائم کرنا ناجائز ہے تو ”الحدیث کافرنس“ صد سالہ جشن دیوبند اور سالانہ ختم بخاری کے عنوانات سے پروگرام کرنا اور اشتہار چھپوانا اور مولویوں کو بلوانا سب کچھ حرام ہوگا، کیا ان پروگراموں کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوتی؟ اللہ اللہ اپنے سارے پروگرام جائز اور محبوب خدا کے ذکر کی محفلیں حرام، بدعت، ضلالت، گمراہی، شرک، کفر، کیا محبوب کے کلمے کا یہی حق ادا کیا جا رہا ہے۔

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی

ظالموں کو پڑھانے کا بھی احسان گیا

**میلاد اور علما:** امت محمدیہ کے جلیل القدر علما نے ہر دور میں میلاد مصطفیٰ کو نگاہ امتحان سے دیکھا ہے، وہ محافل ذکر میلاد کا اہتمام کرتے رہے، اس موضوع پر ایمان افروز کتابیں لکھتے رہے، ذکر آمد محبوب پر قیام فرماتے رہے اور صلوٰۃ و سلام سے دل و جان کو معطر کرتے رہے، محدثین نے میلاد کے نام سے باب باندھے ہیں، مثلاً امام ترمذی علیہ الرحمہ نے باب باندھا ہے: ”ما جانی میلاد النبی ﷺ“

..... حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے

محفلیں منعقد کرتے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے رہے،

صدقات و خیرات اور نیک اعمال کی کثرت کے ساتھ ان محافل میں



میلا دالنبی ﷺ کا تذکرہ کرتے آئے ہیں“ (المواہب اللدیہ ۳۹/۲۳۹)

..... حضرت امام محدث ابن جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”یہ عمل میلاد، ہمیشہ سے حرمین شریف میں، مصر و یمن میں، شام اور تمام عربی ممالک میں، مشرق و مغرب کے باشندے مسلمانوں میں جاری ہے، وہ میلاد النبی ﷺ کی محفلیں منعقد کرتے ہیں، لوگ جمع ہوتے ہیں، ماہ ربیع الاول کو دیکھتے ہی خوشیاں مناتے ہیں، غسل کرتے ہیں، عمدہ لباس پہنتے ہیں، خوب خوب اہتمام ہوتا ہے، خوشی اور سرسرت کا اظہار ہوتا ہے، میلاد سننے اور سنانے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، (المیلاد النبوی ص ۵۸)

..... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”جتنی محفلیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں منعقد ہوتی ہیں، اتنی شاید ہی کسی اور ملک میں منعقد ہوتی ہوں، وہاں تو تقریباً ہر روز کسی نہ کسی جگہ محفل میلاد کا انعقاد ہوتا ہے“ (اجتہاد ص ۱۰۲)

..... حضرت الشاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”لوگ مکہ مکرمہ میں میلاد شریف کے روز ولادت نبوی والے مکان ذیشان پر حاضر ہو کر ان واقعات و معجزات کا ذکر کرتے ہیں، جو حضور پر نور ﷺ کی ولادت مقدسہ کے موقع پر ظاہر ہوئے..... اور ان (میلاد یوں) پر انوار برستے ہیں“ (لبوس الحرمین ص ۸۰)

اس طرح اور بھی متعدد علماء کرام نے امت محمدیہ کا تعالٰیٰ بیان کیا ہے، آج حرمین شریفین کی زیارت کرنے والے سادہ دل مسلمانوں کو اور غفلانے کیلئے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ

جو کچھ وہاں ہو رہا ہے، وہی دین ہے، وہی شریعت ہے، ہم کہتے ہیں کہ حرمین شریفین میں میلاد کب سے بند ہوا ہے؟ حضرت الشاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے زمانے تک تو بڑے تزک و احتشام کیساتھ منایا جاتا تھا۔ یہ پابندی انگریزوں کی اشیر باد سے آنے والی نجدی حکومت نے عائد کی ہے۔ گویا امت محمدیہ کا بارہ سو سالہ عمل حرام ہے اور چند نجدیوں کا ڈیڑھ دو سو سالہ عمل دین و شریعت کا پیغام ہے، باقی اپنے گھروں میں آج بھی سعودی عرب کے غیور اہل سنت اپنی دیرینہ عقیدت و محبت کے ساتھ میلاد مناتے ہیں، ہم نے خود دیکھا کہ شب برات کے روحانی لمحات میں ہزاروں مسلمان بیت اللہ شریف میں نوافل پڑھتے رہے اور مخصوص عبادات سرانجام دیتے رہے، ہمیں یقین ہے کہ اگر آج بھی نجدی حکومت ختم ہو جائے تو اہل سنت حرمین شریفین میں کھل کر اپنے عقائد و اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کر دیں گے، آج بھی یا رسول اللہ کی صداؤں سے دشت و جبل کا نپ اٹھیں گے۔ امت کے جلیل القدر علماء بیان کر رہے ہیں کہ پورے عالم اسلام میں ہمیشہ سے میلاد منایا جا رہا ہے جبکہ حضرت شیخ ابن باز نجدی اس کو بدعت ضلالت فرما رہے ہیں۔ ایک منصف مزاج کو چاہئے کہ امت کے جلیل القدر علماء کی بات پر اعتبار کرے۔

**ایک ہمارا بھی سوال:** بحمد اللہ تعالیٰ ہم قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور عظیم علماء کے حوالے سے میلاد مصطفیٰ کی شرعی حیثیت پر گفتگو کر چکے ہیں، ہمارا سوال ہے کہ منکرین میلاد صرف ایک آیت یا ایک روایت ایسی بیان کر دیں جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہو کہ میلاد منانا حرام ہے، حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا، جس سے سکوت فرمایا، وہ معاف ہے۔ ادھر قرآن پاک نے فرمایا، نبی ان کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام فرماتا ہے، معلوم ہوا حالت و حرمت کا پورا اختیار



صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی عطا سے رسول اعلیٰ ﷺ کے پاس ہے۔ کسی نجدی کو جرأت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حرام کر دے، ہمیں صرف حرمت میلاد پر ایک دلیل قطعی درکار ہے۔

نہ منجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

پھر جب میلاد کی اصل قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہو گئی تو اس کا

انعتقاد کرنا بدعت نہ رہا، جب بدعت نہ رہا، تو ضلالت کیسے رہے گا؟

**محفل میلاد میں قیام:** حضرت شیخ ابن باز نجدی نے محفل میلاد میں قیام کرنے اور سلام و نیاز پیش کرنے کو بھی بدعت و ضلالت قرار دیا ہے، اس کا جواب حضرت امام برہان الدین حلبی علیہ الرحمہ سے ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں

”مسلمانوں میں یہ عادت جاری ہو گئی ہے کہ جب وہ

رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو آپ کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ہر چند یہ قیام بدعت ہے، لیکن بدعت حسنہ ہے، کیونکہ ہر بدعت مذموم نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت قائم کر کے فرمایا، یہ اچھی بدعت ہے اور علامہ عز الدین ابن سلام نے فرمایا، بدعت کی پانچ قسمیں ہیں، اور بدعت کی یہ اقسام رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے خلاف نہیں ہیں، نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے، اور جس نے ہمارے امر (دین) میں ایسا کام ایجاد کیا جو اس سے نہ ہو وہ مردود ہے، ان احادیث میں بدعت کا عام معنی نہیں بلکہ خاص معنی مراد

ہے (یعنی بدعت سیر) ہمارے امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا، جو چیز کتاب، سنت، اجماع یا اقوال صحابہ کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالہ ہے اور جو نیک کام ایجاد کیا جائے اور وہ ان (اصول شرعیہ) کے خلاف نہ ہو، بدعت محمودہ ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کے زمانہ کے تمام مشائخ نے اس مسئلہ میں ان کی پیروی کی اور حکایت ہے کہ حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ کے پاس ان کے معاصر علما کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی، اس وقت ان میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں علامہ مصری کے اشعار پڑھے (ترجمہ) اگر بہت عمدہ کاتب چاندی کے کاغذ پر سونے کے پانی سے مصطفیٰ ﷺ کی مدح لکھے اور اس نعت کو سن کر علما صف بستہ یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں تو آپ ﷺ کے مقام کے اعتبار سے یہ تعظیم بھی کم ہے، یہ اشعار سنتے ہی علامہ سبکی اور تمام علما کھڑے ہو گئے اور اس مجلس میں آپ ﷺ کی محبت کا بہت زیادہ اثر ظاہر ہوا، علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ علامہ سبکی علیہ الرحمہ کا یہ عمل اقتدا کیلئے کافی ہے، علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بدعت حسنہ کے استحباب پر امت کا اتفاق ہے، اور میلاد شریف کا عمل اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بدعت حسنہ ہے، اسی وجہ سے امام نووی علیہ الرحمہ کے استاد امام ابو شامہ علیہ الرحمہ نے فرمایا ہمارے زمانے میں ہر سال ماہ ربیع الاول میں میلاد شریف ہوتا ہے، جس میں خوشی اور زینت کا اظہار کیا جاتا ہے، اور نیکی اور اچھائی کے کام کئے جاتے ہیں، لوگ عبادت



کرتے ہیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، یہ تمام کام رسول اللہ ﷺ کی محبت اور تعظیم میں ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پیدا کر کے مسلمانوں پر جو احسان فرمایا ہے اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے، اس کے شکر پر دلالت کرتے ہیں، علامہ سخاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں اسلاف میں سے کسی نے میلاد شریف نہیں کیا، یہ بعد میں شروع ہوا، پھر ہمیشہ سے اہل اسلام کو تمام ملکوں اور بڑے بڑے شہروں میں میلاد شریف کرتے ہیں، اور اس ماہ کی راتوں میں صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور میلاد شریف کی برکات سے ان پر فضل عمیم ظاہر ہوتا ہے، علامہ ابن جوزی علیہ الرحمہ نے فرمایا، جو لوگ میلاد شریف کرتے ہیں ان پر اس سال امان ہوتی ہے، اور انہیں مطلوب حاصل ہونے کی جلد بشارت مل جاتی ہے، (انسان العیون ۱/۱۳۷ شرح مسلم سعیدی ۱۸۳/۳)

حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ نے جواز میلاد پر بیس زبردست دلائل قائم فرمائے اور اس حسین کام کی اصل قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت فرمائی، فرماتے ہیں،

”پندرہویں دلیل یہ کہ ہر وہ چیز جو عہد رسالت میں نہ ہو مطلقاً مذموم اور حرام نہیں ہے، بلکہ اس کو دلائل شرعیہ سے دیکھا جائے گا، اگر اس میں کوئی مصلحت واجبہ ہوگی تو وہ واجب ہوگی، اسی طرح مستحب، مباح، مکروہ اور حرام، یہ سب بدعت کی اقسام ہیں، سو ابویں دلیل یہ ہے کہ جو چیز صدر اول میں بیت اجتماع کے

ساتھ نہ ہو لیکن افراد کے ساتھ ہو تو وہ بھی مطلوب شرعی ہے، کیونکہ جس کے افراد شرعاً مطلوب ہوں، اس کی بیت اجتماع بھی شرعاً مطلوب ہوگی، سترہویں دلیل یہ ہے کہ اگر ہر بدعت حرام ہو تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا قرآن جمع کرنا، حضرت عمر کا تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا، اور تمام علوم نافعہ کی تصنیف حرام ہو جائے گی، اور ہم پر واجب ہوگا کہ ہم تیر کمان کے ساتھ کفار سے جنگ کریں، بندوقوں اور توپوں سے جنگ حرام ہو، اور میناروں پر اذان دینا، سرائے اور مدارس بنانا، ہسپتال اور یتیم خانے بنانا سب حرام ہو جائیں، اس وجہ سے وہ نیا کام حرام ہے جس میں برائی ہو، کیونکہ ایسے بہت سے کام ہیں جن کو نبی کریم ﷺ اور سلف میں سے کسی نے نہیں کیا، مثلاً تراویح میں ختم قرآن، ختم قرآن کی دعا، ستائیسویں شب کو امام الحرمین کا خطبہ دینا وغیرہا، اٹھارہویں دلیل یہ ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا، جو چیز کتاب یا سنت یا اجماع یا اقوال صحابہ کے خلاف ہو وہ بدعت ہے، اور جو نیک کام ان کے مخالف نہ ہو وہ محمود ہے، انیسویں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے اسلام میں اچھا کام ایجاد کیا اور بعد والوں نے اس پر عمل کیا تو اس کو ان کا اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی، بیسویں دلیل یہ ہے جس طرح حج کے افعال، صفامروہ کی دوڑ صالحین کی یاد تازہ کرنے کے لئے مشروع ہے، اسی طرح محفل میلاد نبی اکرم نور مجسم، ﷺ کی یاد تازہ کرنے



کیلئے مشروع ہے (الدراوی فی الملل والنحل ص ۱۸۶/۲)۔

علاوہ ازیں امت کے عظیم علما مثلاً، حضرت امام ابن عابدین شامی حنفی، حضرت امام حسین بن محمد دیار بکری، حضرت امام یوسف صالچی، حضرت امام جلال الدین سیوطی، حضرت امام ابوالقاسم سیوطی علیہم الرحمہ جیسے لوگوں نے میلاد رسول کو تزک و احتشام کے ساتھ منانے پر دلائل فراہم کئے ہیں، ان علما کرام کا علمی اور فقہی مقام یقیناً حضرت شیخ ابن ہار اور ان کی ذریت سے بلند ہے، کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ محفل میلاد میں قیام پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار کس قدر لطف انگیز ہیں۔

قیامی للعزیز علی فرض

وترک الفرض انی یستقیم

عجبت لمن له عقل ولب

یری هذا الجمال ولا یقوم

ترجمہ: دوست کی تعظیم میں کھڑا ہونا مجھ پر فرض ہے، تعظیم کو چھوڑ

دینا کیسے درست ہو سکتا ہے، صاحب عقل و شعور کے لئے یہ امر

عجب انگیز ہے کہ وہ اس جمال جہاں کو دیکھے مگر کھڑا نہ ہو،

حضرت امام ابن حجر علیہ الرحمہ نے تاجدار کائنات ﷺ کے اس جہاں میں ظہور کے ذکر کے وقت قیام کو جائز قرار دیا ہے، شرط یہ ہے کہ قیام تاجدار کائنات ﷺ کے ساتھ نیکی، اکرام، اجلال اور اعظام کے لئے ہو، ریا کاری کے لئے نہ ہو، بلکہ ابن عبد السلام اور ابن صلاح نے تو اس پر وجوب کا فتویٰ دیا ہے، کیونکہ اس کا چھوڑ دینا عدم تعلق کی علامت بن گیا ہے، اکثر متاخرین اس پر عمل کرتے رہے ہیں، ہم نے ہرگز نہیں سنا کہ کسی نے لشکروں کے سامنے جھنڈوں کو یا بادشاہ کو سلامی دینے کے لئے کھڑے

ہونے والوں کو کافر کہا ہو، حالانکہ یہ عمل اسلامی تعلیمات سے دور ہے اور نہ ہی اس میں کسی کی سنت ہے، کس قدر برا ہے، کس قدر خیر سے محرومی ہے اور کس قدر نظریاتی افلاس ہے جو تاجدار کائنات ﷺ اور جہاں کے نجات دہندہ ﷺ کی ولادت کے ذکر کے وقت تعظیم و تکریم اور ادب و محبت سے کھڑے ہونے والوں کو کافر کہے، (فلس الرضی ص ۲۵۶) اگر نجدی ذریت میں کچھ جرأت ہے تو قومی ترانے کے وقت کھڑے ہونے والی تمام مسلم فوجوں پر کفر کا فتویٰ صادر کریں، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلباء پر کفر کا فتویٰ صادر کریں، ایک میلاد مصطفیٰ ﷺ کو ہی کیوں اپنی تنقیدی توانائیوں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔

**حضور ﷺ کی تشریف آوری:** حضرت شیخ ابن باز نجدی لکھتے ہیں،

”بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ محفل میلاد میں رسول اللہ ﷺ

بذات خود تشریف لاتے ہیں، اسی بنا پر وہ لوگ صلوٰۃ و سلام اور انہیں

خوش آمدید کہنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ اعتقاد انتہائی غلط

اور بدترین جہالت ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت سے

پہلے اپنی قبر سے نہیں نکلیں گے، اور نہ کسی سے ملتے ہیں، اور نہ ہی

لوگوں کے اجتماعات میں حاضر ہوتے ہیں، بلکہ آپ ﷺ روز

قیامت تک اپنی قبر میں مقیم ہیں اور آپ ﷺ کی روح مبارک

جنت کے درجہ اعلیٰ علیین میں اپنے رب کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے، بعد ازاں تم مرنے والے ہو، پھر قیامت کے دن تمہیں

اٹھایا جائے گا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، قیامت کے دن

میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر شق ہوگی اور پہلا سفارش کرنے والا

اور پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی سفارش قبول کی جائے گی (صحیح مسلم،



مکتوبہ) مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث شریف اور اس مفہوم کی دیگر آیات و احادیث تمام کی تمام اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مدفون افراد قیامت کے دن ہی اپنی قبروں سے نکلیں گے، (اس سے پہلے ہرگز نہیں) اس پر تمام علما کا اجماع ہے، اور اس عقیدہ میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، (عقیدہ اسلام ص ۱۸۰)

اس جاہلانہ عبارت میں حضرت شیخ ابن باز نجدی نے اپنا موقف بیان کیا اور اس کے دلائل بھی بیان کئے، یقیناً جانئے کہ ان کو مسلمانوں کے عقیدے کا علم تک نہیں۔ ان کو شاید وہم ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک محافل میلاد میں حضور سرور دو عالم ﷺ جسمانی طور پر قبر انور کو چھوڑ کر تشریف لاتے ہیں، تو قبر انور سے آپ کا کوئی تعلق برقرار نہیں رہتا، یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے، مسلمانوں کے نزدیک حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری روحانی طور پر مشروع ہے، اگر چاہیں تو جسمانی طور پر بھی جلوہ گر ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا جسد بشری اور وجود غضری مزار اقدس میں موجود رہتا ہے، آپ حسی، جسمانی، دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، رہا آیت کریمہ ﴿وَبَعْدَ ذَلِكَ لَمَبْتُون﴾ کا معنی تو اس حکم سے شہید بھی خارج نہیں، پھر قرآن پاک نے ان کو کیوں زندہ قرار دیا ہے؟ اور رہا حدیث شریف ”سب سے پہلے قبر انور سے اٹھنے“ کا معنی تو اس حکم کا اطلاق جسد بشری پر جاری ہے، حضور اقدس ﷺ روحانی قوتوں کے ساتھ ہزاروں مقامات پر حاضر و ناظر ہیں، محافل میلاد میں جلوہ گر ہوتے ہیں، غلامانِ در کو نوازتے ہیں، علما کرام نے جسم مثالی کا جواز بھی رقم کیا ہے، حضرت شیخ ابن باز نجدی کو سرکار اقدس ﷺ کی تشریف آوری کی نوعیت کا خود تو عرفان حاصل نہیں، لیکن مسلمانوں کے اعتقاد کو بدترین جہالت پر محمول کر رہے ہیں، واللہ المستعان علی ماتصفون، انبیاء

اور اولیاء کا روحانی طور پر یا اجسام مثالی کے اعتبار سے متعدد مقامات پر جلوہ گر ہونا معراج مصطفیٰ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسجد اقصیٰ میں ہزاروں انبیاء کرام کا وصال کے بعد حاضر ہونا اور امام الانبیاء ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنا پھر آسمانوں میں استقبال کرنا ثابت نہیں؟ کیا ان کے اجسام بشری قبروں سے باہر نکل آئے تھے؟ پھر خود سرور دو عالم ﷺ کا کر بلا معلیٰ کے غناک واقعہ میں تشریف لے جانا مشہور نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،

”ایک روز دو پہر کے وقت میں نے حالت خواب میں رسول اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے گیسوئے غبریں بکھرے ہوئے ہیں، دست اقدس میں خون بھرا شیشہ ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ پر میرے والدین قربان ہوں، یہ کیا ہے، آپ نے فرمایا، حسین اور اس کیساتھیوں کا خون ہے جو میں صبح سے اٹھا رہا ہوں، میں نے تاریخ اور وقت کو یاد رکھا، جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اسی وقت اور اسی تاریخ کو شہید کئے گئے تھے، (احمد بن حنفی، مکتوبہ باب انفاک الم بیت، تاریخ الخلفاء ص ۳۰۴)

اسی طرح کی روایت حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ میں نے حالت خواب میں دیکھا کہ آپ کی ریش اطہر اور سر انور پر گرد و غبار ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپ کا یہ کیا حال ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، شہادت قتل الحسین آنفا میں ابھی حسین کی شہادت گاہ پر گیا تھا، (ترمذی ۲/۲۷۱، تاریخ الخلفاء ص ۳۰۴، شرح الصدور ص ۲۵۱) یہ تو خواب کے واقعات ہیں، آپ افراد امت کو عالم بیداری میں بھی مل سکتے ہیں، جیسا کہ صحیح حدیث ہے، جس نے مجھے نیند میں دیکھا، وہ عنقریب مجھے



بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا، (بخاری ۲/۱۰۳۵، مسلم ۲/۲۲۲، داؤد ۲/۲۳۹، ابن ماجہ ۲۸۷، ترمذی ۳۰۰/۱) کتنی ہی احادیث نبویہ میں آتا ہے کہ آپ نے عالم بیداری میں حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یونس علیہم السلام جیسے انبیاء کرام کو بیت اللہ شریف کی طرف آتے دیکھا، حضرت امام آلوسی علیہ الرحمہ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے،

”رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اس امت کے ایک

سے زیادہ کاملین نے آپ کا دیدار کیا ہے، اور بیداری میں آپ سے فیض حاصل کیا ہے، شیخ سراج الدین نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے ظہر سے پہلے سرکار اقدس ﷺ کی زیارت کی، آپ نے فرمایا، بیٹے تم وعظ کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا، یا رسول اللہ میں غمی ہوں، بغداد کے فصحاء کے سامنے کیسے کلام کروں، آپ ﷺ نے میرے منہ میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور فرمایا، لوگوں سے کلام کرو اور انہیں حکمت و نصیحت کے ساتھ دین خدا کی دعوت دو، میں نماز ظہر پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا، میرے پاس بہت مخلوق آئی مگر مجھ پر کلام ملے نہیں ہو گیا، پھر میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، آپ نے فرمایا، تم وعظ کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا، لاجان! مجھ پر کلام ملے نہیں ہو گیا ہے، آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ لعاب دہن ڈالا، میں نے کہا، آپ نے سات بار کیوں نہیں ڈالا، آپ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے لب کی وجہ سے، پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے، شیخ خلیفہ بن موسیٰ نہرملکی قدس سرہ فرماتے ہیں اور بیداری میں بکثرت رسول اکرم ﷺ کی زیارت کرتے تھے، انہوں

نے دونوں صورتوں میں آپ سے اکثر افعال حاصل کئے، ایک بار انہیں ستر مرتبہ دیدار ہوا، اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا، اے خلیفہ میرے دیدار کیلئے اتنا بے چین نہ ہوا کر، بہت سے اولیاء میرے دیدار کی حسرت میں فوت ہو چکے ہیں، شیخ تاج الدین بن عطا اللہ علیہ الرحمہ نے الطائف المؤمنین میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت شیخ ابو العباس مری علیہ الرحمہ سے کہا، اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے، انہوں نے فرمایا، میں نے اس ہاتھ سے رسول اکرم ﷺ کے سوا کسی اور سے مصافحہ نہیں کیا، حضرت شیخ مری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اگر ایک لمحہ کی مقدار بھی رسول اللہ ﷺ میری نگاہوں سے پوشیدہ ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا، اس قول کی مثال اور بھی متعدد اولیاء سے منقول ہے، بکثرت محققین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب اور بیداری میں آپ ﷺ کا دیدار کیا اور آپ نے اس حدیث کی تصدیق فرمائی، جن مسائل میں وہ متعش تھے، آپ نے ان کا حل بیان کر کے ان کی پریشانی دور فرمادی، حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ نے یہ آثار رقم کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے جسم اور روح کے ساتھ ہیں، آپ اطراف ارض میں جہاں چاہیں، جب چاہیں تصرف فرماتے ہیں..... جو آدمی آپ ﷺ کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ کی روح کو دیکھتا ہے، جو مری صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اور اس کا تعلق آپ کے جسم اقدس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، جو قبر انور میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں یا



کسی اور صورت میں آتے مگر اس کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ پر بھی موجود ہوتے تھے، یا پھر دیدار کرنے والا آدمی آپ ﷺ کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے، جس کے ساتھ آپ کی روح متعلق ہوتی ہے، جسم مثالی کے تعدد سے کوئی چیز مانع نہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے بہت سے مثالی اجسام ہوں اور ہر ایک جسم کے ساتھ آپ کی روح متعلق ہوتی ہو، اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے انسان کی روح اس کے جسم کے ہر ایک عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، ہماری اس بحث سے حضرت شیخ ابو العباس طنجی علیہ الرحمہ کے اس قول کی توجیہ ہوگی کہ آسمان، زمین، عرش، کرسی اور سب جگہ حضور اقدس ﷺ دکھائی دے رہے تھے، اور یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے ایک وقت میں مختلف مقامات پر (کیسے) دیدار کیا، (روح المعانی ۲۲/۲۵)

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ ”کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازے سے بھی داخل ہو، تمہارا پیغمبر بیٹا اسی دروازے پر موجود تمہارا انتظار کر رہا ہو، یہ بشارت سب کے لئے ہے، (مسند احمد ۳/۳۲۶) حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ شرح میں لکھتے ہیں ”اس حدیث میں اشارہ ہے کہ خرق عادت کے طور پر اجسام مثالیہ متعدد ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہ بچہ ایک وقت میں جنت کے پر دروازے پر موجود ہوگا، (مرقات ۱۰۹/۳) مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے بھی لکھا ہے کہ بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد مقامات ہر نظر آتے ہیں، اور ان سے (مختلف) افعال صادر ہوتے ہیں، اس کا انکار بہت دھرمی ہے، جو کسی جاہل اور معاند سے ہی متوقع ہے علامہ ابن قیم نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایک ہی وقت میں بہت سے مقامات پر زیارت کی جاتی ہے، حالانکہ

آپ قبر انور میں نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں، حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کو آسمانوں پر بھی دیکھا، حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں، یہ کسی نے نہیں کہا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل ہو گئے تھے (فتح الملہم ۳۰۵/۱) ہم سوال کرتے ہیں کہ اگر سابقہ انبیاء کرام کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں ”جشن معراج مصطفیٰ“ کی نورانی تقریب کو دہالا کرنے کے لئے تشریف لا سکتے ہیں تو حضور تاجدار انبیاء ﷺ ”جشن میلاد مصطفیٰ“ میں کیوں تشریف نہیں لا سکتے کیا احادیث نبویہ سے ایک ”برائے اعتقاد“ اور ”بدترین جہالت“ ثابت ہو رہی ہے؟ لاجل ولا قوۃ الا باللہ، ایک ہی وقت میں آپ ﷺ ہزاروں قبروں میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور آپ کے متعلق اشارہ قریب کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے۔ یہ امر صحیح حدیث سے ثابت ہے، غیر مقلد عالم مولانا عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں، ”لفظ خدا سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں مکشوف ہوتے ہیں، نہ کہ حاضر مافی الذہن کی طرف اشارہ ہوتا ہے، (فتاویٰ اہل حدیث ۱۳۸/۲)۔

جان دے دو وعدہ دیدار پر

نقد اپنا دام ہوئی جائے گا

علمائے امت نے تصریح فرمائی ہے کہ مساجد میں داخل ہوتے وقت حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا کرو، کیونکہ آپ مساجد میں جلوہ گر ہوتے ہیں، بالخصوص یہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا فرمان ہے۔ (مرقاۃ) حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، بعض علماء کرام سے سوال کیا گیا کہ بہت سے لوگ ایک ہی وقت میں دور دراز مقامات پر حضور اقدس ﷺ کو کیسے دیکھتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا۔

کا لشمس فی کبد السماء وضوءہا



یغشی البلاد مشارقاً ومغرباً

یعنی آپ سورج کی طرح ہیں جو وسط آسمان میں ہو تو اس کی روشنی مشرقوں اور مغربوں کے تمام شہروں کو ڈھانپ لیتی ہے، (الحادی)

(الفتاویٰ ۲/۳۵۳)

**علماء کے فیصلے اور واقعے:** حضرت شیخ ابن باز نجدی تو اسی شدت انکار میں دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، یقیناً آیت مبارکہ ”جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا“ کے مصداق ہو گئے، لیکن ہم اپنے احباب کے یقین محکم کے لئے علماء کرام کے فیصلے اور واقعے بیان کرتے ہیں، ان اللہ ذکر سے پوچھ لو اگر تمہیں معلوم نہیں۔

﴿.....۱.....﴾

اللہ، اللہ، حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں کیا حسن ارادت کیساتھ عرض کرتے ہیں۔

و اذا سمعت فعتك قولاً طيباً

و اذا نظرت فما اراى الاك

یا رسول اللہ، میں جب بھی سنتا ہوں اور جب بھی دیکھتا ہوں تو مجھے آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا، (تہذیب النعمان)

﴿.....۲.....﴾

حضرت شیخ عبد الغفار قوسی علیہ الرحمہ نے کتاب التوحید میں لکھا ہے کہ شیخ ابو یحییٰ کے اصحاب سے ایک بزرگ ابو عبد اللہ سوانی علیہ الرحمہ انہم میں متیم تھے، وہ خبر دیتے تھے کہ انہ میری رسول اللہ ﷺ فی کل ساعۃ وہ ہر وقت حضور سراپا ﷺ کو دیکھتے رہتے ہیں، (الحادی للفتاویٰ ۲/۳۳۳)

﴿.....۳.....﴾

حضرت شیخ ابو العباس طنبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ سید احمد رفاعی علیہ الرحمہ کے پاس مرید ہونے کے لئے گیا، آپ نے فرمایا، تیرا میر میں نہیں، شیخ عبد الرحیم ہیں جو قنا میں تشریف فرما ہیں، میں ان کے پاس حاضر ہو گیا، آپ نے مجھے فرمایا، کیا تجھے رسول اللہ ﷺ کا عرفان حاصل ہے، میں نے عرض کی، نہیں، آپ نے فرمایا، تو مسجد اقصیٰ میں جاتا کہ تجھے عرفان مصطفیٰ نصیب ہو جائے، میں بیت المقدس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارے آسمان، سب زمینیں اور عرش و کرسی آپ کے وجود نور سے بھرے ہوئے ہیں، میں یہ منظر دیکھ کر شیخ کامل کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا، کیا تو نے رسول اللہ ﷺ کا عرفان حاصل کر لیا، میں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، تیرا کام ہو گیا، رسول اللہ ﷺ کی معرفت کے بغیر کوئی اقطاب اور اتاد کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا، اور نہ کوئی ولایت کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ (سعادت الدارین ۲۳۱)

﴿.....۴.....﴾

حضرت شیخ عبد اللہ دلاصی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ساری زندگی میں میری ایک نماز صحیح ہوئی ہے، وہ اس طرح کہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد حرام میں تھا، جب امام نے تکبیر تحریمہ کہی تو میں نے بھی تکبیر تحریمہ کہی، پھر مجھ پر کیفیت طاری ہو گئی، میں نے سرکار اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز کی امامت کروا رہے ہیں، آپ کے پیچھے حضرات عشرہ مبشرہ کھڑے ہیں، میں بھی ان میں کھڑا ہوں، یہ ۶۷۳ھ کا واقعہ ہے۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ مدثر پڑھی اور دوسری رکعت میں عم یسألون پڑھی، آپ نے نماز کے بعد دعا مانگی۔ اللہم اجعلنا ہداة مہدین غیر ضالین ولا مضلین لا طمعانی برك ولا رغبة فیما عندك لان لك الحنة علینا یا مجادنا قبل ان لم نكن فلك الحمد



علیٰ ذالک لا الہ الا انت، جب آپ ﷺ دعا سے فارغ ہوئے تو ہمارے ظاہری امام نے سلام پھیرا، میں نے بھی اس کا سلام سن کر سلام پھیر لیا (الحادی للفتاویٰ ۲/۳۳۵)

﴿.....۵.....﴾

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ بیداری کے عالم میں صبح بخاری حضور اقدس ﷺ سے پڑھی (فیض الباری شرح بخاری لا نور شاہ کشمیری، پابندی ۲۰۲۱) حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے "مختصر مرتبہ بیداری کے عالم میں سر کی آنکھوں سے حضور اقدس ﷺ کا دیدار فرمایا اور بہت سی احادیث کے متعلق پوچھا تو آپ نے ان کی تصحیح فرمائی، حالانکہ محدثین کرام ان کو ضعیف قرار دے چکے تھے، (میزان البکری ۴/۴۱)

﴿.....۶.....﴾

مفسر قرآن حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، انبیاء کرام کی پردہ پوشی کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہم عوام الناس سے پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، اگرچہ وہ آج بھی موجود ہیں، زندہ ہیں، یہ ملائکہ کی طرح ہے کہ وہ بھی موجود ہیں اور زندہ ہیں لیکن ہم میں سے کوئی بھی انہیں نہیں دیکھتا مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مخصوص کر دے، (الحادی للفتاویٰ ۲/۳۵۱)

﴿.....۷.....﴾

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن بھیجا، آپ وصیت فرماتے ہوئے ان کے ساتھ (کچھ دور تک) تشریف لے گئے، حضرت معاذ سوار تھے اور حضور اقدس ﷺ پیدل چل رہے تھے، وصیت کے بعد فرمایا، اے معاذ قریب ہے، کہ تم مجھے نہیں مل سکو گے، اس سال کے بعد شاید تم میری مسجد اور میرے مزار سے گزر دو گے، یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غم فراق سے رونے لگے، آپ

نے مدینہ منورہ کی طرف التفات فرماتے ہوئے کہا، ان اولیٰ الناس ہی المتقون من کائنات و حیث کانا، وہ لوگ میرے بہت زیادہ قریب ہیں جو متقی ہیں اگرچہ وہ کہیں بھی رہتے ہوں، (مسند احمد ۵/۲۳۵، مشکوٰۃ ص ۴۳۵)

اللہ اکبر، معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اپنی امت کے نمکسار ہیں، امت کے قریب ہیں، جب امت کی نگاہیں کھل جاتی ہیں تو سامنے دیدار مصطفیٰ کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔

گر بمنی در بمنی پیش منی      گر بے منی پیش منی در بمنی

﴿.....۸.....﴾

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، باوجود اس بات کے کہ امت کے علماء میں اختلاف ہوتے ہیں، اور امت میں بہت سارے مذہب ہیں لیکن اس مسئلہ میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی حقیقی زندگی کے ساتھ دائم اور باقی ہیں اور امت کے احوال پر حاضر و ناظر ہیں، اور حقیقت کے طالبان کو اور ان حضرات کو جو آپ کی طرف متوجہ ہیں، فیض بھی پہنچاتے ہیں، ان کی تربیت بھی فرماتے ہیں، اس میں نہ تو مجاز کا شائبہ ہے اور نہ ہی تاویل کا وہم ہے، (اقترب اسئل براہین خدایں ص ۱۶)

﴿.....۹.....﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں، رسالہ (مبدأ معاد) لکھنے کے بعد یوں معلوم ہوا کہ حضرت رسالت خاتمیت ﷺ اپنی امت کے مشائخ کرام کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور وہی رسالہ آپ کے دست مبارک میں ہے، آپ نے کمال محبت کے ساتھ اسے چوم کر فرمایا، اسی قسم کے عقائد رکھنے چاہئیں، (مکتوبات دفتر ۲۲/۱) ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "جب جنوں کو قدرت الہی سے یہ طاقت



حاصل ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر عجیب و غریب کام سرانجام دیتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کو یہ طاقت عنایت فرمادے تو کوئی تعجب کی بات ہے، اور ان کو دوسرے مثالی بدلوں کی کیا ضرورت ہے، اسی طرح بعض اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ وہ ان واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مختلف اقسام کے کام وقوع پذیر ہوتے ہیں، (مکتوبات ۱۱/۲)

﴿.....۱۰.....﴾

حضرت امام نور الدین حلبي علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”اور جو ہم نے بیان کیا کہ انبیاء کرام (جہاں چاہیں تشریف لے جائیں) اس سے وہ ولایت کرتا ہے جو ہم نے روایت کیا، نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر انور میں نماز پڑھتے دیکھا اور جب آپ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ان کو وہاں بھی دیکھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے پیچھے تمام انبیاء کے ساتھ نماز پڑھی، پھر آپ ان سے جدا ہوئے اور آسمانوں کی طرف چڑھے تو چھ آسمان پر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام جیسے حضرت آدم و ہنسی، یحییٰ و یوسف، اور یس و ہارون اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا کہ ان تمام نے آپ کے پیچھے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی اور اس وقت ان کے اجساد آسمانوں میں موجود تھے، یہ تمام انبیاء حضور ﷺ سے فضیلت میں کم ہیں، آپ ان سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ اپنی قبر انور میں موجود ہونے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ موجود ہوں، (تاریخ اسلام بحوالہ سفارت الدارین ص ۲۹۹)

﴿.....۱۱.....﴾

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اپنے جسد انور اور روح

مقدس کے ساتھ زندہ ہیں اور زمین کے اقطار اور ملکوت میں جہاں چاہیں سیر کرتے اور تصرف فرماتے ہیں، آپ کی ہیبت مبارکہ ظاہری زندگی جیسی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ آنکھوں سے اور جھل ہیں جیسے فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ابھل ہیں“ (الحادی المقتادی ۲/۲۲۵)

﴿.....۱۲.....﴾

حضرت امام ابو بکر بن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”آپ کی ذات شریفہ کا دیدار جسد انور اور روح مقدس کے ساتھ محال نہیں، کیونکہ آپ اور دیگر انبیاء کرام زندہ ہیں، ان کی ارواح قبض کرنے کے بعد واپس ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں، اور ان کو اپنی قبور سے نکلنے اور کائنات علوی و سفلی میں تصرف کرنے کی عام اجازت ہے، ایک ہی وقت میں کئی افراد آپ کی زیارت کر سکتے ہیں کیونکہ آپ سورج کی طرح ہیں (جو ایک مقام پر چمکتا ہے لیکن ساری کائنات اس کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے) (الحادی المقتادی ۲/۲۲۵)

﴿.....۱۳.....﴾

حضرت امام ابو بکر احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”جس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا، پھر دوسری حدیث میں ان کو آسمان پر دیکھنے کا ذکر ہے، ان احادیث میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس کی طرف جاتے ہوئے ان کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پھر ان کو آسمان پر دیکھا، اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں دیکھا تھا۔ پھر ان سب کو آسمانوں پر دیکھا، ان میں کوئی استبعاد نہیں ہے، کیونکہ انبیاء کرام شہدا کی طرح (بلکہ ان سے زیادہ شان کے ساتھ)



زندہ ہیں، اس لئے ان کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں میں پایا جانا جائز ہے، جیسا کہ منبر صادق علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے“ (دلائل الامۃ ۲/۳۸۸، شرح مسلم سعیدی ۷/۷۷۷)

﴿.....۱۴.....﴾

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں، امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ محمد الشربینی کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد بادعجم میں تھی، اور کچھ بلاد ہند میں تھی اور کچھ بلاد کنرود میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل و عیال کے پاس ہو آتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرما دیتے اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں (وسائل ۱۰/۲۰۰)۔  
یہ شان ہے خدمتگاروں کی سرکار کا عالم کیا ہوگا

﴿.....۱۵.....﴾

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی فرماتے ہیں، ”مشرّب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں“ (فیصلہ مفت مسئلہ ۵) نیز فرماتے ہیں ”ہمارے علما مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں، تاہم علما جواز کی طرف بھی گئے ہیں، جب صورت جواز کی موجود ہے، پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں، اور ہمارے واسطے اتباعِ حرمین کافی ہے۔ البتہ وقت قیام کے اعتقاد و تولد کا نہ کرنا چاہئے، اگر احتمال تشریف آوری کیا جاوے، مضائقہ نہیں، کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے، لیکن عالم امردوں سے پاک ہے، پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں“ (شائم امدادیہ ص ۵۰) مزید فرماتے ہیں ”مولد شریف تمام اہل حرمین کرتے ہیں، اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے، اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہو سکتا ہے، البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں، نہ

چاہئیں اور قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے“ (ایضاً ص ۴۷) نیز فرماتے ہیں ”اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہئے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے، ایسے امور سے انکار کرنا غیر کثیر سے باز رکھنا ہے، جیسے قیام مولد شریف، اگر بوجہ آنے نام آنحضرت کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے، جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر سردارِ عالم و عالمیان (روحی فدا) کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا، (ایضاً ص ۶۸)

﴿.....۱۶.....﴾

عارف باللہ علی بن علوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تو ان کو شفیع معظم نبی محترم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو جاتی اور وہ حضور ﷺ سے پوچھ لیتے، اور نبی محترم ﷺ جواب سے سرفراز فرما دیتے، اور جب شیخ موصوف تشہد یا غیر تشہد میں عرض کرتے، السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو سن لیتے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں، ہو علیک السلام یا شیخ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور کبھی کبھی السلام علیک ایہا النبی بار بار پڑھتے، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ بار بار کیوں پڑھتے ہیں تو فرماتے ہیں جب تک آقائے دو جہاں سے جواب نہ سن لوں، آگے نہیں پڑھتا، نیز امام شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو پانچوں نمازیں سرورِ عالم ﷺ کے پیچھے پڑھتے ہیں، اور حضرت سیدی علی الخواص علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کسی کا ولایت محمدیہ میں قدم راسخ نہیں ہو سکتا، جب تک سید الوجود، رحمتِ عالم ﷺ اور خضرِ ولیاس علیہ السلام کی زیارت سے مشرف نہ ہو، پھر فرمایا کہ بعض لوگ جو اس دولت سے محروم ہیں، ان کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے (آب کوڑم ص ۲۱۱ بحوالہ سعادت الدارین ص ۱۴۶)



ان حقیقت افروز دلائل سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ آج بھی امت کے احوال سے پوری طرح آشنا ہیں، جب چاہتے ہیں اپنے غلاموں کو رحمت و رافت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ کمالان امت کو لمحہ بہ لمحہ دکھائی دیتے ہیں۔ اس پر اس قدر تواضع کے ساتھ واقعات موجود ہیں کہ کوئی اندھا ہی انکار کر سکتا ہے، آنکھ والا تو ہر سو ان کے جلوؤں کا نظارہ کر رہا ہے۔

**محفل معراج رسول:** حضرت شیخ ابن باز نجدی نے محفل معراج مصطفیٰ کے انعقاد کو بھی بدعت و ضلالت قرار دیا ہے، ہمیں ان کی جرأت پر حیرت ہوتی ہے، حالانکہ اہل نظر خوب جانتے ہیں کہ محفل معراج رسول کی اصل بھی کتاب و سنت سے حاصل ہوتی ہے، قرآن پاک نے حضور انور ﷺ کے معراج کا ذکر بڑے اہتمام سے فرمایا، ”پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا، جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے، تاکہ وہ ہماری نشانیاں دیکھ لے، بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے“ اسی طرح سورۃ النجم میں ذکر معراج خصوصیت کے ساتھ مرقوم ہے۔ پھر صحاح ستہ کی کتابوں میں احادیث موجود ہیں جن میں خود سرور عالم ﷺ نے اپنا ذکر معراج تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اگر کوئی خوش نصیب مسلمان اپنی مسجد میں دیگر مسلمانوں کو اکٹھا کر کے قرآن و حدیث کی روشنی میں شان معراج بیان کر دے تو کوئی بدعت ہے، کوئی ضلالت ہے، کیا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس مبارک عمل سے مسلمانوں کو روکا ہے؟ اگر اس عمل سے روکا ہے تو ان کے جلسوں، جلوسوں اور کانفرنسوں کا کہاں حکم دیا ہے؟ کاش کوئی نظر انصاف سے دیکھے کہ محفل معراج رسول کا انتظام تو رب کائنات نے فرمایا تھا، جب مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام کو جمع کیا گیا اور آخر میں صدر انبیاء ﷺ کو بلایا، وہاں سب نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور عظمت مصطفیٰ کا اعتراف کیا، حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور جس نے مجھے ملک عظیم دیا، اور مجھے اللہ سے ڈرنے والی امت بنایا، میری پیروی کی جاتی ہے، اور مجھے آگ سے بچایا اور اس آگ کو میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کر دیا، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے حکومت کی نعمت دی، اور مجھ پر زبور نازل کی اور میرے لئے لوہے کو نرم کر دیا اور پرندوں اور پہاڑوں کو میرے لئے مسخر کر دیا، اور مجھے حکمت دی اور فیصلہ سنانے کا منصب دیا، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، جس نے میرے لئے ہواؤں کو، جنوں کو، اور انسانوں کو مسخر کر دیا، اور میرے لئے شیطانوں کو مسخر کر دیا جو عمارتیں اور مجسمے بناتے تھے، مجھ کو پرندوں کی بولی سکھائی اور ہر شے کا علم دیا، میرے لئے پچھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا، جو میرے بعد کسی اور کے لئے سزاوار نہیں ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے مجھے تورات اور انجیل کی تعلیم دی، اور مجھے مادر زاد اندھوں اور برص والوں کو ٹھیک کرنے والا بنایا، اور میں اس کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اور مجھے آسمان پر اٹھایا اور مجھے کافروں سے نجات دی، اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان رجم



سے محفوظ رکھا اور شیطان کا ان پر کوئی زور نہیں ہے، پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، اور تمام لوگوں کیلئے شیر و نذیر بنا کر بھیجا، اور مجھ پر قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا، اور امت وسط بنایا، اور میری امت کو اول و آخر بنایا اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا، اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھے ابتدا کرنے والا اور انتہا کرنے والا بنایا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا، انہی فضائل کی وجہ سے تم سب انبیاء کرام پر محمد مصطفیٰ ﷺ کو فضیلت دی گئی ہے۔ (دلائل النبوة ۲/۴۰۱)

اس حدیث مبارک کو اور بھی محدثین کرام نے بیان کیا ہے اور اس کی توثیق فرمائی ہے، حضرت امام حاکم علیہ الرحمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، امام ابن کثیر علیہ الرحمہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے، (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۶۶) کیا اس حدیث مبارک میں اس محفل معراج رسول کی داستان نہیں جس کا انتظام رب کائنات نے فرمایا تھا، آج ہم مسلمان محافل معراج یا محافل ذکر مصطفیٰ اور ذکر انبیاء کا کرتے ہیں، انبیاء کرام کا ذکر مقبول اور محمود ہے۔ اسکو عام کرنے والے بھی مقبول اور محمود ہو جاتے ہیں، پھر ذکر مصطفیٰ تو ذکر مصطفیٰ ہے۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے  
رفعت شان رفعتا لک ذکرک دیکھے

**شب معراج کی تخصیص:** حضور اقدس ﷺ کو کس رات معراج کروائی گئی، اس

کے بارے میں محققین کا اختلاف ہے، حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، واضح ہو کہ ملک عرب کے لوگوں میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ کو معراج شریف رجب کی ستائیسویں تاریخ کو ہوئی تھی (ماہیت ۱/۱۸۴) حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ نے محدثین کرام کی تحقیق نقل کرنے کے بعد فرمایا، مختار وہ ہے جو ہمارے شیخ ابو محمد میاطی نے کہا ہے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے اور سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ واقعہ معراج ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو ہوا، جیسا کہ حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہوتا ہے، (شرح الحقاہ ۲/۲۳۲) معلوم ہوا کہ اہل حرمین کا تعامل رجب المرجب کی ستائیسویں رات کے حوالے سے مرقوم ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نجدی حکومت سے پہلے اہل حرمین میلاد رسول کی طرح معراج رسول کے تذکار مبارک کا انتظام بھی کیا کرتے تھے، نیز اس رات کو عبادت و ریاضت کا اہتمام بھی کیا کرتے تھے، برصغیر پاک و ہند اور دیگر بلاد اسلامیہ کے مسلمان نجدی اثرات سے محفوظ رہے، اس لئے انہوں نے ان اسلامی تقریبات کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ نجدی حضرات کو اگر معراج رسول کی رات کے بارے میں کوئی التباس ہے تو کسی بھی رات کو یا کسی بھی دن کو یہ ذکر فرما سکتے ہیں، عامۃ المسلمین کو تو اس کا رخیر سے نہ روکیں، لیکن شاید ان کا مقصد حیات ہی تذکار مصطفیٰ کو ختم کرنا ہے۔

ذکر رو کے، فضل کاٹے، نقص کا جو یار ہے

پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

**نصف شعبان کی رات:** تمام مسلمان جس طرح میلاد رسول اور معراج رسول پر وگرام مرتب کرتے ہیں، اس طرح شعبان المعظم کی پندرہویں رات کو اللہ تعالیٰ کی



عبادت و ریاضت سے مزین کرتے ہیں، حیرت ہے شیخ ابن باز نجدی اور ان کی ذریعہ  
ذکر مصطفیٰ سے تو چڑھتی، کیا عبادت خدا سے بھی چڑھے جو اس رات پر طعن و تشنیع کے پھر  
سانے لگے، جہاں تک اس رات میں دھماکوں اور پٹاخوں کا تعلق ہے تو ہمارے علماء کرام  
اور صوفیہ عظام اس کے شدید مخالف ہیں، اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان کاموں سے  
روکتے ہیں، اب اس قسم کی خرافات عیدین کے عظیم دنوں میں واقع ہو رہی ہیں تو کیا ان  
خرافات کو ختم کرنا چاہئے یا عیدین کو ختم کرنا چاہئے؟ افسوس یہ لوگ تو اس رات کی جانے  
والی عبادت سے بھی نالاں ہیں، جہاں تک مخصوص عبادت کا تعلق ہے کہ ان کے بارے  
میں روایات میں ضعف و سقم پایا جاتا ہے، لیکن مطلقاً عبادت کرنا، قبرستانوں میں جا کر دعا  
مانگنا، ذکر و فکر کرنا تو مسنون ہے، حضرت امام بیہقی علیہ الرحمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی  
اللہ عنہا سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اے عائشہ کیا تم شب  
بیداری کی اجازت دیتی ہو، میں نے عرض کیا ہاں میرے ماں باپ حضور پر قربان، تب  
آپ نے قیام فرمایا اور طویل سجدہ کیا، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ وفات پا گئے،  
پھر میں کھڑی ہو کر ٹٹولنے لگی، پس اپنا ہاتھ آپ کے تلواروں سے لگایا تو وہ چلے، اس وقت  
مجھے خوشی ہوئی اور میں نے سنا کہ آپ سجدہ میں دعا مانگ رہے ہیں، میں تیرے عقاب  
سے تیرے غلو کی پناہ لیتا ہوں، اور تیرے غصے سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں، تیرا چہرہ  
جلالت والا ہے، تیری ثنا کی شمار نہیں ہو سکتی، جیسے تو نے اپنی ثنا کی ہے، جب صبح ہوئی تو میں  
نے ان دعاؤں کا ذکر کیا، فرمایا اے عائشہ اسے یاد کر لو اور دوسروں کو سکھا دو، ایک روایت  
میں آپ ﷺ نے فرمایا اے حمیرا کیا تم جانتی ہو یہ کونسی رات ہے، عرض کیا اللہ اور اس کا  
رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے، بے شک اللہ اس رات  
اپنے بندوں پر ظہور فرماتا ہے، تو بہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے، رحم چاہنے والوں پر

رحم فرماتا ہے، اور کینہ تو زوں کو ویسے ہی رہنے دیتا ہے (ما ثبت بالنسب ۲۰۰) اس رات کے  
بارے میں کافی روایات موجود ہیں جو تعدد کی بدولت درجہ حسن پر فائز ہیں، چونکہ محدثین کا  
اتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف احادیث بھی قابل قبول ہوتی ہیں، اس لئے بھی اس رات  
کی فضیلت ثابت ہے۔ اس کو ضلالت اور بدعت و جہالت قرار دینا تو شدید زیادتی ہے،  
تابعین کرام کی ایک جماعت مثلاً خالد بن معدان، بکھول، لقمان بن عامر اس کے قائل  
ہیں، اطلق بن راہویہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، وہ اس رات عمدہ کپڑے پہنتے، سرمہ  
لگاتے اور مسجد میں رات بھر قیام کرتے تھے، اب اگر کوئی آدمی شب بیداری کرے یا اس  
رات اکٹھے ہو کر مسلمان اللہ اور اس کے رسول کا ذکر کریں اور عالم اسلام کے لئے دعا  
کریں تو یہ عمل مستحب ہے، ذکر خدا کے لئے اور ذکر مصطفیٰ کیلئے کسی بھی رات اور کسی بھی  
دن کو اکٹھے ہونا امر مندوب ہے۔ اس کام کے فضائل صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ نہیں تو  
مکتلوۃ شریف کے باب ذکر و استغفار کا مطالعہ کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذاکروں کا ہم  
جلیس ہوتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا، ذکر کی محافل اگر اس رات کو  
منعقد کر لی جائیں تو کیا قباحت ہے، کس نص قطعی نے اس عمل خیر کو حرام قرار دیا ہے۔  
حضرت امام اوزاعی کے ہاں بھی اس رات شب بیداری کا جواز موجود ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ  
کا بھی قول ہے کہ دعا پانچ راتوں میں (قبول) ہوتی ہے، جمعہ کی رات، عیدین کی رات،  
رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرہویں رات، (ما ثبت بالنسب ۲۰۱) امام بیہقی علیہ الرحمہ سے  
مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس رات اللہ تعالیٰ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں  
کے برابر اپنے بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق  
رضی اللہ عنہما اپنے والد سے یا اپنے چچا سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ  
پندرہویں شعبان کو آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے، اس رات ہر گنہگار کی بخشش ہو



جاتی ہے، سوائے مشرک اور کینہ توڑ کے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس رات کو باہر تشریف لاتے اور خصوصی دعا مانگتے، بہر حال اہل اللہ نے اس رات کو اپنے اپنے اعمال سے منایا ہے، کیونکہ اس کو فرض یا واجب نہیں سمجھا گیا، نہ عبادت کی کوئی تخصیص کی گئی ہے۔ اس لئے شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے عمل خیر کرنا یقیناً باعث اجر و ثواب ہوگا۔ حضرت شیخ ابن باز نجدی نے شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن رجب کے حوالے سے اس رات کے فضائل کی تردید کی ہے کہ انہوں نے تمام احادیث کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہے، ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ حضرات تو آل نجد کے عظیم لیڈر ہیں، ان کے نزدیک تو روضہ رسول کی طرف سفر کرنا بھی حرام ہے، ان کا قول اور فعل ہمارے لئے حجت نہیں، ان کا یہ کہنا کہ اس رات کے قیام کے متعلق رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے کچھ بھی ثابت نہیں، سراسر خلاف تحقیق ہے، حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے شعب الایمان میں کتنی روایات نقل کی ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت کا ذکر ہے، دعا کا ذکر ہے، قبرستان میں جانے کا ذکر ہے، اگر کوئی کہے کہ آپ نے اپنے گھر کے اندر یہ کام سرانجام دیئے تھے، مسلمان مسجدوں میں کیوں نکل آئے تو ہم کہیں گے کہ آپ تو نماز تراویح کا التزام بھی گھر میں فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی معمول تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو مسجد میں باجماعت تراویح ادا کرنے کی ترغیب دلائی، پھر اس پر آج تک تمام امت مسلمہ کا عمل ہے۔ اسلام میں اچھے عمل کی ہر وقت گنجائش موجود ہے، شیخ ابن باز نجدی نے حافظ عراقی، امام نووی اور امام سیوطی کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، ان کی عبارات میں صرف مخصوص نوافل کی تردید ہے کہ وہ موضوع ہیں، مطلقاً عبادت کرنے کے متعلق ان علما کرام کا کوئی فتویٰ نہیں، ہم علامۃ المسلمین کو بھی ان نوافل پر کوئی اصرار نہیں کہ سو رکعت نماز نفل ادا کریں گے تو عبادت کا حق ادا ہوگا، یا یہ

ہمارے نزدیک وجوب کا درجہ رکھتے ہیں، وغیرہ، ہاں ان نوافل کے بارے میں جلیل القدر علما کرام اور صوفیاء عظام کے اقوال بھی موجود ہیں اور ان کے پاس روایات بھی موجود ہیں، جیسا کہ احیاء علوم الدین، قوت القلوب، غیۃ اللطائفین اور تصوف کی دیگر کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے، ان علما کرام نے بھی ان کو نوافل ہی سمجھا ہے، فرائض و واجبات کا درجہ نہیں دیا، لہذا ان پر شدید فتوے صادر کرنا محبوبان خدا کی توہین ہے۔ اگر وہ کوئی ضعیف روایت بھی بیان کرتے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ ان کے نزدیک صحیح ہو، کیونکہ وہ اہل رابطہ اور اہل مشاہدہ ہیں، خود حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے کتنی روایات کو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر صحیح لکھا ہے جس کو محدثین ضعیف اور موضوع قرار دے چکے تھے، پھر ایک محدث کے نزدیک کسی روایت کا ضعیف یا موضوع ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ دوسرے محدث کے نزدیک بھی ضعیف یا موضوع ہوگی۔

حضرت شیخ رقم راز ہیں،

”اگر محفل منعقد کرنا اور عبادت کیلئے شعبان کی چند راتوں میں شب یا رجب کا پہلا جمعہ یا شب اسرار و معراج کو خاص کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی امت کی ضرورت اس طرف راہ نمائی اور ہدایت کرتے، یا خود یہ کام کرتے اور اگر ان میں سے کوئی چیز آپ ﷺ سے واقعہ ہوتی تو صحابہ کرام اس کو ضرور نقل کرتے، اور اس کو امت سے نہ چھپاتے..... ان دونوں راتوں میں محفلیں منعقد کرنا اور انہیں کسی قسم کی عبادت کیلئے خاص کرنا اسلام میں نئی نکالی ہوئی بدترین بدعت ہے، اسی طرح ستائیسویں رجب کی رات، (عقیدۃ العلم ص ۱۹۶)



اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ اور ان کی ذریت کے اس فقہیت نام کی کوئی چیز نہیں، شرعی احکام کی بنیاد دو کاموں پر ہے، ایک ہے کسی کام کا دینا اور دوسرا ہے کسی کام سے روکنا، قرآن پاک میں ہے **وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا** جو کچھ تمہیں رسول عطا کرے وہ لے لو اور جس سے روک دے، اس سے رک جاؤ، ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ جس کام کے بارے میں کتاب اللہ سکوت فرمایا وہ معاف ہے، اگر بالفرض ان راتوں میں کوئی عمل خیر کرنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں تو اس عمل خیر کی ممانعت بھی نہیں، لہذا وہ عمل مباح ہوگا، یا مستحب ہوگا، اس کو حرام اور گمراہی قرار دینا دین میں زبردست تشدد ہے، ثانیاً ان راتوں میں محفلیں منعقد کرنے اور عبادت سرانجام دینے کی اصل سنت رسول سے ثابت ہے لہذا اجازت ہے، حضرت شیخ ابن باز نے بار بار ان احادیث کو نقل کیا ہے۔

۱..... **مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرٌ فَهُوَ رَدٌّ** جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں ثابت نہیں، وہ مردود ہے، (مسلم ۷/۷۷)

۲..... **مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ** جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے، (بخاری ۳۷۱/۱، مسلم ۷/۷۷، ابوداؤد ۲۷۹/۲)

۳..... **وَضَرَبَ الْمَسُورُ مَحْدَثًا تَهْلُوْا كُلَّ بَلْعَةٍ ضَلَالَةٍ** بدترین کام دین میں ایجاد کردہ بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے،

ان احادیث نبویہ کے برحق ہونے میں کسی مسلمان کو تردد نہیں ہے، لیکن ضرورت امر کی ہے کہ ان کو جس طرح شارحین حدیث نے سمجھا ہے، اس طرح سمجھا جائے۔

..... حضرت علامہ ابن منظور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ہر وہ کام جو اصول شریعت کے

خلاف اور سنت کے موافق نہ ہو، بدعت ہے۔ (سان العرب ۱۰۶/۱)

..... حضرت امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ جو شخص دین میں کسی ایسے کام کو گھڑے جس کی اصول دین میں کوئی دلیل نہ ہو، وہ کام قابل اعتبار نہیں ہے، (فتح الباری ۳۰۳/۵)

..... حضرت امام بدر الدین عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جو امر کتاب اور سنت میں نہ پایا جائے اس کو دین میں گھڑ لینا احداث ہے، (عمدة القاری ۲۷۲/۱۳)

..... حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز ایجاد کی گئی ہو جو کتاب و سنت، آثار صحابہ یا اجماع کے خلاف نہ ہو تو وہ گمراہی ہے اور اگر ایسی اچھی بات ایجاد کی گئی ہو جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہ گمراہی نہیں (مرقات ۱/۱۷۹) علاوہ ازیں امام آلوسی، امام ابن حجر مکی، امام سنوسی، امام سیوطی، امام نووی، امام شامی، امام دشتانی نے بھی بدعت کی پانچ اقسام مجہول کیا ہے، واجب، حرام، مستحب، مکروہ، مباح، جو بدعت اصول شرع کے خلاف نہ ہو، اس کو سب نے مستحسن قرار دیا ہے،

..... حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جو بدعت اصول و قواعد سنت کے مطابق ہو اور اس سے قیاس کی گئی ہو، اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو گمراہی، (بوضوح الدعوات)

..... مفتی محمد شفیع کراچی دیوبندی لکھتے ہیں، جو عبادت آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحۃً، یا اشارتاً وہ بدعت نہیں ہو سکتی، (سنت و بدعت ص ۱۲)

..... حضرت علامہ سید یوسف رفاہی فرماتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کی سنت اور طریقہ یہ



ہے کہ جو عبادت اور کار خیر شریعت کے مخالف نہ ہو بلکہ موافق ہو اس کو قبول کر لیا جائے، اور جو مخالف ہو اس کو رد کر دیا جائے، اس سنت اور طریقے پر آپ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام عمل پیرا ہوئے اور علماء کرام نے اسی سے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ ہر نو پیدا چیز کو شریعت کے قواعد اور اس کے نصوص پر پیش کرنا ضروری ہے، شریعت جس کے حسن کی گواہی دے وہ حسن اور مقبول ہے اور جس کے خلاف اور قبیح ہونے کی گواہی دے وہ مردود ہے، اور بدعت مذمومہ ہے، بعض اوقات پہلی قسم کو نو پیدا ہونے کی وجہ سے لغوی طور پر بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں ورنہ واقع میں وہ شرعی بدعت نہیں ہے، بلکہ وہ سنت مستنبط ہے کیونکہ شریعت کے دلائل و شواہد اس کے مقبول ہونے کی گواہی دیتے ہیں، (اولیٰ الہیہ، ص ۴۲)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں، ”وہ امور جن کے لئے بالاتر قانون ساز نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے، نہ حدود اور اصول متعین کئے ہیں، ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصول عامہ کے مطابق مقتنہ ہر ضرورت کے لئے قانون سازی کر سکتی ہے، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نہ ہوتا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شارع علیہ السلام نے ان کو اہل ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، (خلافت و ملکیت ص ۴۲)

مزید لکھتے ہیں، کسی فعل کو بدعت مذمومہ قرار دینے کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ وہ نبی ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا تھا، لغت کے اعتبار سے تو ضرور ہر نیا کام بدعت ہے، مگر شریعت کی اصطلاح میں جس بدعت کو ضلالت قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ نیا کام ہے جس کے لئے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدے یا حکم سے متصادم ہو، جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی ایسی مضرت رفع کرنا متصور نہ ہو، جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے، جس کا نکالنے والا اسے خود اپنے اوپر یا دوسروں پر اس ادعا کے

ساتھ لازم کرے کہ اس کا نہ کرنا گناہ اور کرنا فرض ہے، یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہوا، اسے بدعت بمعنی ضلالت نہیں کہا جاسکتا۔

مزید لکھتے ہیں، بخاری نے کتاب الجمعہ میں چار حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں جمعہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایک اذان کا اضافہ کر دیا، لیکن اسے بدعت ضلالت کسی نے بھی قرار نہیں دیا، بلکہ تمام امت نے اس نئی بات کو قبول کر لیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کیلئے خود بدعت اور احداث کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ انہما لمن احسن ما احدثوا یہ ان بہترین نئے کاموں میں سے ہے جو لوگوں نے نکالے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے، اور فرماتے ہیں کہ ما احدث الناس شفاء احب الی منہا، لوگوں نے کوئی ایسا نیا کام نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بارے میں وہ طریقہ جاری کیا جو نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہ تھا، وہ خود اسے نیا کام کہتے ہیں، اور پھر فرماتے ہیں نعمت البدعة ہذا، کیا ہی اچھا یہ نیا کام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجرد نیا کام ہونے سے کوئی فعل بدعت مذمومہ نہیں بن جاتا..... بلکہ اسے بدعت مذمومہ بنانے کی کچھ شرائط ہیں، امام نووی شرح مسلم میں کسل بدعة ضلالة کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، علمائے کہا ہے کہ بدعت یعنی اعتبار لغت سے نئے کام کی پانچ قسمیں ہیں، ایک بدعت واجب ہے، دوسری بدعت مندوب ہے، تیسری بدعت حرام ہے، چوتھی مکروہ اور پانچویں مباح ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ جو نیا کام شرعاً مستحسن کی تعریف میں آتا ہو، وہ اچھا ہے اور جو شرعاً برے کام کی تعریف میں آتا ہے وہ برا ہے، ورنہ پھر مباح کی قسم میں سے ہے“ (ترجمان القرآن جلد ۶ ص ۶۰ عدد ۱)



غیر مقلدین کے معتبر عالم قاضی شوکانی نے بھی لکھا ہے، لغت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے نظیر نہ ہو، اور شرعی اصطلاح میں سنت کے مقابلے میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے یہ مذموم ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت ہے جو شرع میں اچھا ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر کسی ایسے اصول کے تحت ہے جو شرع میں بُرا ہے تو یہ بدعت سیدہ ہے ورنہ بدعت مباحہ ہے، بیشک بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (نیل الاوار: ۳۲۵/۳)

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوا کہ ہر نیا کام مذموم نہیں ہوتا، مذموم وہی ہوتا ہے جس کی کوئی دلیل اور اصل اصول شرعیہ سے ثابت نہیں پھر نیک کام کی اسلام میں ہرگز کوئی ممانعت نہیں، جس دور میں سرانجام دیا جائے قابل قبول ہے۔ قرآن پاک نے مطلقاً فرمایا، اس سے بہتر کون ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، اور فرمایا نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو، ثابت ہوا کہ مذکورہ صدر احادیث میں بدعات اور محدثات سے مراد وہ نئے کام ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہوں۔ اب کوئی ایسی آیت یا روایت بیان کی جائے جس نے میلاد، معراج اور شبِ برات کی محافل کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ محافل اللہ اور اس کے رسول کے ذکر پر مبنی ہیں لہذا عمل خیر کے زمرے میں داخل ہیں، ان میں شامل ہونا اور ان سے تعاون کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو بلانا عمل خیر کا فروغ ہے جو ہر حال میں اور ہر دور میں مستحسن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو آدمی اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے، اسے اپنے عمل اور اس کے بعد آنے والے جو اس اچھے طریقے پر عمل کریں، ان کے عمل کا ثواب ملے گا، اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جو آدمی اسلام میں برا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنے

عمل اور اس کے بعد آنے والے جو اس برے طریقے پر عمل کریں، ان کے عمل کا گناہ ہے اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی، (رواہ المسلم، مشکوٰۃ ص ۳۳۳) باقی رہا ان محافل کی خاص تعیین کا مسئلہ تو کسی نقلی کام کے لئے عرفاً وقت مقرر کرنا جائز ہے، یہ شرعی تعیین نہیں، کیونکہ وہ کام معین وقت کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی نقلی کام کو معین وقت میں کرنا ہی شرعاً ضروری سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے، کسی نقلی کام کے لئے وقت کا تعیین کرنا احادیث نبویہ سے ثابت ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبلہ میں تشریف لیجاتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا کیا کرتے تھے، (بخاری: ۱۵۹/۱) امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ بعض دنوں کو بعض اچھے کاموں کے لئے خاص کرنا جائز ہے، اور اس پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا بھی درست ہے (معجم: ۱۹/۳) امام بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس حدیث میں بعض دنوں کو بعض عبادتوں کے لئے مخصوص کرنے پر جواز کی دلیل ہے اور یہ امر جائز ہے، ماسوا ان اوقات کے جن میں کسی عبادت کی تخصیص سے روک دیا گیا ہے، جیسے جمعہ کی رات کو نوافل کی تخصیص سے روکا گیا ہے اور جمعہ کے دن کو روزے کی تخصیص سے روکا گیا ہے، (مدۃ القاری: ۲۵۹/۷) ایک اور حدیث مبارک ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو عوام الناس سے خطاب فرمایا کرتے تھے، (بخاری: ۱۶/۱) مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں،

”ہر دو حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مقصود مباح یا کسی طاعت کے لئے تعیین یوم اگر باعتقاد قربت نہ ہو، بلکہ کسی مباح مصلحت کے لئے ہو، جائز ہے، جیسے مدارس دینیہ میں اسباق کیلئے گھنٹے معین ہوتے ہیں



اور اگر باعقاد قریب ہو مٹھی عنہ ہے۔“ (ہواد نوادر ص ۴۵۸)

الحمد للہ، دلائل سے ثابت ہو گیا کہ میلاد، معراج اور شبِ برات کی محافل کی اصل اصول شرعیہ اور قواعد اسلامیہ سے ثابت ہے، قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ میں کوئی حکم بھی ایسا نہیں جو ان محافل کو حرام قرار دیتا ہو، لہذا یہ محافل بدعتِ ضلالت نہیں، سراسر سعادت ہیں، باعثِ رحمت اور موجبِ برکت ہیں، امتِ محمدیہ کے تعامل کی بدولت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں محمود ہیں، سبیلِ المومنین کی حجت شرعی سے مقبول ہیں، باقی اگر کوئی بد نصیب ان عظیم راتوں میں منکرات کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو برا سمجھنا چاہئے تاکہ عبادت گزاروں اور محافل ذکر و نعت کے کار پردازوں کو برا سمجھنا چاہئے، کیا اندھے اور بینے انسان برابر ہیں؟

فصلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم

الی یوم القیام والدین



## حیاتِ برزخی کا اثبات



اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے ساتھ عالم امر کی ارواح کو وجود بشری میں سامنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا، اُن کا ایک ایک انداز دست قدرت سے تیار کیا، فرمایا تین کی قسم، زمین کی قسم، طور سینین کی قسم اور اس شہر امین کی قسم، بے شک ہم نے انسان کو نہایت خوبصورت انداز میں پیدا کیا ہے، پھر اُن کے جسم خاکی میں اپنی روح پھونکی تو وہ کامل انسان بن کر بیدار ہو گئے اور ارواح کے عالم اجسام میں آنے کا بہترین وسیلہ بن گئے، اب یہ آئین مشیت بن چکا کہ جس نے بھی عالم اجسام میں وجود بشری حاصل کرنا تھا، اسی خلیفہ ارضی کی بدولت حاصل کرنا تھا، اُن کے وجود سے حضرت حواض اللہ منہا پیدا ہوئیں اور پھر اس بابرکت جوڑے سے اربوں انسانوں نے جنم لیا، فرمایا،

اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا، اس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر اُن دونوں سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو پیدا

یہ عالم اجسام انسان کی امتحان گاہ ہے جس میں اُس کی روحانی پرورش کے لیے انبیاء کرام کی تعلیمات اور اولیاء عظام کے فیوضات قدم قدم پر موجود ہیں جبکہ جسمانی نشوونما کے لیے انواع و اقسام کی نعمتوں کے جہان آباد ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین کو کچھوٹا اور آسمان کو چھت بنایا ہے، آسمان سے رحمتوں بھرے بادل نازل کرتا ہے اور زمین سے رنگ برنگ پودے اُگاتا ہے، سورج، چاند، ستاروں کی روشنی سے اندھیروں کو کافور کرتا ہے، یہ دن اور رات، یہ آب اور خاک، یہ باد اور نار، یہ پھول اور شبنم، انسان کی خدمت کے لیے کر بستہ ہیں، سب کچھ اس کے لیے ہے اور یہ اپنے خالق کی تقدیس کے لیے ہے، فرمایا، ہم نے انسانوں اور جنوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا، (القرآن)

انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے، دونوں اچھے اور برے اعمال کے ذمہ دار ہیں، نیز جزا اور سزا کے حق دار ہیں اس عالم کے بعد ایک اور جہان بھی انسان کا منتظر ہے، اُسے جہان برزخ کہا جاتا ہے، وہاں تک اجسام کے ٹکڑے کے لیے موت کو ذریعہ بنایا گیا ہے، جس طرح عالم امر سے عالم خلق میں منتقل ہوتے وقت روئیں فنا کی گھاٹ نہیں اُتریں، اسی طرح جہان برزخ میں منتقل ہوتے وقت بھی اُن کو کچھ نہیں ہوگا، اس ارتقا کے باوجود اُن کا احساس رکھنا، اور اک کرنا، دیکھنا، سوچنا، سننا، بولنا، ارادہ کرنا، آنا جانا اور تصرف کرنا بحال رہے گا، موت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان قطعی طور پر نیست و نابود ہو جائے گا، مگر کرمی میں مل جائے گا، بلکہ موت تو ایک پل ہے جس پر چل کر انسان اپنے مالک حقیقی سے ملاقات کرتا ہے۔ یا پھر روح اور جسم کے اس ”معروف تعلق“ کے ٹوٹ جانے کا نام ہے، اس کے باوجود روح اور جسم کا رابطہ برقرار رہتا ہے، جسم کو عذاب ہوتا ہے روح اس کی شدت پوری طرح محسوس کرتی ہے، اگر روح کو غم لاحق ہوتا ہے تو جسم پوری طرح تڑپتا ہے، ثواب کی صورت میں بھی دونوں یکساں طور پر لطف اٹھاتے ہیں، اس کا نام ہی حیات برزخی ہے، جو اس حیات دنیوی سے زیادہ طاقتور



ہے، اہل برزخ کو جہانِ پھر اور لاشی کہنا معتزلہ کا عقیدہ ہے، مسلمان شروع سے اہل برزخ کی زندگی کے قائل ہیں، برزخ ایک وسیع و عریض جہان ہے جو یومِ نشور تک موجود رہے گا، اس کے باسیوں کے اپنے اپنے مشاغل ہیں، کفار اور منافقین تو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہوں گے، ان کے ابدان اور ارواح پر آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہوں گے، گنہگار مسلمانوں کو بھی عذاب سے دو چار کیا جاسکتا ہے، جبکہ نیکوکاروں کیلئے جنتی فرش بچھائے جاتے ہیں، جنتی لباس پہنائے جاتے ہیں، جنتی باغات کی باد صبا پہنچائی جاتی ہے، رزقِ کریم سے استقبال کیا جاتا ہے، ان کے اجسام بھی تروتازہ ہوتے ہیں، کفن تک سلامت رہتے ہیں، ان کی ارواح بھی علیٰ علیین میں، چاہے زم زم میں، جنتی پرندوں کے پونوں میں یا عرشِ اعظم کے کنگروں میں جلوہ گر ہوتی ہیں، ان کو عالمِ خلق کی سیر کا مکمل اختیار دیا جاتا ہے، وہ آن واحد میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب کا چکر لگا سکتی ہیں، ایک لمحے میں ہزاروں مقامات پر حاضر و ناظر ہو سکتی ہیں، انبیاء کرام، شہداء عظام اور اولیائے مقام کا تو کیا کہنا، یہ ساری کائنات ان کے کمالات کی جولانگاہ ہے، وہ اپنے چاہنے والوں کی امداد کرتے ہیں، فریاد سنتے ہیں، زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی ”حیاتِ طیبہ“ کا ان سے وعدہ فرمایا تھا، سو وہ اس کی لذتوں سے شاد کام ہوتے ہیں، یاد رہے کہ عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس پر آیات اور احادیث کے دلائل قائم ہیں، اس کا انکار گمراہی ہے، اب اگر انسان برزخ میں ”جمادِ محض“ ہو کر رہ جائے تو عذاب و ثواب کا کیا فائدہ؟ اس صورت میں تو یہ عقیدہ ہی باطل ہو جاتا ہے، اور سیکڑوں نصوص کی تردید لازم آتی ہے، حضرت شیخ ابن باز نجدی اور ان کی ذریت نے معتزلہ کے نقشِ قدم پر چل کر اہلِ قبر کو جماد اور لاشی سمجھا ہے، چنانچہ وہ جنتِ البقیع اور جنتِ المعنیٰ میں کھڑے ہو کر اصحابِ و اہلِ بیت کے بارے میں یہ گستاخانہ الفاظ ادا کرتے نظر آتے ہیں، کاش ان کو معلوم ہوتا کہ وہ مقبوس مآب افراد اپنی

قبروں میں حیاتِ برزخی کے ساتھ زندہ ہیں، جو اس حیاتِ دنیوی سے زیادہ حسین اور عظیم ہے، نجدی علما نے حیاتِ برزخی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہر جگہ ٹھوکر کھائی ہے، اور اہل برزخ کیساتھ رابطہ کرنے، ان سے مخاطب ہونے، ان سے فریاد کرنے، ان کی امداد چاہنے اور ان کے لطف و کرم کی امید رکھنے کو شرک اکبر قرار دیا ہے، اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس موضوع پر قلم اٹھایا جائے اور اس کی حقانیت کے لئے قرآن و حدیث کے دلائل جمع کئے جائیں تاکہ القہاس دور ہو جائے اور ادھام کے بادل کا فور ہو جائیں۔

### .....قرآن پاک کا فیصلہ.....

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرمایا ہے،

﴿.....کیف تکفرون بالله و کتتم امواتاً فاحباکم ثم یمیتکم ثم یحبکم ثم یرفعون﴾ کیونکہ تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے، (سورۃ البقرہ: ۲۸)

حضرت علامہ جیر محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ”یہاں دو چیزیں قابلِ غور ہیں پہلی یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان مقصود ہے تو پھر موت کا ذکر کیوں کیا، اس کا جواب تو یہ ہے کہ کیونکہ یہ موت انسان کو فانی زندگی سے نکال کر ابدی اور دائمی زندگی کی طرف لے جاتی ہے، تو یہ موت ہزار نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ دوسری قابلِ غور چیز یہ ہے کہ یہاں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے، اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آئیں گی، اور یہ آیت کے خلاف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿ثم یمیتکم﴾ سے قبر کی زندگی مراد ہے، کیونکہ اس کے بعد



ارشاد ہے، ﴿نَمَّ إِلَيْهِ نَرَجَعُونَ﴾ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، یہاں تم کا لفظ استعمال ہوا ہے جو تعقیب اور تاخیر کیلئے آتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اس زندہ ہونے کے بعد ہوگا لیکن اس کے بعد فوراً نہیں بلکہ دیر کے بعد، اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ قبر کی زندگی کو تسلیم کیا جائے، اگر کہا جائے کہ ﴿نَمَّ يَسْمَعُكُمْ﴾ سے مراد حشر کی زندگی ہے تو پھر تم کے استعمال کا محل معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ جب قبروں سے اہل قبور اٹھائے جائیں گے تو فوراً بارگاہ الہی میں پہنچیں گے، کسی ٹال منول یا تاخیر کی اجازت نہیں ہوگی، (نہا القرآن ۴۳/۱) ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے،

﴿..... حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ ..... وَمِنْ وَرَاءِ هُمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ یہاں تک کہ جب کسی کو موت آئے تو کہتا ہے کہ اے رب مجھے واپس پھیر دے، شاید اب میں بھلائی کماؤں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے، اور ان کے آگے ایک برزخ (آڑ) ہے، اس دن تک جسمیں اٹھائے جائیں گے، (سورۃ المؤمن: ۹۹)

حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ برزخ موت سے وقت بعثت تک کی مدت کو کہتے ہیں، (غزائن العرفان ص ۳۵۱) بعض حضرات جب حیات برزخی کا انکار کرتے ہیں تو کہتے ہیں قبروں میں کیا رکھا ہے، وہاں انسان کی ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں تحلیل ہو چکی ہوتی ہیں، جواباً عرض ہے کہ جہاں تک انبیاء، شہداء، علماء اور اولیاء کا تعلق ہے تو ان کے اجسام مبارکہ قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں، اس حقیقت پر ہزاروں آثار اور شواہد موجود ہیں، گنہگاروں، کافروں اور منافقوں کے اجسام مٹی میں تحلیل ہو جائیں تو بھی ان کیلئے حیات برزخی ثابت رہتی

ہے۔ حضرت امام ابن ہمام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

”حق یہ ہے کہ جس مردے کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس کے اندر اتنی زندگی رکھ دی جاتی ہے کہ وہ الم کا احساس کرے، یہاں تک کہ اگر اس کے اجزا اس طرح بکھر گئے کہ باہم امتیاز نہ رہا بلکہ مٹی میں خلط ملط ہو گئے، پھر اسے عذاب دیا گیا تو ان ہی اجزا میں زندگی رکھ دی جاتی ہے جو نظر نہیں آتے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس پر ضرور قادر ہے“ (فتح اللہ ص ۳۶۰/۳)

عذاب قبر برحق ہے اور یہ اسی صورت میں برحق ہو سکتا ہے کہ صاحب قبر زندہ ہو، شعور رکھتا ہو اور درد و الم کو محسوس کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿..... النَّارُ يَعْصِرُ ضُجُونٌ عَلَيْهَا وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ، وَ هُمْ صَبْحٌ وَ شَامٌ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور قیامت کے دن فرعون والوں کو زیادہ سخت عذاب میں ڈالنے کا حکم ہوگا، (سورۃ المؤمن: ۴۶)

ذرا غور کیا جائے کہ قیامت سے پہلے آل فرعون کو صبح و شام آگ کے عذاب سے دو چار کرنا عذاب قبر کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے، اور اگر ان میں عذاب محسوس کرنے کیلئے حیات نہیں تو عذاب کا کیا مقصد ہے، حضور سرایا نور ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا صبح و شام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہے تو اسکو جنت کا مقام اور جہنمی ہے تو جہنم کا مقام دکھایا جاتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ خدا تجھے قیامت کے دن اس کی طرف بھیجے، (موطائے مالک ص ۳۱۱، بخاری، مسلم ترمذی، سنن ابن ماجہ)



## ..... رسول پاک ﷺ کا فیصلہ .....

حضور رہبر ثقلین، مرشد دارین، سرور کونین ﷺ نے اپنے بہت سے ارشادات میں حیات برزخی کی حقانیت پر گفتگو فرمائی ہے، ان ارشادات نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ موت وارد ہونے کے بعد انسان کی روح اور جسم کا رابطہ برقرار رہتا ہے، اسی کا نام حیات حقیقی ہے، جو اسے عالم برزخ میں بھی نصیب ہوتی ہے، بقول اقبالؔ

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی  
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی  
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات  
عام یوں اسکو نہ کر دیتا نظامِ کائنات  
جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں  
آکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں  
موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے  
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے  
زندگی کی آگ کا انجامِ خاکستر نہیں  
ٹوٹا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں  
مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے  
آخرت بھی زندگی کی ایک جولانگاہ ہے

حیات کی دو قسمیں ہیں، حیات عادی اور حیات حقیقی، روح کا جسم میں رہنا حیات عادی ہے، اور جب اسے نکال لیا جاتا ہے تو گویا انسان پر موت وارد ہو جاتی ہے، لیکن اس سے اس کی حیات حقیقی میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کی سماعت و بصارت، احساس و ادراک اور اختیار و تصرف سب کچھ برقرار رہتا ہے، حیات عادی پر موت کے وارد ہونے کی وجہ سے انسان کو مردہ یا میت کہا گیا ہے، حیات حقیقی کے ساتھ وہ زندہ ہے۔

ارشادات مصطفیٰ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موت کا معنی عدم محض نہیں، بلکہ اس کا مطلب ہے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا، محبوب حقیقی سے ملاقات ہونا اور جہان دنیا سے عالم آخرت کی طرف انتقال کرنا، ان معارف کو سمجھنے کیلئے درجہ ذیل احادیث مبارکہ کا مطالعہ کیجئے اور ایمان و عرفان کو نور علی نور کیجئے،

﴿۱﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب جنازہ رکھا جاتا ہے، اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے، مجھے آگے بڑھاؤ، اور اگر وہ نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ ہائے تباہی، کہاں لے جاتے ہو، انسان کے سوا اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے، اور اگر انسان بھی سن لے تو بے ہوش ہو جائے، (صحیح بخاری/۱، ۷۶، صحیح مسلم)

﴿۲﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیشک مرنے والا غسل دینے والے کفن پہنانے والے اور قبر میں تارنے والے کو جانتا ہے، (مسند احمد/۳۱۲)

﴿۳﴾ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الذنب سحن المومن و حنة الکافر فاذا مات المومن یحیی سر به یسرح﴾

حبث شاء ﴿یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت ہے، جب مومن وصال کر جاتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ وہ جہاں چاہے سیر و سیاحت کرے، (مصنف ابن ابی شیبہ/۳۵۵/۱۳) ایک روایت کے الفاظ ہیں، مومن کی روح جب نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قید خانہ سے آزاد ہو کر زمین میں گشت کرتا ہے، (کتاب البرہم/۴۱)

﴿۴﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر مرنے والا، غسل دینے والے کو پہچانتا ہے، اور اٹھانے والے کو قسمیں دیتا ہے، اگر اسے روح و ربیعان اور جنت نعیم کی بشارت ملے تو قسم دیتا ہے کہ مجھے وہاں لے چل، اور اگر گرم پانی اور



دہکتی ہوئی آگ کی اطلاع ہوتی ہے تو قسم دیتا ہے کہ مجھے روکے رکھ، (شرح الصدور ص ۳۹)  
 ﴿۵﴾ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے مجھے قبر کے ساتھ ٹیک لگائے دیکھا تو فرمایا، ﴿لَا تَوُذْ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ﴾ اس قبر والے انسان کو تکلیف نہ پہنچا، (مسند احمد، مکتوٰۃ ص ۱۳۹)

﴿۶﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو انسان اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے، اس کی وجہ سے قبر والے کا دل خوش ہوتا ہے، وہ اس کا جواب دیتا ہے جب تک وہ وہاں سے اٹھے (کتاب القبر ص ۸۳)  
 ﴿۷﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ﴿كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ وَإِذَا هُكَّ كَسْرُهُ حَيًّا﴾ مرنے والے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے تکلیف پہنچانا ایسے ہی ہے جیسے زندہ انسان کی ہڈی توڑی جائے (اور اسے تکلیف پہنچائی جائے)، (مسند احمد ص ۱۰۵)

﴿۸﴾ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مرنے والے کو اچھا کفن دو، اسے چیخ کر رونے، اسکی وصیت میں دیر کرنے اور قطع رحمی کی وجہ سے اذیت نہ دو، اس کا قرض جلدی ادا کرو اور اسے برے ہمسائے سے دور رکھو، (الفرس ص ۹۸)  
 ﴿۹﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی قبر سے گزرتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے، اگر وہ اسے دنیا میں جانتا تھا تو اب بھی جانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، (شرح الصدور ص ۸۳)

﴿۱۰﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کوئی شخص کسی شناسا آدمی کی قبر سے گزرتا ہے اور وہ اس کو سلام کرتا ہے تو وہ قبر والا بھی اسے جانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، اور اگر کسی نا آشنا آدمی کی قبر سے گزرتا ہے اور سلام کرتا

ہے تو قبر والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، (شعب الایمان ص ۱۷)

﴿۱۱﴾ حضرت عبد اللہ بن ابی فروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے شہداء کرام کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی، یا اللہ، تیرا بندہ اور تیرا برگزیدہ پیغمبر یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو آدمی بھی ان کی زیارت کو آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ اس کا جواب دیں گے، (المعجم رک ۲/۳)  
 ﴿۱۲﴾ حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حدیث پہنچی ہے، ﴿ان الموتى يعلمون بزارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماً بعده﴾ بے شک مرنے والے جمعہ کے دن اور ایک دن اس سے پہلے اور ایک دن اس کے بعد اپنے زائرین کو جانتے ہیں، (شعب الایمان ص ۱۸)

﴿۱۳﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ﴿ان الميت اذا وضع في قبره انه يسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا﴾ بیکم مرنے والا قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ دفن کر کے پلٹنے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہے، (صحیح بخاری، مسلم ص ۳۸۶)

﴿۱۴﴾ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک مرنے والا لوگوں کے جوتوں کا کھڑاک بھی سنتا ہے جب وہ اسے دفن کر کے چلے جاتے ہیں، (مسند احمد ص ۲۹۶) یہ حدیث مبارک مختلف الفاظ کے ساتھ ابوداؤد، نسائی، طبرانی، بیہقی اور سیوطی نے بھی روایت فرمائی ہے اور اس کی اسناد کو ثقہ قرار دیا ہے،

﴿۱۵﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازہ میں حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ تھے، جب اس کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا، اب وہ تمہارے جوتوں کی آواز تک سن رہا ہے، (طبرانی فی الاوسط ص ۵۳)



﴿۱۶﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ بدر کے کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں کفار مکہ کی لاشیں پڑی تھیں، آپ نے ان سے خطاب فرمایا، ﴿ووجدنہم ما وعد ربکم حقاً﴾ تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا ہوتا ہوا پایا، کسی نے کہا کہ حضور آپ مردوں سے مخاطب ہیں، آپ نے فرمایا، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن وہ جواب نہیں دیتے، (صحیح بخاری/۱۸۳)

﴿۱۷﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ میں کفار بدر کے مرنے کے مقامات دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں قتل ہوگا اور یہاں فلاں، پھر جہاں آپ نے بتایا وہاں ہی وہ قتل ہوئے، آپ کے حکم سے انکی لاشیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دی گئیں، آپ وہاں تشریف لے گئے اور ایک ایک کافر کا نام لے کر فرمایا، اے فلاں کے بیٹے فلاں، تم نے اللہ اور اس کے رسول کے وعدے کو برحق پایا، میں نے تو اللہ کے وعدے کو برحق پایا، لیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ آپ ایسے جسموں سے کیونکر کلام فرما رہے ہیں جن میں روئیں موجود نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، تم میرے کلام کو ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن ان میں جواب دینے کی طاقت نہیں، (صحیح مسلم/۲۸۷)

﴿۱۸﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ﴿یسמעون کما تسمعون ولكن لا یحییون﴾ وہ سنتے ہیں جیسے تم سنتے ہو مگر وہ جواب نہیں دیتے، (فتح الباری/۲۳۶)

﴿۱۹﴾ حضرت عبید بن مرزوق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، اس کا وصال ہو گیا، حضور نبی اقدس ﷺ اس کی قبر سے گزرے، آپ نے فرمایا، یہ کس کی قبر ہے، لوگوں نے عرض کیا، یہ ام حنن کی قبر ہے، آپ نے فرمایا، وہی خاتون جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، لوگوں نے عرض کیا، ہاں، آپ ﷺ نے صف بنا کر نماز

پڑھائی پھر اس خاتون کو خطاب کر کے پوچھا، تم نے کونسا عمل افضل پایا، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا وہ سنتی ہے؟ آپ نے فرمایا، تم اس سے زیادہ نہیں سنتے، پھر فرمایا، اس نے جواب دیا ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینا (سب سے افضل عمل ہے) (شرح الصدور/۴۰)

﴿۲۰﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے ارشاد فرمایا، ﴿حیثما مرت بقبر مشرک فبشرہ بالنار﴾، تو جہاں بھی کسی مشرک کی قبر سے گزرے، اس کو آگ کی بشارت سنانا، بعد میں وہ اعرابی مسلمان ہو گیا، وہ کہتا ہے کہ مجھے اس فرمان رسول نے مشقت میں ڈال دیا ہے، میں جس کا فری کی قبر سے بھی گزرا تو اسے ضرور آگ کی بشارت سنائی، (سنن ابن ماجہ/۱۱۴)

﴿۲۱﴾ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جائے اور تم اس کی قبر کی مٹی برابر کر چکو تو کوئی بھی آدمی اس کے سرہانے کھڑا ہو کر پکارے، اے فلاں ابن فلاں اودہ اس کی آواز سنے گا مگر جواب نہ دے گا، وہ دوبارہ اسی طرح پکارے تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر وہ تیسری بار پکارے تو اب وہ جواب دے گا، ہمیں حکم کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے، لیکن تمہیں اس کے جواب کی خبر نہیں، پھر وہ کہے کہ یاد کروہ عقیدہ کہ جس پر تو دنیا سے اٹلا تھا، یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور یہ کہ تو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، محمد مصطفیٰ ﷺ کے نبی ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی ہوا، منکر اور نکیر یہ بات سن کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر کہیں گے، چلو اس کے پاس کیا بیٹھنا جس کو لوگ اس کی حجت بتا چکے ہیں، (مجموعہ لکھنؤ/۹۹)

﴿۲۲﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انسان جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور لوگ مرنے لگتے ہیں تو وہ جو توں کی آہٹ سنتا ہے،



دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے کہتے ہیں، اس شخص محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، وہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اسے کہا جاتا ہے، دوزخ میں اپنی جگہ دیکھ لے، اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے میں جنت عطا فرمادی، آپ ﷺ نے فرمایا، وہ انسان یہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے، کافر یا منافق کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں، میں تو وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے، اسے کہا جائے گا، نہ تو نے جانا اور نہ سمجھا، پھر لوہے کے تھوڑے اس کے کانوں کے درمیان مارے جاتے ہیں اور وہ چیختا ہے، اس چیخ کو انسانوں اور جنوں کے علاوہ اس پاس کی تمام چیزیں سنتی ہیں، (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

﴿۲۳﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے جنہیں عذاب دیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا، ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے لیکن کسی خاص جرم سے نہیں، ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا، پھر آپ نے ایک بزرگشاہی اور اس کے دو کلڑے کر کے ایک ایک قبر پر رکھ دیئے، لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ یہ کس مقصد کیلئے ہیں، فرمایا جب تک یہ سرسبز رہیں گی شاید ان کے عذاب میں تخفیف رہے، (ایضاً)

﴿۲۴﴾ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب مومن کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ بھیجا جاتا ہے، پھر وہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ کی گواہی دیتا ہے، پس یہی کچھ اللہ کا فرمانا ہے، ﴿يَبِيتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (بخاری، کتاب الجنائز)

﴿۲۵﴾ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک دن رسول اللہ ﷺ غروب آفتاب کے بعد نکلے، آپ ﷺ نے ایک آواز سنئی تو فرمایا یہودیوں کو ان کی قبر میں

عذاب دیا جا رہا ہے، (ایضاً)

﴿۲۶﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ایک یہودی عورت نے میرے پاس آکر عذاب قبر کا ذکر کیا اور کہا، اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے، سیدہ نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا، ہاں عذاب قبر برحق ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، اس کے بعد ہم نے آپ ﷺ کو ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے دیکھا، (ایضاً)

﴿۲۷﴾ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنے منجر پر سوار تھے، ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، اچانک آپ کا منجر بدکا، قریب تھا کہ آپ کو گرا دیتا، ناگاہ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے، ایک شخص نے کہا، میں پہچانتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کب مرے تھے، اس نے عرض کیا، زمانہ شرک میں، تب آپ ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب سے دو چار ہیں، اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ اس عذاب سے کچھ تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں، پھر ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا، دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، سب نے کہا، ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، فرمایا، قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، سب نے کہا، ہم قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا، کھلے اور چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو، سب بولے کہ ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، (رواہ المسلم بخلاف باب عذاب قبر)

﴿۲۸﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب میت دفن کی جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں، ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا، میت



کہتی ہے، یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، تب وہ کہتے ہیں، ہم تو جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا، پھر اس کی قبر میں سترگز تک فراخی دی جاتی ہے اور اس کے لئے روشنی کر دی جاتی ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے سو جا، وہ کہتا ہے، میں اپنے گھر جاؤں تاکہ انہیں خبر دوں تو وہ کہتے ہیں، ﴿نَمُكُونُ مَعَ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحِبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ﴾ سو جا، لیکن کی طرح جسے اس کے پیارے خاوند کے سوا گھر کا کوئی فرد نہیں جگاتا، تاکہ اللہ اسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا۔ اگر مردہ منافق ہو تو کہتا ہے، میں نے لوگوں سے کچھ کہتے سنا تھا، اسی طرح میں بھی کہہ دیتا تھا، میں (ان کو) نہیں پہچانتا۔ تب وہ کہتے ہیں، ہم تو جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہو جا، زمین اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ مردے کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں، پھر وہ قبر کے عذاب میں ہی رہتا ہے، تاکہ اللہ اسے اس کے ٹھکانے سے اٹھائے (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب عذاب قبر)

﴿۲۹﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دنیا سے مسلمان کا رخصت ہونا ایسے ہی ہے جیسے بچے کا اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آنا، جیسے اس غمناک اور تاریک جگہ سے دنیا کی کھلی فضا میں قدم رکھنا (نور الاصول ص ۷۷)

﴿۳۰﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب مرنے والے کو جنازہ پر رکھ کر تین قدم چلتے ہیں تو وہ ایک کلام کرتا ہے، جس کو جنوں اور انسانوں کے علاوہ جنہیں اللہ چاہے سب سنتے ہیں، وہ کہتا ہے، اے بھائیو، اے میرا جنازہ اٹھانے والو، تمہیں دنیا فریب میں مبتلا نہ کر دے جس طرح اس نے مجھے مبتلا کر دیا تھا، اور تم سے وہ کھیل نہ کھیلے جس طرح مجھ سے کھیلی تھی، اپنا ترکہ میں اپنے وارثوں کیلئے چھوڑ چلا ہوں، جبکہ بدلہ دینے والا مجھ سے قیامت کے دن جھگڑا کرے گا اور میرا حساب لے گا، تم

میرے ساتھ تو چل رہے ہو مگر مجھے اکیلے چھوڑ آؤ گے، (کتاب التہ ص ۴۰)

﴿۳۱﴾ حضرت حبان بن ابی جبلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، مجھے حدیث پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ شہدا کے لئے نہایت خوبصورت جسم اتارتا ہے، اس کی روح سے کہا جاتا ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ، پس وہ اپنے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں، وہ کلام کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی گفتگو سن رہے ہیں وہ خود جو ان کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ لوگ بھی اس کو دیکھ رہے ہیں، یہاں تک کہ حور عین میں سے اس کی بیویاں آکر اسے لے جاتی ہیں، (شرح الصدور ص ۹۸)

﴿۳۲﴾ حضرت ابو عبد اللہ بکر مزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، مجھ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ تدفین میں جلدی کرنے سے مرنے والا بہت مسرور ہوتا ہے، (شرح الصدور ص ۴۰)

﴿۳۳﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، زندوں کے رونے سے مرنے والے پر عذاب ہوتا ہے، (مسند احمد ۱۳۵/۲) علما کرام کی ایک جماعت کا فرمان ہے کہ، یہاں عذاب کا یہ معنی ہے کہ زندوں کے چیخنے چلانے سے مرنے والے کو صدمہ ہوتا ہے۔

﴿۳۴﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو وہ اس حال میں سلام بھیجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح میری طرف لوٹائی ہوتی ہے، حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں، (ابوداؤد ۱۷۹/۱، مسند احمد ۱۷۷/۲)

﴿۳۵﴾ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن لوگ بیہوش ہوں گے، سو اس دن تم مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا



جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا، ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا، آپ کا جسم تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا، آپ نے فرمایا، اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے، (ابوداؤد/۱۵۰)، انبیاء کرام کے طفیل شہداء و علما اور اولیاء کے اجسام بھی زمین پر حرام ہیں، مثلاً حضرت عمرو بن جموح اور عبدالرحمن احد میں شہید ہوئے تھے، سیلاب کی وجہ سے ان کی قبریں کھل گئیں تو چھیا لیس سال بعد بھی جسم تروتازہ تھے، امام تہمتی نے لکھا ہے کہ ایک صاحب قبر کے پاؤں پر پھاڑا لگ گیا تو خون بہنے لگا، (دلائل البیۃ) کافی مدت کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کیا گیا تو بالکل ایسی تروتازہ تھا، (مشترہ، ص ۳۵)

﴿۳۶﴾ حضرت ابو دراضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہو، ہم نے عرض کیا، آپ کی وفات کے بعد بھی، آپ ﷺ نے فرمایا، میری وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ نے انبیاء کے اجسام کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے، (جلالہام ابن قیم ص ۶۳)، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی حافظ قرآن مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کے جسم کو نہ کھانا، زمین کہتی ہے، الٰہی میں کیسے کھا سکتی ہوں اس میں تیرا کلام ہے، (شرح المصدر ص ۳۱۳) حدیث مبارک ہے، ثواب کے لئے اذان پڑھنے والے مؤذن کی قبر میں بھی کیڑے نہیں پڑتے، (ایضاً)

﴿۳۷﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے، کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے، اور میں تم کو حلال اور حرام کی خبر دیتا ہوں، میری وفات بھی تمہارے لئے خیر ہے، کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں، ان کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجا کرتا ہوں، (الوقایا حوالہ، ص ۸۱۰)

﴿۳۸﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیاحت کرتے رہتے ہیں، وہ میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں، میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے، کہ تم حدیثیں بیان کرتے ہو اور تمہارے لئے حدیث بیان کی جاتی ہے، اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، میں تمہارا نیک عمل دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور تمہارا برا عمل دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، (مجمع الزوائد ص ۱۳۳)

﴿۳۹﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں ادا کرتے ہیں، (حیۃ الانبیاء ص ۱۷)

﴿۴۰﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرا، وہ ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، (رواہ مسلم، القول البدیع ص ۱۲۸)

### ..... اشارات .....﴿

ان چالیس احادیث مبارکہ اور ان جیسے اور بھی بہت سے ارشادات نبویہ سے معلوم ہوتا ہے،

..... موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد بھی انسان کی عقل اور ہوش بدستور قائم رہتا ہے،

..... اپنی منازل جنت کو دیکھتا ہے، اپنے مقامات دوزخ کو مشاہدہ کرتا ہے،

..... نیک ہمسائے سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور برے ہمسائے سے اذیت محسوس کرتا

ہے، صدقات و حسنات کا منتظر رہتا ہے، اپنے عزیزوں کی ملاقات کا مشتاق رہتا ہے،

..... اپنی قبر پر آنے والے زائر کو جانتا اور پہچانتا ہے، اس کی آواز کو سنتا ہے اور اس کے سوال

کا جواب دیتا ہے، قبر میں نماز پڑھتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے،

..... انبیاء کرام کی تو عظیم شان ہے، وہ اپنے مزارات میں حسی، جسمانی اور دنیوی حیات



کے ساتھ زندہ ہیں، کائنات کی سیاحت فرماتے ہیں، غلاموں کی امداد کرتے ہیں، مشکوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں، ان کے اچھے اعمال پر خوش ہوتے ہیں،  
 ✽..... انبیاء کرام کے صدقے حضرات اولیاء، علما اور شہداء بھی حسین و جمیل زندگی حاصل کرتے ہیں، سب کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں،

✽..... انسان قبر میں رہ کر بھی اپنے اہل خانہ کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے،  
 ✽..... موت کے بعد روح کی صفات اور افعال باقی رہتے ہیں، روح کو فنا نہیں ہوتی بلکہ موت کے بعد وہ اور صاف اور تیز ہو جاتی ہے۔

### ✽..... صحابہ کرام کا فیصلہ.....✽

قرآن اور حدیث کو جس طرح صحبت مصطفیٰ سے مستفیض ہونے والے عظیم حضرات نے سمجھا ہے، کسی اور کا فہم و ادراک ان کے مقابلے میں کچھ نہیں، آئیے دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم السلام نے حیات بزرخی کے حوالے سے کیا فیصلے صادر فرمائے ہیں،  
 ✽(۱) حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، میری ذات پر زیادہ درود پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ میری قبر انور پر متعین فرمایا ہے، جب کوئی امتی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ عرض کرتا ہے، یا محمد مصطفیٰ! فلاں ابن فلاں نے اس وقت آپ پر درود پڑھا ہے، (مسند احمد، کنز العمال ۱/۴۸۳، زرقاتی ۵/۳۳۵)  
 حضرت امام زرقاتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کو اتنی قوت عطا کی گئی ہے کہ کائنات کے تمام جنوں اور انسانوں اور تمام مخلوق کے منہ سے جو بھی لفظ نکلتا ہے، وہ اسے سماعت کرتا ہے، (زرقاتی ۵/۳۳۶) حضرت امام عبدالرؤف مناوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو تمام انسانوں اور جنوں اور ان کے سوا تمام مخلوق کی آواز سننے کی طاقت عطا فرمائی

ہے، (فیض القدیر ۲/۴۸۳) بلکہ ایک حدیث مبارک کے الفاظ ہیں "اسماع الخلائق کلہا" وہ تمام مخلوقات کی آواز کو سنتا ہے، (التاریخ الکبیر ۶/۴۶۶) اب ذرا تصور کیجئے کہ اگر ایک فرشتے کی شان سماعت کا یہ حال ہے تو خود محبوب اعظم ﷺ کی شان سماعت کا کیا حال ہوگا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ اپنے مزار اقدس میں زندہ ہیں، آپ کو صیغہ خطاب سے یاد کرنا شرک نہیں، ایک مقدس فرشتے کی سنت ہے۔ یہ تمام عقیدے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث مبارک سے ثابت ہوئے۔

✽(۲) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بقیع کے قبرستان سے گزرے اور فرمایا، اے قبر والو! اتم پر سلام ہو، ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے ہیں، تمہارے گھروں میں اور لوگ رہنے لگے ہیں، تمہارے مال تقسیم ہو گئے ہیں، اس پر کسی (صاحب قبر) نے جواب دیا، اے عمر بن خطاب! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ ہم نے جو عمل کیے تھے، یہاں وصول کئے ہیں، جو کچھ راہ خدا میں خرچ کیا تھا اس کا نفع اٹھایا ہے، اور جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے، وہ سب کا سب رائیگاں چلا گیا ہے، (شرح الصدور، بحوالہ کتاب اقباص ۸۷) آپ ایک نوجوان کی قبر پر تشریف لے گئے جو خوف خدا کی وجہ سے انتقال کر گیا تھا، آپ نے اس سے پوچھا، اے فلاں! جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں، نوجوان نے قبر سے آواز دی، اے عمر! میرے رب نے مجھے دو مرتبہ جنت عطا کی ہے، (کنز العمال ۲/۱۵۱۷) آپ فرماتے ہیں اپنے مردوں کے پاس بیٹھ کر خدا کی یاد دلاؤ کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے، (شرح الصدور: ۸۰)

✽(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ایک جنازے کے ہمراہ قبرستان پہنچے تو ایک مردہ دفن کیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا مانگو کیونکہ اس سے اب سوال کیا جائے گا، (ابوداؤد، حاکم، بیہقی، شرح الصدور ص ۱۲۶) ابن



عسا کر نے مطرف سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ اے امیر المؤمنین، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، وہ فرمانے لگے، اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بھلائی کی، انہوں نے دریافت کیا کہ کونسا دین بہتر ہے، فرمایا دینِ قیم، (شرح الصدور ص ۲۶۵) حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل میں کثیر بن صلت سے روایت کیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر شہادت کی رات غنودگی طاری ہوئی تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ فرما رہے تھے کہ تم ہمارے ساتھ نماز جہاد کرو گے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ روزہ افطار کرو گے، چنانچہ آپ جمعہ کے روز بہ حالت روزہ شہید کر دیئے گئے اور آپ کا خواب بالکل سچا ہوا، (ایضاً ص ۲۵۹)

﴿۳﴾ حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مقابر مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا، اے اہل قبور، تم پر سلامتی ہو، تم ہمیں اپنی خبریں بتاؤ گے یا ہم تمہیں خبر دیں، میں نے ایک آواز سنی، کسی صاحب قبر نے سلام کا جواب دے کر عرض کیا، اے امیر المؤمنین، آپ بتائیں کہ ہمارے بعد کیا گزری، آپ نے فرمایا، تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے، تمہارے مال تقسیم ہو گئے، اولاد یتیم ہو گئی، تمہارے گھروں میں دشمن رہنے لگے، یہ ہماری خبریں ہیں، اب تم بتاؤ تمہارے پاس کیا ہے، ایک صاحب قبر نے جواب دیا، کفن پھٹ گئے، ہال چھڑ گئے، کھالوں کے پرزے ہو گئے، آنکھوں کے ڈھیلے گالوں تک آ گئے، ہنصوں سے گند پانی جاری ہے، جو آگے بھیجا تھا اس کا فائدہ ہوا، اور جو پیچھے چھوڑا، اس کا خسارہ ہے، ہم اپنے اعمال میں گرفتار ہیں“ (شرح

الصدور بحوالہ ابن مساکر ص ۸۷)

﴿۵﴾ امام ابو نعیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جب حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پروردگی زیادتی

ہوئی تو ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا، اے ابو محمد! یہ گھبراہٹ کیسی، یہ تو صرف اتنی سی بات ہے کہ تمہاری روح جدا ہو رہی ہے، اب تم اپنے باپ علی، ماں فاطمہ، دادا نبی کریم ﷺ، دادی خدیجہ اور چچا حمزہ و جعفر اور ماموں قاسم، طیب طاہر اور امرا قیم اور خالہ رقیہ، ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہم سے ملنے والے ہو، یہ سن کر ان کی تکلیف دور ہو گئی، (شرح الصدور بحوالہ ابن مساکر ص ۹۶)

﴿۶﴾ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا، منہال بن عمرو نے کہا کہ میں دمشق میں تھا تو بخدا میں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر انور کو لے جاتے ہوئے دیکھا، سر انور کے سامنے ایک شخص سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا، جب وہ آیت پر پہنچا کہ ام حسبہ ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من ایتنا عجباً اللہ تعالیٰ نے سر انور کو قوت گویائی عطا فرمائی، وہ بزبان فصیح بولا اصعب من اصحاب الکہف قتلی و حملی یعنی میرا قتل کیا جانا اور نیزے پر اٹھایا جانا اصحاب کہف سے بھی زیادہ عجیب نشانی ہے، (شرح الصدور ص ۲۰۲)

﴿۷﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ میں حضور انور ﷺ کے مزار اقدس والے گھر یونہی حجاب کے بغیر چلی جاتی اور دل میں کہتی کہ وہاں کون ہے، ایک میرا شوہر ذی وقار ہے اور دوسرا میرا والد بزرگوار ہے، جب سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے تو اللہ کی قسم میں ان سے شرم کے باعث اپنا حجاب اوڑھ کر داخل ہوتی، (مشکوٰۃ باب زیارۃ القبر، مستدرک ص ۷۴) یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ اہل قبور زیارت کے لئے آنے والوں کو پہنچاتے ہیں، نیز ان سے ایسے ہی پردہ کرنا چاہئے، جس طرح عام زندہ لوگوں سے پردہ کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ایک فوت شدہ عورت کے سر میں زور سے کنگھی کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا کس لئے اپنے مردے کے بال کھینچتے ہو، (کتاب الاطوار ص ۸۶)



﴿۸﴾ حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما آپس میں ملے تو ایک نے دوسرے سے فرمایا، اگر آپ مجھ سے پہلے وصال کر جائیں تو مجھے اطلاع دیں کہ وہاں کیا کچھ پیش آیا، دوسرے نے سوال کیا کہ کیا زندہ لوگ اور مردہ لوگ بھی آپس میں ملتے ہیں، فرمایا، ہاں، اہل ایمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں اور ان کو اختیار عطا کیا جاتا ہے کہ وہ جہاں چاہیں، سیر کریں، (شعب الایمان ۱۲۱/۲)

﴿۹﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، مومن کی روح نہیں نکلتی، جب تک بشارت نہ دیکھ لے، جب وہ نکلتی ہے تو ایسی آواز میں پکارتی ہے جسے جنوں اور انسانوں کے سوا گھر کا ہر چھوٹا بڑا جانور سنتا ہے، (وہ کہتی ہے) مجھے سب سے زیادہ رحم کرنے والے کے پاس لے چلو، پھر جب اسے جنازے پر رکھتے ہیں تو کہتی ہے، تم چلنے میں کتنی دیر لگا رہے ہو، (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۳۲۸)

﴿۱۰﴾ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں قبرستان میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا اور بازار میں بیٹھنا ایک جیسا سمجھتا ہوں کہ لوگ دیکھتے ہیں، (یعنی جس طرح بازار کے لوگ دیکھتے ہیں، اسی طرح حزار کے لوگ بھی دیکھتے ہیں)، (ایضاً ۳/۳۲۹)

﴿۱۱﴾ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ جب مجھے قبر میں دفن چکے تو آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا اور میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر بٹھیرے رہنا جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جائے، یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور مجھ لوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں، (صحیح مسلم ۷/۷۶)

﴿۱۲﴾ حضرت ابوالریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ایک جنازہ میں شریک ہوا، کسی کے چلانے کی آواز سنی تو آپ نے کسی کو بھیج کر اسے

خاموش کرادیا، میں نے عرض کیا کہ آپ نے اسے کیوں خاموش کرایا ہے، فرمایا، اس سے مرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ قبر میں چلا جائے، (مسند احمد ۴/۱۳۵)

﴿۱۳﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مومن کو موت کے بعد تکلیف دینی ایسے ہی ہے جیسے اس کی زندگی میں تکلیف دی، (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۶۷)، آپ رضی اللہ عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا، جس طرح میں مومن کو اس کی زندگی میں تکلیف دینا برا خیال کرتا ہوں اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کو تکلیف دینا برا سمجھتا ہوں، (شرح الصدور ۱۲۶)

﴿۱۴﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میت کو جلد اس کے گڑھے کی طرف لے جاؤ کیونکہ وہی اس کا ٹھکانہ ہے، تاکہ اس میں جا کر وہ اچھائی یا برائی کو دیکھ لے، (شرح الصدور بحوالہ کتاب القبر ۹۹)

﴿۱۵﴾ امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک صحابی نے کسی قبر پر خیمہ لگالیا اور ان کو پتہ نہ تھا کہ یہ قبر ہے، انہوں نے سنا کہ اندر کوئی شخص سورہ ملک کی تلاوت کر رہا ہے، جب وہ سورہ ملک پڑھ چکا تو صحابی نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، یہ عذاب سے نجات دلانے والی اور عذاب کو روکنے والی سورت ہے، (شرح الصدور ۱۸۰)

﴿۱۶﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر تیار کیا اور علام بن حضرمی کو کمانڈر مقرر کیا۔ میں نے بھی اس جنگ میں شرکت کی، جب ہم واپس ہوئے تو ان کا اشتغال ہو گیا، ہم نے ان کو دفن کر دیا، جب دفن سے فارغ ہوئے تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یہ زمین مردوں کو قبول نہیں کرتی، پھینک دیجیے، ایک دو میل کے فاصلے پر دفن کرو تو اچھا ہے، ہم نے ان کو نکالنا شروع کر دیا، جب لحد تک



پہنچے تو وہ وہاں نہیں تھے اور قبر حدنگاہ تک وسیع تھی اور تمام قبر انور نور سے منور تھی، ہم نے مٹی اسی طرح ڈال دی اور واپس آ گئے، (شرح الصدور ص ۱۸۶، بحوالہ کتاب اللہ) ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ولید کے زمانے میں دیوار گری تو لوگ بتانے لگے کہ ایک پاؤں نظر آیا تو لوگ ڈر گئے اور سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ کا قدم مبارک ہے، پھر ان سے عروہ نے کہا کہ بخدا یہ حضرت عمر کا پاؤں ہے، (بخاری کتاب البیضاء) معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے اجسام قبروں میں محفوظ رہتے ہیں، یہ ان کی حیات حقیقی کی دلیل ہے،

﴿۱۷﴾ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اس ذات کریم کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جو آدمی قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ذرا بھی رغبت رکھے گا، اگر وہ دجال کا زمانہ پائے گا تو اس پر ایمان لائے گا، ورنہ وہ اس پر قبر میں ایمان لائے گا، (ایضاً ص ۱۵۱) قبر میں دجال پر ایمان لانے کیلئے، اس صاحب قبر کا زندہ ہونا ضروری ہے،

### ﴿..... دیگر صالحین امت کا فیصلہ.....﴾

صحابہ کرام علیہم السلام کے بعد دیگر صالحین امت کا مقام ہے۔ حیات برزخی کے اثبات پر ان کے ارشادات اور واقعات ملاحظہ کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ وہ کس طرح اس عقیدے کی حقانیت پر متفق ہیں۔

﴿۱۸﴾ حضرت راشد بن سعد، حضرت ضمیرہ بن حبیب اور حضرت حکیم بن عمیر رضی اللہ عنہم عظیم تابعی ہیں اور صحاح ستہ کے ثقہ راویوں میں شامل ہیں، ان سے روایت ہے جب میت پر مٹی ڈال کر قبر کو درست کر چکیں اور لوگ واپس جانے لگیں تو یہ مستحب ہے، کہ اس کی قبر کے قریب ظہر ٹھہر کر کہا جائے، اے فلاں، لا الہ الا اللہ کہو، یہ تین بار کہا جائے، اے فلاں اس

عقیدے کا اعلان کرو کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں، (سنن سعید ابن منصور)

﴿۲﴾ حضرت عطا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میری خالہ کا بیان ہے کہ میں نے قبور شہدا کی زیارت کیلئے گئی، میرے ساتھ دو لڑکے تھے، انہوں نے میری سواری کو پکڑ رکھا تھا، جب میں نے شہدا کو سلام کیا تو ان کا جواب سنائی دیا، واللہ انا نعرفکم کما یعرف بعضنا بعضاً اللہ کی قسم ہم تمہیں اس طرح پہچانتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں سواری پر بیٹھ کر واپس آ گئی، (متدرک ۲/۲۹)

﴿۳﴾ حضرت ہاشم عمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد گرامی احد کی زیارت کے لئے گئے، جمعہ کا دن تھا، ابھی سورج نہ نکلا تھا، میں اپنے والد گرامی کے پیچھے تھا، انہوں نے اہل قبور کو سلام کیا تو جواب آیا، اے ابو عبد اللہ تم پر سلامتی ہو، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے جواب دیا ہے، میں نے عرض کیا نہیں، انہوں نے دوسری اور پھر تیسری بار سلام عرض کیا تو جواب آیا، تم پر بھی سلامتی ہو، میرے والد گرامی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کرنے لگے، (دلائل اللہ ص ۳۰۹/۳۱۰)

﴿۴﴾ مشہور تابعی حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ اسے جنازہ کے ساتھ لے کر چلتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ سن لے، تیرے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے، (شرح الصدور ص ۳۹، بحوالہ کتاب البیضاء)

﴿۵﴾ حضرت امام شافعی علیہ السلام، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے تو نماز صبح میں قنوت نہ پڑھی، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا، میں اس امام صاحب کے مزار کے سامنے کیسے قنوت پڑھوں حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں، (الایمان



اکبریٰ/۱) بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے نماز میں رفع یدین نہ فرمایا، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، اس امام اجل رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یہ مناسب نہیں کہ ہم ان کے خلاف عمل کریں، (درۃ شرح مشکوٰۃ/۲۰۱) آپ کا فرمان ہے کہ بلاشبہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر انور کے پاس اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کرتا ہوں تو میری حاجت پوری ہو جاتی ہے، (برخلاف)۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ اہل قبور زندہ ہیں، زائرین کے اعمال اور احوال سے خبردار ہیں، زائرین کو ان کا اسی طرح ادب و احترام کرنا چاہئے جس طرح دنیا میں موجود بزرگ کا کیا جاتا ہے، نیز ان کے مزارات کا وسیلہ انسانی حاجتوں کو دور کر دیتا ہے، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت کے مقبول ہیں، ایک بار آپ نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا تو انہوں نے فرمایا، ابوحنیفہ تمہیں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تم میری سنت کو ظاہر کرو اور عزت کا قصد ترک کرو، (تذکرۃ اولیاء/۱۳۶) آپ نے روضہ مصطفیٰ پر عرض کیا، اے رسولوں کے سردار آپ پر اسلام ہو تو جواب آیا، اے مسلمانوں کے امام تم پر بھی سلام ہو، (ایضاً) یہ تمام احوال ثابت کر رہے ہیں کہ سلف صالحین کے نزدیک حیات برزخی کا اثبات ایک مسلمہ عقیدہ ہے، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، قبر میں منکر نکیر کا سوال برحق ہے اور قبر میں بندے کی روح کا لوٹنا برحق ہے، (فتاویٰ کبریا/۱۸)

﴿۶﴾ حضرت ابن ابی نجیح علیہ السلام کا شاربیع تابعین میں ہوتا ہے، صحاح ستہ کے راوی، اور اہل مکہ میں نامور عالم دین تھے، فرماتے ہیں، جب انسان رخصت ہوتا ہے تو اس کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ اپنے بدن کو دیکھتی ہے کہ اسے کس طرح نہلایا اور کفنایا جاتا ہے اور کس طرح لوگ اسے قبر کی طرف لے کر جاتے ہیں،

﴿۷﴾ حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور حالت پوچھی کہ منکر اور نکیر نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، فرمایا، جب انہوں نے آکر پوچھا کہ تیرا رب کون ہے تو میں نے جواب دیا، واپس تشریف لے جاؤ اور حق تعالیٰ سے کہو کہ باوجود اس قدر خلقت کے تو نے ایک کمزور عورت کو فراموش نہ کیا تو میں جس نے تمام کائنات میں تجھی کو عزیز رکھا، کیونکر بھول سکتی ہوں، تو خواہ مخواہ دوسروں کو بھیج کو مجھ سے پوچھتا ہے کہ تیرا رب کون ہے، محمد اسلم طوی اور نعیمی طرطوسی جنہوں نے جنگل میں تیس ہزار آدمیوں کو سیراب کیا تھا، رابعہ بصری رضی اللہ عنہ کی قبر پر آئے اور کہا، آپ کہا کرتی تھیں کہ میں دونوں جہانوں سے فارغ ہو گئی ہوں، اب آپ کی حالت کیا ہے، قبر سے آواز آئی، جو چیز میں نے دیکھی تھی اور اب دیکھ رہی ہوں وہ مجھے مبارک ہے، (تذکرۃ اولیاء/۵۶)

﴿۸﴾ حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا، اور کہا کہ تو اس قدر مجھ سے ڈرتا تھا، کیا تجھے میرے رحم و کرم کی صفت معلوم نہیں تھی، ایک اور شخص نے خواب میں دیکھ کر یہی سوال کیا تو فرمایا، اللہ تعالیٰ نے رحم و کرم سے مجھے بخش دیا، اور وہ ہر چیز پہنائی جو نہیں پہنچی تھی، اور وہ ہر چیز کھائی پلائی جو نہیں کھائی تھی، (تذکرۃ اولیاء/۸۶)

﴿۹﴾ حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ستر آدمیوں نے حضور خواجہ دو عالم کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا محبوب دوست ذوالنون اس کے پاس پہنچ گیا ہے اور ہم اس کے استقبال کو آئے ہیں، آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کی پیشانی پر بخٹ سبز لکھا ہوا دیکھا، اللہ کے حبیب ہیں اور اس کی محبت میں فوت ہوئے ہیں، اللہ کے خلیل ہیں اور اس کے عشق کی تلوار سے فوت ہوئے ہیں، جب آپ کا



جنازہ اٹھایا تو سورج نہایت تیزی کے ساتھ چمک رہا تھا، اسی وقت پرندوں کا ہجوم آگیا جس نے پروں سے پر ملا کر آپ کے جنازے پر سایہ کر دیا، راہ میں جب آپ کا جنازہ لے کر جا رہے تھے تو موذن کی اذان سنائی دی، شہادت پر آپ نے انگلی اٹھائی تو لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر شور کیا کہ شاید آپ زندہ ہیں، چنانچہ جنازہ رکھ دیا گیا، آپ کی انگلی اسی طرح رہی، پوری کوشش کی گئی کہ انگلی کو نیچے کیا جائے مگر نہ ہوئی، چنانچہ آپ کو دفن کر دیا گیا، مصر کے لوگوں نے آپ کی یہ حالت شان دیکھی تو اپنی ناروا حرکات پر پشیمان ہوئے اور توبہ کی۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۹۳)

﴿۱۰﴾ حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ کا وصال ہوا تو آپ کے مرید ابو موسیٰ اس رات غائب تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عرش کو سر پر اٹھائے ہوئے لا رہا ہوں، اس خواب سے بہت حیران ہوا، صبح اس خیال سے کہ خواب کا ذکر شیخ صاحب سے کروں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ انتقال کر چکے تھے، بہت سے لوگوں نے جب آپ کے جنازے کو اٹھایا تو میں نے کوشش کی کہ کسی طرح مجھے بھی جنازے کا ایک گوشہ مل جائے، مگر موقع نہ ملا، آخر میں جنازے کے نیچے ہو گیا، خواب مجھے بھول چکا تھا، اس وقت میں نے دیکھا کہ شیخ صاحب نے فرمایا، یہ تمہارے رات کے خواب کی تعبیر ہے، منقول ہے کہ کسی مرید نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ منکر نکیر سے آپ نے کس طرح نجات پائی، فرمایا، انکے سوال پر میں نے کہا، اس سوال سے آپ کا مقصد پورا نہ ہوگا، آپ واپس جا کر اسی سے پوچھیں جس نے آپ کو بھیجا ہے کہ میں اس کا کیا ہوں، جو کچھ وہ کہے گا، وہی میں ہوں گا، میرے کہنے سے وہ میرا رب نہ بنے گا، جب تک وہ نہ کہے کہ یہ میرا بندہ ہے، (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۳۲) بعض بزرگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تصوف کیا ہے، فرمایا، آرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لینا، (ایضاً)

﴿۱۱﴾ حضرت رفیع بن سلیمان علیہ الرحمہ کہتے ہیں، میں نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا، آپ نے فرمایا، کرسی پر بٹھا کر زرد جواہر شمار کیے اور چند دینار کے بدلے میں ستر ہزار دے کر رحمت فرمائی۔ (ایضاً ص ۱۳۲) حضرت محمد بن خزیمہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا تو آپ نے فرمایا، مجھے بخش دیا اور میرے سر پر تاج رکھ کر فرمایا، جاؤ جنت میں چلے جاؤ کیونکہ تم نے تکلیف برداشت کی مگر قرآن کو مخلوق نہیں کہا، اس لئے اب تم ہمیشہ میرا کلام سنتے رہو گے، واللہ اعلم، ایک شخص نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا، میں زندان سے رہائی حاصل کر چکا ہوں، آپ کی وفات کے بعد غیب سے آواز آئی کہ داؤد علیہ السلام اپنے مقصد کو پہنچ گیا، اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا، (ایضاً ص ۱۳۲)

﴿۱۲﴾ ایک دن حضرت معروف کرفی علیہ الرحمہ بازار جا رہے تھے اور (نفل) روزہ رکھا ہوا تھا، ایک ماشکی نے کہا ”رحم اللہ من شرب“ جو شخص پانی پئے، اللہ اس پر رحم فرمائے۔“ چنانچہ آپ نے پانی پی لیا، لوگوں نے پوچھا کہ آپ روزہ دار تھے، فرمایا، بے شک لیکن میں نے اس دعا کی طرف رغبت کی، آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا تو فرمایا، ایک ماشکی کی دعا کے طفیل بخش دیا، شیخ سری سقطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں آپ کو عرش الہی کے نیچے بے ہوش پڑے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، جواب ملا، خداوند ہی بہتر جانتا ہے، فرمایا، یہ معروف کرفی ہیں جو میری دوستی میں اس حد کو پہنچ گئے ہیں، کہ میرے دیدار کے بغیر ان کو ہوش اور آرام نہیں، (ایضاً ص ۱۶۷)

﴿۱۳﴾ حضرت خواجہ ابوتراب الحنفی علیہ الرحمہ کی وفات میدان بصرہ میں ہوئی، چاروں



طرف جنگل تھا، آپ قبلہ رو کھڑے تھے، عصا ہاتھ میں تھا، پانی کا کوزہ سامنے رکھا، لب خشک تھے، آپ کی نعش کو وفات کے کئی سال بعد لوگوں نے اسی طرح سرقد رو قبلہ کھڑے دیکھا اور دفن کر دیا، لیکن اس اثنا میں کوئی درندہ آپ کی نعش کے نزدیک نہ آیا (تذکرۃ الاولیاء ص ۸۷) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے اجسام کو زمانے کے طوفان ہرگز نہیں بگاڑ سکتے، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عزیز علیہ السلام اور اصحاب کہف کی مثالیں بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے، کاش کوئی سوچنے کی زحمت گوارا کرے۔

﴿۱۴﴾ حضرت خولبہ یوسف بن حسین علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تو خواب میں لوگوں سے کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا، کیونکہ میں نے اچھی باتوں کے ساتھ ہزلیات کو کبھی مخلوط نہیں کیا تھا، (ایضاً ص ۱۸) اسی طرح حضرت خولبہ منصور عمار علیہ الرحمہ وفات کے بعد ایک بزرگ کی خواب میں جلوہ فرما ہوئے تو اس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا، آپ نے فرمایا، مجھ سے پوچھا کہ تم ہی منصور عمار ہو، میں نے کہا، ہاں، فرمایا تم ہی لوگوں کو زہد کا حکم دیا کرتے اور خود اس پر عمل نہ کرتے تھے، میں نے عرض کیا، خداوند ایسا ہی ہے، لیکن تیری حمد و ثنا اور تیرے رسول پر درود و سلام بھیجنے کے بغیر میں نے ایسا کبھی نہ کیا، فرمایا، تم سچ کہتے ہو، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کیلئے کرسی بچھاؤ تاکہ آسمان پر ملائکہ کے درمیان میری حمد و ثنا بیان کریں، جیسے زمین پر آدمیوں میں بیان کیا کرتے تھے، (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۹۵)

﴿۱۵﴾ ایک آدمی نے حضرت خولبہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ نکیرین کے سوال کا جواب آپ نے کیسے دیا، فرمایا، جب انہوں نے ”من ربک“ کا سوال کیا تو میں ہنس دیا اور کہا، جس نے بادشاہ کو استبرک کے جواب میں ”مہلی“ کہا ہو وہ تمہاری

ہیت سے نہیں ڈرتا۔ اب تم پوچھنے آئے ہو کہ تیرا رب کون ہے، کسی اور بزرگ نے پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت فرمائی اور میری تمام اطاعت کو بیکار کر دیا، ایک اور بزرگ سے فرمایا کہ سوائے ان دور کعتوں کے جو میں آدمی رات کو اٹھ کر پڑھا کرتا تھا، کسی اطاعت نے فائدہ نہ دیا۔ حضرت خولبہ شبلی علیہ الرحمہ سے ایک دفعہ کسی نے اس وقت مسئلہ پوچھا جب وہ آپ کی قبر انور کے پاس کھڑے تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ بزرگوں کی حالت، حیات و وفات میں یکساں ہوتی ہے، مجھے ان کی قبر انور کے سامنے جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ میں ان کی حالت حیات میں بھی ان سے شرم کرتا تھا، (ایضاً ص ۲۱)

﴿۱۶﴾ حضرت خولبہ ابو الحسن بو شنگلی علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر ایک درویش نے دنیا طلب کی رات کو اس درویش نے خواب میں آکر دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں، اے درویش ہماری قبر پر آکر دنیا طلب مت کرو، اگر دنیا اور اس کی نعمت کا طلبگار رہے گا تو کسی دنیا دار کی قبر پر جا، اگر تو ہماری قبر پر آتا ہے تو دو جہانوں سے بے نیازی مانگ، (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۵۵)

﴿۱۷﴾ حضرت ابو بکر کتانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میں ابتدا میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے متعلق مجھے کچھ غبار تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا لا قس علی الاعلیٰ لیکن فوت کی شرط یہ تھی کہ اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر تھے اور آپ حق پر تھے لیکن اپنی فوت کو بد نظر رکھ کر ان کو ان کے کام پر چھوڑ دینا چاہئے تھا، تاکہ جنگ میں مسلمانوں کا خون نہ بہتا، آخر ایک رات خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ آپ ﷺ کے چاروں صحابہ کرام ہمراہ تشریف لائے اور مجھ کو سینے سے لگایا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لرف اشارہ کر کے پوچھا، یہ کون ہیں، میں نے کہا حضرت ابو بکر ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بابت پوچھا کہ کون ہیں، مجھ کو اس غبار کی وجہ سے جو آپ



کی ذات بابرکات سے تھا، شرم آئی، پس آپ نے مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملایا اور معاف کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آؤ ابو قتیس پر چلیں اور کعبہ کا نظارہ کریں۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو خود کو ابو قتیس پر پایا اور جو کدورت میرے دل میں تھی، اب اس کا نام و نشان تک نہ تھا، (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۵۰)

﴿۱۸﴾ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ بہت باکمال بزرگ ہوئے ہیں، آپ کے وصال کے بعد بعض لوگوں نے آپ کو خواب کے عالم میں دیکھا اور پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، آپ نے فرمایا، اس نے میرا اعمال نامہ میرے ہاتھ میں دے دیا، میں نے کہا، خداوند، مجھ کو اعمال نامے میں مشغول کرتا ہے، حالانکہ تو عمل سے پہلے ہی جانتا تھا کہ میں کیا کروں گا، میرا اعمال نامہ کرانا کاتبین کو دے دے، وہ پڑھیں اور مجھ کو چھوڑ دیں تاکہ میں تیرے ساتھ محبت کروں، محمد بن حسین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں بہت اندوہ گین ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بالکل نہ ڈرو، اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں گا تو تمہارے مرنے کے وقت تمہارے پاس آؤں گا، چنانچہ ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ ہمارے والد نے وفات کے وقت ”وعلیکم السلام“ کہا تو ہم نے پوچھا، آپ کس سے کلام کر رہے ہیں، انہوں نے فرمایا، حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ اپنے وعدے کے مطابق تشریف لائے ہیں اور چند جوان مردوں کے ہمراہ ہیں، یہ کہہ کر انہوں نے رحلت فرمائی، (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۷۷)

﴿۱۹﴾ حضرت شیخ ابوالنصر سراج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جو جنازہ میری قبر کے پاس سے گزرے گا، اس کی مغفرت ہوگی، چنانچہ اس غرض سے اہل طوس تمام جنازوں کو آپ کے مزار اقدس کے پاس لاتے اور پھر دفن کرتے۔ حضرت ابوالعباس قصاب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ مردہ نہیں، بلکہ تمہاری آنکھوں کا نصیب مردہ ہے، (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۸۳)

حضرت ابواسحاق الخواص علیہ الرحمہ سے خواب میں کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا تو آپ نے فرمایا، عبادت اور توکل کے باوجود میں طہارت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا تھا، اسی وجہ سے خواب میں کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا تو آپ نے فرمایا، عبادت اور توکل کے باوجود میں طہارت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا تھا، اسی وجہ سے عالی تر ہے، ندا کی گئی کہ یہ درجہ محض اس واسطے ملا کہ تم پاک ہو اور پاک لوگوں کی اس درگاہ میں قدر ہے، (ایضاً ص ۲۸۶)

﴿۲۰﴾ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری علیہ الرحمہ کے متعلق حضرت شیخ عبد الوہاب علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ ان کے مزار اقدس میں ایک درجہ کھل گیا، اور دو حواری اندر داخل ہوئیں، انہوں نے سلام عرض کیا اور کہا، ہم آپ کی ملکیت ہیں، جس وقت حضرت کریم مطلق نے ہمیں تخلیق فرمایا ہے، ہم آپ کی خدمت کی منتظر ہیں، حضرت خواجہ نے فرمایا، میرا حضرت حق سبحانہ سے وعدہ ہے کہ جب تک میں اس کے بے چون و بے چگون دیدار سے مشرف نہ ہو جاؤں اور تمام لوگوں کو جو مجھ سے پیوستہ ہیں اور جنہوں نے مجھ سے کوئی کلمہ حق سنا ہے، اور اس پر عمل کیا ہے، کی شفاعت نہ کرالوں، کسی چیز اور کسی شخص کی طرف ہرگز مشغول نہ ہوں گا، (انہیں اللہ العزیز ص ۲۸۰) ایک دانشمند نے نقل کیا کہ جس وقت حضرت خواجہ نقشبند کا انتقال ہوا، میں ولایت کش میں تھا، میں نے خود سے کہا کہ دوبارہ مدرسہ میں چلا جاؤں، اسی شام آپ خواب میں آئے اور یہ آیت پڑھی افا من مات لوقتل انقلبتم علی اعقابکم، اور فرمایا، زید بن حارثہ نے کہا ہے، میں خواب سے بیدار ہوا تو آپ کے اشارے کو سمجھ گیا کہ آپ اب بھی عنایت فرمائیں گے، لیکن جو آپ نے فرمایا، زید بن حارثہ نے کہا ہے، اس جملے کا مطلب معلوم نہ کیا، پھر جلدی ہی آپ خواب میں آئے اور فرمایا ”زید بن حارثہ نے کہا ہے کہ دین تو ایک ہی ہے“ آپ کا یہ اشارہ میرے



دل میں رہتا تھا، یہ خواب آپ کی حقانیت کی دلیل ہے کہ حضرت حق کے بندے حیات و ممات میں راہ راست پر دلالت کرتے ہیں اور جو کچھ دکھاتے ہیں وہ کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ اور سلف صالح کی سیرتوں سے ثابت ہوتا ہے، (ایضاً: ۲۸۱)

﴿۲۱﴾ حضرت عبدالاعلیٰ بن عدی رضی اللہ عنہ حضرت بلال خزاعی رضی اللہ عنہ کے پاس عیادت کرنے آئے اور کہا، حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں میرا سلام عرض کرنا اور اگر ہو سکے تو اپنے حالات سے آگاہ کر دینا، پھر ان کا انتقال ہو گیا، ان کے خاندان کی ایک عورت نے ان کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا، میری بیٹی! تو جلد ہی میرے پاس آنے والی ہے اور تو عبدالاعلیٰ سے کہہ دے کہ میں نے ان کا سلام بارگاہ نبوت میں پہنچا دیا ہے، (کتاب القبر، ابن ابی الدنیا)

﴿۲۲﴾ حضرت اصحٰبِ رحمہ نے حضرت سلمہ بن کہیل علیہ الرحمہ سے کہا کہ ہم میں سے جو پہلے مر جائے، وہ خواب میں دوسرے کو اپنے خیالات سے مطلع کرے، حضرت سلمہ ان سے پہلے انتقال کر گئے، ان کے ساتھ خواب میں ملاقات ہوئی تو پوچھا، تم نے اپنے رب کو کیسا پایا، انہوں نے جواب دیا، بہت ہی مہربان پایا، پوچھا کہ معاملہ کیسا رہا، انہوں نے جواب دیا، آسان پایا مگر کوئی بھروسہ پر نہ رہے، (تاریخ ابن عساکر، شرح الصدور: ۲۶۳)

﴿۲۳﴾ حضرت محمد بن نصر حارثی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مسلمہ بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ اے امیر المومنین، مجھے شوق ہے کہ کسی طرح مجھے معلوم ہو کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، آپ نے فرمایا، اے مسلمہ، میں ابھی حساب و کتاب سے فارغ ہوا ہوں، مسلمہ نے پوچھا کہ آپ کہاں ہیں تو آپ نے جواب دیا جنت عدن میں دیگر ائمہ ہدیٰ کے ساتھ ہوں، (کتاب القبر، رلا بن ابی الدنیا)

﴿۲۴﴾ حضرت ابو بکر خیاط علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قبرستان میں ہوں اور قبر والے اپنی قبروں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے سامنے پھول ہیں، اتنے میں، میں نے دیکھا کہ محفوظ ان کے درمیان آ جا رہے ہیں، میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھے (جن کا ترجمہ ہے) یک لوگوں کی موت ایک ایسی زندگی ہے جس کو فنا نہیں، کچھ لوگ اگرچہ مر چکے ہیں مگر درحقیقت وہ زندہ ہیں، (شرح الصدور: ۲۶۶)

﴿۲۵﴾ حضرت ضمرہ علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ خواب میں میری ملاقات میری پھوپھی سے ہوئی تو دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے، وہ کہنے لگیں، میں خیر سے ہوں، اور اپنے اعمال کا پور پورا بدلہ لیا، حتیٰ کہ مجھ کو اس مالیدہ کا ثواب بھی ملا جو ایک روز میں نے غریب کو کھلایا تھا، (شرح الصدور: ۲۶۷)

﴿۲۶﴾ ابن عساکر نے محمد بن عوف سے روایت کیا کہ میں نے حضرت محمد بن حصی علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال ہے، انہوں نے جواب دیا کہ بہت اچھا ہوں، میں دن میں ایک دو مرتبہ اپنے رب کی زیارت کرتا ہوں، میں نے کہا کہ ابو عبد اللہ، تم دنیا میں بھی قبیح سنت تھے اور آخرت میں بھی صاحب سنت ہو تو وہ مسکرائے گئے، (ایضاً: ۲۷۴)

﴿۲۷﴾ ابن عساکر نے محمد بن عوف سے روایت کیا کہ کسی شخص نے ایوانِ اس علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا تو جواب دیا کہ اس نے مجھے ان اشعار کی وجہ سے بخش دیا، جو میں نے گل زمر کے بارے میں کہے تھے، اور وہ یہ ہیں، ترجمہ: اے انسان! زمین سے اگنے والے پودوں کو دیکھ اور خداوند قدوس کی کارگیری کا منظر دیکھ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چاندی کی آنکھیں سنہری پتلیوں سے دیکھ رہی ہیں، یہ آنکھیں زبرجدی شاخوں پر خدا تعالیٰ کی توحید اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے جن و انس کی



طرف رسول ہونے کی شہادت دے رہی ہیں، (ایضاً ص ۲۶۷)

﴿۲۸﴾ ابن عساکر نے عبد اللہ بن محمد مردی علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حافظ یعقوب بن سفیان علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور فرمایا تم جس طرح دنیا میں حدیث بیان کرتے تھے، آسمان پر بھی بیان کرو، چنانچہ میں نے چوتھے آسمان پر حدیث بیان کی اور فرشتوں نے اس کو سنہری قلموں سے لکھا، جبریل علیہ السلام بھی لکھنے والوں میں تھے، (شرح الصدور ص ۲۸۷)

﴿۲۹﴾ ابن عساکر نے عبد اللہ بن صالح صوفی علیہ الرحمہ سے روایت کیا کہ ایک محدث کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہے، اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی، کیونکہ میں اپنی کتابوں میں حضور اقدس ﷺ کے نام کے بعد درود شریف لکھنے پر پابندی کرتا تھا، (ایضاً)

﴿۳۰﴾ حدیث مبارک ہے، قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، (رداء اتردی) اس حدیث کی روشنی میں ایک واقعہ پڑھئے، حضرت خولجہ احمد بن اور لیس علیہ الرحمہ کا ایک مرید مکہ مکرمہ میں فوت ہوا اور اس کو جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا گیا، ایک صاحب کشف بزرگ نے دیکھا کہ حضرت ملک الموت علیہ السلام اس کی قبر میں جتنی فرش اور قدلیں لا رہے ہیں، اس بزرگ کو رشک ہوا تو حضرت ملک الموت علیہ السلام نے فرمایا یہ کونسی مشکل بات ہے، جو مومن بھی حضرت خولجہ احمد بن اور لیس علیہ الرحمہ کی طرف منسوب درود پاک پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ہی قرب عطا فرمائے گا، (جامع کرامات اولیاء ص ۵۷۹)

﴿۳۱﴾ علی بن عیسیٰ وزیر کا واقعہ ہے کہ میں کثرت سے درود پاک پڑھا کرتا تھا، اتفاقاً مجھے بادشاہ نے معزول کر دیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دراز گوش پر سوار ہوں

اور پھر دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ جلوہ فرما ہیں، میں براہ ادب جلدی سے نیچے اتر کر پیدل ہولیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اے علی اپنی جگہ پر واپس چلا جا، آنکھ کھل گئی، صبح ہوئی تو بادشاہ نے بلا کرو وزارت سوئپ دی، اور یہ درود پاک کی برکت ہے، (سعادت الدارین: ۱۳۳) معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ اپنے غلاموں کی مصیبت سے آگاہ ہوتے ہیں اور اس کو رفع کرنے کیلئے تشریف بھی لاتے ہیں، یہ تمام امور حیات برزخی کی دلیل ہیں، چند اور واقعات بھی ملاحظہ کیجئے۔

﴿۳۲﴾ حضرت شیخ موسیٰ ضریر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بحری جہاز پر سوار ہوا کہ اچانک طوفان آگیا، انقلاب کی آمدھی چل پڑی، وہ طوفان ایسا تھا کہ اس سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ سکتا ہو، جہاز والے ناامید ہو گئے پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں زیارت مصطفیٰ ﷺ سے سرفراز ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا، امتی! پریشان نہ ہو، جہاز پر سوار لوگوں سے کہہ دو کہ ایک ہزار مرتبہ درود نجاتی پڑھیں، اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی، میں نے جہاز والوں کو مژدہ سنایا، ابھی تین سو بار ہی درود پاک پڑھا تھا کہ ہوا تھم گئی اور طوفان ختم ہو گیا اور ہم سب منزل مقصود پر پہنچ گئے، (القول المہدیج: ۲۱۹)

﴿۳۳﴾ حضرت ابو حفص خدا ولیہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ شریف حاضر ہوا تو ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کھانے کو کچھ نہ تھا، پندرہ دن یونہی گزر گئے، میں نے ایک دن نڈھال ہو کر اپنا پیٹ روضہ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ لگا دیا اور کثرت سے درود پاک پڑھا، پھر عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے مہمان کو کچھ کھلائیے، وہیں مجھ پر نیند غالب آ گئی تو حضور انور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بائیں جانب ہیں اور حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ سامنے ہیں، مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اٹھو، سرکار دو جہاں تشریف لائے ہیں،



میں اٹھا اور آپ کی دست بوسی کی، آپ ﷺ نے مجھے روٹی عنایت فرمائی، میں نے آدمی کھالی تو آکھ کھل گئی، آدمی میرے ہاتھ میں تھی، (سعادۃ الدارین: ۱۳۳)

﴿۳۴﴾ حضرت دانا علی جویری قدس سرہ فرماتے ہیں، ایک دفعہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر سو رہا تھا، خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں، حضور اقدس ﷺ باب شیبہ سے تشریف لائے اور ایک بوڑھے آدمی کو اس طرح گود میں لئے ہوئے تھے، جیسے لوگ شفقت سے بچوں کو اٹھاتے ہیں، میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی، حیران تھا کہ یہ پیرانہ سال آدمی کون ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے میرے دل کی بات سمجھ لی اور فرمایا، یہ تیرا امام اور تیرے اپنے دیار کا رہنے والا ابو حنیفہ ہے، مجھے اس خواب سے بڑی تسلی ہوئی اور اپنے شہر سے ارادت پیدا ہو گئی، (کشف المحجوب: ۷۰)

﴿۳۵﴾ حضرت خواجہ نعمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میں نے حضور انور ﷺ کو خواب میں دیکھا، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، آپ نے فرمایا، اے ابو بکر، میرے فرزند محمد نعمان کو بتا دو کہ جو شخص شیخ احمد (مجدد الف ثانی) کا مقبول ہے وہ میرا اور میرے خدا کا بھی مقبول ہے۔ اور جو شخص ان کا مردود ہے وہ میرے خدا کا بھی مردود ہے، میں نے یہ بشارت سنی تو بے حد خوش ہوا۔ الحمد للہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا مقبول ہوں، اس لئے حق تعالیٰ کا بھی مقبول ہوں، (حضرات القدس: ۲۸/۲)

﴿۳۶﴾ ابو بکر معمری سے منقول ہے کہ میں، امام طبرانی اور ابو الشیخ حرم رسول ﷺ میں حاضر تھے اور سبھی حالت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے، جب بھوک نے اپنا اثر دکھایا اور نڈھال کر دیا تو وہ دن مشکل سے صوم وصال کی صورت میں کاٹا، عشاء کے وقت میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ الحوٰع الحوٰع“ سخت بھوک ہے، سخت بھوک ہے، اتنا عرض کیا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا، مجھے ابو الشیخ نے کہا، بیٹھ جاؤ، یا رزق اور روزی

ہاتھ آئے گی یا یہیں تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے، پھر میں اور ابو الشیخ سو گئے، امام طبرانی بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے، ایک علوی دروازے پر آ موجود ہوا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں، جن کے ہاتھوں میں بڑی بڑی زھیلیں ہیں اور دونوں کسی شے سے بھری ہوئی ہیں، ہم بیٹھ گئے اور کھانے لگے، گمان یہی تھا کہ جو کھانا بیچ جائے گا، اسے یہ غلام لے جائیں گے مگر وہ لوٹ گئے اور باقی ہمارے پاس ہی چھوڑ گئے، جب ہم کھانا کھا چکے تو علوی نے کہا تم نے کیا بارگاہ نبوی میں بھوک کی شکایت کی تھی، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے تمہارے پاس کھانے کی چیز لانے کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے (کتاب الوفاء: ۸۳۰)

﴿۳۷﴾ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد گرامی نے خبر دی کہ ہمیں سید عبداللہ قاری نے بتایا، جب انہوں نے قاری زاہد سے جو بیابان میں رہتے تھے قرآن پاک حفظ کیا تو ہم ایک دفعہ قرآن پاک کا دورہ کر رہے تھے کہ عرب کی ایک جماعت ہمارے پاس آئی، ان کا قائد ان کے آگے تھا، وہ لوگ قاری صاحب کی قرأت سننے لگے، پھر جماعت کے قائد نے فرمایا، ”بارک اللہ ادیت حق القرآن“ بارک اللہ تم نے قرآن خوانی کا حق ادا کر دیا، پھر وہ جماعت چلی گئی، اس کے بیان کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا، کل رات مجھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس بیابان میں پہنچ کر قاری صاحب کا قرآن سنوں گا، میں سمجھ گیا کہ کل والی قوم کے قائد خود نبی اکرم ﷺ تھے، پھر کہنے لگے، میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تھا، (درمبین فی مہرات النبی الامین: ۱۷)

﴿۳۸﴾ حضرت سلیمان بن عجم علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں خواب میں سید دو عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا تو میں نے دربار رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ، جو



لوگ حاضر ہوتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں، آپ ان کا سلام سمجھ لیتے ہیں، فرمایا، ہاں اور میں ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں، (سعادۃ الدارین: ۱۳۱)

﴿۳۹﴾ حضرت ابراہیم بن شیبان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کہ میں نے حج کیا اور مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ پھر جب میں نے روضہ مقدسہ پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی و علیک السلام یا ولدی، اے بیٹے تم پر بھی سلامتی ہو، (سعادۃ الدارین: ۱۳۱)

﴿۴۰﴾ حضرت شیخ جزولی علیہ الرحمہ ”صاحب دلائل الخیرات“ کے وصال کے ستر سال بعد آپ کی قبر مبارک سے نکالا گیا اور سوس سے مراکش منتقل کیا گیا، آپ کا کفن بھی بوسیدہ نہیں ہوا تھا اور بالکل صحیح و سالم تھے، جیسے آج ہی لیئے ہیں، نہ زمین نے آپ کو چھیڑا اور نہ کوئی حالت بدلی بلکہ آپ نے تازہ عطر بنوایا تھا اور ستر سال کے بعد بھی ایسے تھا جیسے آج ہی بنوایا ہے، کسی نے رخسار پر انگلی رکھ کر دیکھا اور انگلی اٹھائی تو اس جگہ سے خون ہٹ گیا، اب وہ جگہ سفید نظر آرہی تھی، پھر تھوڑی دیر بعد سرخ ہو گئی، جیسے زندوں کے جسم میں خون رواں ہوتا ہے، یہ ساری بہاریں درود پاک کی کثرت کی برکت سے ہیں (مخالف المسرات: ۴) اس طرح کے ایمان افروز واقعات ہزاروں کی تعداد میں صالحین امت سے منقول ہیں اور حد تو اترو کو پہنچے ہوئے ہیں جن کا انکار محض ہٹ دھرمی اور سینہ زوری تو ہو سکتا، اور کچھ نہیں۔

### ﴿..... ائمہ ملت کا فیصلہ.....﴾

اسلام میں حضرات علما کا ایک خاص مقام ہے، قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے، انما یحیی اللہ من عباد العلماء یعنی بیشک علما ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، اور فرمایا، ”کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں“، اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے، اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے، میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے، (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم)

﴿۲﴾ دو آدمیوں کے سوا کسی پر بھی رشک جائز نہیں، ایک آدمی جسے اللہ مال دے تو اسے اچھی جگہ خرچ کرے اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ علم دے اور وہ اس سے فیصلے کرے اور لوگوں کو سکھائے۔ (ایضاً)

﴿۳﴾ جو شخص بھلائی پر رہبری کرے، اسے اس پر عمل کرنے والے کی طرح ثواب ہو گا۔ (مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم)

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ علم کو سمجھ کر نہ اٹھائے گا، بلکہ علمائی وفات سے اٹھائے گا، حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہ رہے تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، (بخاری و مسلم)

﴿۵﴾ یقیناً عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی چیزیں اور پانی کی مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات میں چاند کی فضیلت سارے تاروں پر، علما نبیوں کے وارث ہیں، نبیوں نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہ بنایا، صرف علم کا وارث بنایا تو جس نے علم اختیار کیا اس نے پورا حصہ وصول کر لیا، (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب العلم)

﴿۶﴾ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے، (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿۷﴾ جو اس لئے علم حاصل کرے تاکہ علما کا مقابلہ کرے یا جہلا سے جھگڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرے، اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث نبویہ ہیں جن میں علما کی شان و عظمت بیان کی گئی ہے، اب ہم ذیل میں کثیر ائمہ امت اور علمائے ہدایت کے مبارک فیصلے نقل کرتے ہیں،



تاکہ ان کی روشنی میں "حیات برزخی کے اثبات" کا عقیدہ مزید نکھر کر سامنے آجائے۔

اخلاص عمل مانگ نیا گان کہن سے

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

﴿۱﴾ حضرت امام ابو القاسم قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضرت ابوسعید خدری علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے کہ میں مکہ معظمہ میں تھا، باب بنی شیبہ پر ایک جوان کو مردہ دیکھا، تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا، اے ابوسعید آپ نہیں جانتے کہ اللہ والے زندہ ہیں، اگرچہ وہ فوت ہو جائیں، وہ تو بس ایک گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر منتقل ہو جاتے ہیں، (الرسالۃ القشیریہ: ۱۳۰)

﴿۲﴾ حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "النفوس باقیہ بعد موت البدن عالمة باتفاق المسلمین" اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ بدن کی موت کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے اور علم رکھتی ہے، (شفاء القام: ۲۱۰)

﴿۳﴾ حضرت امام ابویعقوب نہر جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میں نے ایک مرید کو غسل دینے کیلئے تختے پر دراز کیا تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا، "بیٹے میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں، یہ صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، میرا ہاتھ چھوڑ دے، (الرسالۃ القشیریہ: ۱۷۰)

﴿۴﴾ حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، یہ نہ سوچنا کہ موت سے تیرا علم بھی تجھ سے جدا ہو جائے گا، کہ موت علم کے محل یعنی روح کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، موت کا معنی عدم محض نہیں ہوتا، یہاں تک کہ تو سمجھنے لگے کہ جب تو نہ رہا تو تیری صفت بھی ختم ہو گئی (التبیین شرح جامع صغیر ۴/۲۹۹) فرماتے ہیں۔ جس سے زندگی میں امداد مانگی جائے، اس سے موت کے بعد بھی امداد مانگی جائے۔

﴿۵﴾ حضرت امام بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، روحیں جو ہر بالذات ہیں اور اس بدن

کے سوا اور شے ہیں اور موت کے بعد اپنے ادراک پر قائم رہتی ہیں، یہی جمہور صحابہ کرام اور تابعین عظام کا مذہب ہے اور اسی پر آیات و احادیث بھی ناطق ہیں، (تفسیر بیضاوی: ۱۱۷)

﴿۶﴾ حضرت امام ابن الحاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، امام احمد کا ارشاد ہے کہ مسلمان برزخ میں ہیں اور اکثر زندوں کا علم رکھتے ہیں، یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے، اور کتابوں میں اپنے مقام پر مذکور ہے (المدخل ۲/۱۵۲) فرماتے ہیں، قبر والوں کو زندوں کی خبر ہوتی ہے، کیونکہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے، خدا کے نور کے سامنے کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، جب زندہ مومنوں کے حق میں یہ ہے تو اس کا کیا مقام ہو گا، جو آخرت کے گھر میں ہے، (ایضاً)

﴿۷﴾ حضرت امام ابو عمر عبدالبر علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ میت کو ان تمام امور سے اذیت ہوتی ہے جن سے زندہ لوگوں کو اذیت ہوتی ہے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ان تمام امور سے لذت بھی حاصل کرے جن سے زندہ لوگوں کو لذت ملتی ہے (بوضیۃ اللغات: ۶۹۶)

﴿۸﴾ حضرت امام محمد بن حموی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اہل قبور کو جوتوں کی آہٹ سے بھی اذیت ہوتی ہے، (مراقی الفلاح ۲/۳۳۲) حدیث پاک میں جو قبر کیساتھ تکیہ لگانے کی نفی وارد ہے تو حضرت امام حکیم ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ روحیں جان لیتی ہے کہ اس آدمی نے ہماری عزت و حرمت کو پامال کیا ہے، (تواریخ الاصول: ۲۳۳)

﴿۹﴾ حضرت امام قاضی خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، قبر سے سبز گھاس کا ٹٹا مکروہ ہے، وہ خشک ہو تو کوئی حرج نہیں، گھاس جب تک تر رہتی ہے، خدا کی تسبیح کرتی ہے، اور اس سے قبر والے کا دل بہلتا ہے، (فتاویٰ قاضی خان: ۱۹۵)

﴿۱۰﴾ حضرت امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، فوت شدہ انسان کو حیات اور علم حاصل ہوتا ہے لہذا زیارت کے وقت اس کا ادب و احترام واجب ہے، خصوصاً صالحین



کرام کا احترام ان کے درجوں کے اعتبار سے زیادہ ضروری ہے جیسا کہ ان کی حیات خاہری میں ہوتا ہے، (ایضہ المباحث ۱/۶۰)۔

﴿۱۱﴾ حضرت امام ابو عبید اللہ بن نعمان علیہ الرحمہ سے منقول ہے، اہل بصیرت اور اہل اعتبار کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نیک لوگوں کی زیارت، برکت و عبرت کے لئے محبوب ہے، ان کی برکت جیسے زندگی میں جاری تھی ویسے ہی وصال کے بعد بھی جاری ہے، (المدخل ۱/۲۳۹)۔

﴿۱۲﴾ حضرت امام عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اولیا کرام کی کرامت ان کے انتقال کے بعد بھی باقی رہتی ہے، جو اس کی مخالفت کرے، وہ جاہل ہے یا مہم دھرم ہے، (الحدیقا الندیہ ۱/۲۹۳)۔

﴿۱۳﴾ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں، حضرت خولجہ احرار قدس سرہ کے پاس کوئی نسبت ان کی خاص نسبتوں میں سے ایسی نہ تھی جو آپ نے ہمارے خولجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کو عطا نہ فرمائی ہو مگر ایک نسبت عالیہ جو حضرت خولجہ احرار قدس سرہ کے عطیات میں سے باقی رہ گئی تھی، ہمارے خولجہ نے اپنے انتقال کے بعد جب کہ میں ان کے روضہ کی زیارت کو گیا تھا، مجھے مرحمت فرمائی، (حضرات القدس ۲/۱۶۳)۔

﴿۱۴﴾ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں، ایک عظیم بزرگ کا قول ہے کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں رہ کر بھی حیات دنیا کی مانند تصرف فرماتے ہیں، شیخ معروف کرنی علیہ الرحمہ، شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اور دو اولیا کو مزید شمار فرمایا، ان کا مقصد حصر نہیں بلکہ جو انہوں نے خود دیکھا وہی بیان کیا، (ایضہ المباحث ۱/۱۵)۔

﴿۱۵﴾ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیروکاروں کی شفاعت فرماتے ہیں، دنیا اور برزخ میں ہر جگہ مصیبتوں میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں،

قیامت کے دن بھی نگاہ رکھیں گے یہاں تک وہ ہل صراط کو پار کر جائیں، (المیزان الکبیر ۱/۹)۔

﴿۱۶﴾ حضرت امام تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اولیا کی قبروں میں زیارت اور پاکیزہ روحوں سے استعانت فائدہ دیتی ہے، (شرح المقاصد ۲/۳۳)۔

﴿۱۷﴾ حضرت سید احمد ذروق علیہ الرحمہ سے حضرت شیخ ابو العباس علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ زندہ کی امداد زیادہ طاقتور ہے یا وصال شدہ کی، انہوں نے فرمایا، وصال شدہ کی امداد زیادہ طاقتور ہے، اس پر شیخ نے فرمایا، ہاں اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے، (ایضہ المباحث ۱/۱۶)۔

﴿۱۸﴾ حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جب زائر قبر کے قریب جاتا ہے تو اس کا صاحب قبر سے اور ایسے ہی صاحب قبر کا اس سے خاص تعلق قائم ہو جاتا ہے، اس سے دونوں کے درمیان معنوی ملاقات اور مخصوص علاقہ پیدا ہو جاتا ہے، اب اگر صاحب قبر زیادہ قوی ہے تو زائر مستفیض ہوتا ہے اور زائر زیادہ قوی ہے تو صاحب قبر کو فیض حاصل ہوتا ہے، (کشف الغطا: ۸۰) فرماتے ہیں، یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ انسان موت کے بعد زندہ ہیں، اور اس طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے، اللہ کے نبی مرتے نہیں، ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں، (تفسیر کبیر ۲/۴۱)۔

﴿۱۹﴾ حضرت امام صفار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں تلقین مناسب ہے اور جو تلقین کا تاریکی اور منکر ہے، وہ معتزلہ کے مذہب پر ہے، جو میت کو جہاد کہتے ہیں اور قبر میں روح کا اعادہ تسلیم نہیں کرتے، (کشف الغطا: ۵۷)۔

﴿۲۰﴾ حضرت امام قزوینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، فوت شدگان کو ادراک و سماع حاصل ہے، اور بیشک سماعت ایسی صفت ہے جس کے لئے حیات ضروری ہے، لہذا اسب زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی شہدا سے کم تر ہے اور شہدا کی زندگی سے انبیاء کرام کی زندگی زیادہ



کامل ہے، (جذب القلوب: ۲۰۶) اور فرماتے ہیں کہ تمام اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ علم و سماعت جیسے اور اک تمام فوت شدگان کو حاصل ہیں، (ایضاً: ۲۰۶)

﴿۲۱﴾ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں، جب آدمی برزخ کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو تمام وضعیں اور عادتیں اور علوم ان کیساتھ ہوتے ہیں، وہ ان سے الگ نہیں ہوتے، (فیوض الحرمین: ۴۲)

﴿۲۲﴾ حضرت امام ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اولیا فرماتے ہیں کہ ہماری روح ہی ہمارا جسم ہے، یعنی ان کی ارواح ان کے اجسام کا کام کرتی ہیں اور کبھی اجسام از حد لطافت کی وجہ سے ارواح کے رنگ میں جلوہ ریز ہوتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا، ان کی ارواح زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں، سیر کرتی ہیں، اسی وجہ سے قبر میں ان کے جسم خاکی کو مٹی نہیں کھا سکتی، بلکہ ان کا کفن بھی صحیح سلامت رہتا ہے، ابن ابی الدینا حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں، مومنوں سے مراد کامل افراد ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی طاقت عطا فرما دیتا ہے، وہ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، (تذکرۃ الموتی والقبور: ۷۵)

﴿۲۳﴾ حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں، روحوں کا قبر کیساتھ تعلق قائم رہتا ہے، جس کے سبب زائرین اور عزیزوں، دوستوں کی آمد کا انہیں علم ہوتا ہے، اور ان سے انس حاصل ہوتا ہے، مکان کی دوری اور نزدیکی روح کے لئے اس اور اک سے مانع نہیں ہوتی، انسان کے وجود میں اس کی مثال روح بھر ہے جو حفت آسمان کے ستارے کنویں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے، (تفسیر عزیزی پارہ ۳۰: ۱۹۳)

﴿۲۴﴾ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ فرماتے ہیں، بعض کاملوں کی ارواح کا

تصرف ان کے اجسام سے ترک تعلق کے بعد بھی اس دنیا میں باقی رہتا ہے، (کتوبات مظہریہ: ۲۷) فرماتے ہیں، حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ کی عنایت اپنے معتقدین کے حال پر کار فرما ہے، مغل صحراؤں میں سوتے وقت اپنا سامان اور گھوڑے آپ کی حفاظت کی سپرد کرتے ہیں اور قطبی تائید ان کیساتھ ہوتی ہے، (ملفوظات مظہریہ: ۸۳)

﴿۲۵﴾ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، شیخ بدر الدین بن صاحب نے اپنے رسالہ حیات الانبیاء میں فرمایا کہ حدیث شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر میں صریح ہے، کیونکہ اس میں ان کی صفت نماز بیان کی گئی ہے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور یہ صرف روح کی صفت نہیں ہو سکتی، بیشک یہ تو جسم کا کام ہے اور قبر کی تخصیص بھی اس پر دلیل ہے کہ اگر یہ صرف روح کے اوصاف میں سے ہوتا تو قبر کی تخصیص کے ساتھ احتجاج نہ کیا جاتا، (دہر الہی شرح سنن النسائی: ۲۳۳)

﴿۲۶﴾ حضرت امام محمد بن یوسف صالحی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضرت جمال الدین محمود بن جملہ کا فرمان ہے، حدیث شریف، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں واضح ہے، کیونکہ اس میں آپ کی نماز کا بیان ہے کہ وہ کھڑے تھے اور یہ صفت فقط روح کی نہیں، یہ روح مع الجسد کی صفت ہے، ان میں روح لوٹا دی گئی ہے، یہ آپ کی بہت بڑی عزت اور کرامت ہے، آپ کی قبر وسیع کر دی گئی ہے اور یہ عبادت کا عمل وقات کے فورا متصل ہے اور حضور اقدس ﷺ کا آپ کو دیکھنا ظاہری آنکھوں سے ہے کیونکہ معراج الہی سنت و جماعت کے نزدیک جسد کو ہوتی تھی نہ کہ فقط روح کو، (سئل اشدیٰ و الشارح: ۲۶۷)

﴿۲۷﴾ حضرت امام محمد بن قاسم جسوس فرماتے ہیں، حیاۃ الانبیاء کا شاہد حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر انور میں نماز پڑھنا ہے اور نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور ایسے ہی وہ تمام صفات جو حضور اقدس ﷺ نے معراج کی رات بیان فرمائیں، وہ سب اجساد کو چاہتی ہیں



اور ان کی حیات حقیقی ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں، لیکن حیات حقیقی ہونے کے باوجود ان کو طعام وغیرہ کی حاجت نہیں ہے، جہاں تک علم اور سماعت کا تعلق ہے تو وہ انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے، بلکہ عام کیلئے بھی ثابت ہے، (الفوائد الجلیہ علی اشعار ابن عربیہ: ۳۲)

﴿۲۸﴾ حضرت علامہ ابن قیم جوزیہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، بلاشبہ آپ کا جسم مبارک قبر میں تروتازہ اور نرم ہے، ایک دفعہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ کے بوسیدہ ہونے کے بعد آپ پر ہمارا درود کیسے پہنچے گا، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، اگر آپ قبر میں موجود نہ ہوتے تو یہ جواب غلط ہو جاتا، (کتاب الروح: ۷۳)

﴿۲۹﴾ حضرت امام محمود آلوسی علیہ الرحمہ کا بیان ہے، انبیاء کرام اپنی قبروں میں عام مردوں کی طرح نہیں رہتے بلکہ ان کی روح ان کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور وہ زندہ ہوتے ہیں، (روح المعانی: ۲۲/۳۸)

﴿۳۰﴾ حضرت امام ابوالحسن خنقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اسے زائر تو حضور پر نور ﷺ کی قبر مکرم کی طرف منہ کر کے اور قبلہ شریف کی طرف پشت کر کے باادب کھڑا ہو اور آپ کی جلالت شان کو پیش نظر رکھ، کیونکہ یہ مبارک جگہ ہے، آپ کی نظر مبارک تیرے شامل حال ہے، آپ تیرا کلام سماعت فرماتے ہیں اور تیرے سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں اور تیری دعا پرائیں فرماتے ہیں، پھر یوں عرض کر "السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا حبیب اللہ،" (غنیۃ الطالبین فی ما یحب من احکام الدین: ۱۱۵)

﴿۳۱﴾ حضرت امام محمد بن نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ہذا زائر حاضری کے وقت ادب رسول کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوٹے اور اس کا دل آپ کی بیعت سے بھر جائے گویا آپ ﷺ اس کو دیکھ رہے ہیں، پھر وہ اس طرح عرض کرے "السلام علیک یا رسول اللہ" (کتاب الامار: ۳۶)

﴿۳۲﴾ علامہ محمد بن علی شوکانی نے رقم کیا ہے، نبی کریم ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر انور میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور یہی نبی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے، استاذ ابو منصور بغدادی نے فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب میں متکلمین اور محققین کا ارشاد ہے کہ آپ وفات کے بعد زندہ ہیں، ایک اور جگہ لکھتے ہیں، علم اور سماعت تو تمام اہل قبور کے لئے ثابت ہے، شہداء کے متعلق تو قرآنی نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے، ان کی حیات جسم کے ساتھ ہے، حضرات انبیاء اور مرسلین کی حیات جسم کے ساتھ کیوں نہ ہوگی، (نیل الاوطار: ۳/۳۲۸)

﴿۳۳﴾ حضرت امام ذہبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بنانی کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی سعادت عطا کرتا ہے تو مجھے بھی عطا کرنا، کہتے ہیں کہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کو وفات کے بعد دیکھا گیا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ (میرا اعلام: ۵/۳۳۲)

﴿۳۴﴾ حضرت امام عیاض مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضرات انبیاء کرام، شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تو یہ بعید نہیں کہ وہ حج کریں اور نمازیں ادا کریں، (فتاویٰ الشام: ۱۸۶)

﴿۳۵﴾ حضرت امام علی بن احمد عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، بندہ جب دنیا سے جدا ہو گیا تو قید سے چھوٹ گیا اور فراخی و کشادگی، فرحت و سرور کی طرف منتقل ہو گیا، (السرائج البہر: ۳/۱۶۲) حضرت امام علی القاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، برزخ میں صرف روح سے سوال نہیں جیسا کہ ابن حزم وغیرہ سے منقول ہے، اس سے برا اس کا قول ہے جو کہتا ہے کہ سوال صرف جسم بے روح سے ہوگا احادیث سے ان دونوں قولوں کی تردید ہوتی ہے، (گویا سوال جسم و روح دونوں سے ہوگا)، (شرح نقباء: ۱۵۳)



﴿۳۷﴾ حضرت شیخ نور الحق دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جمہور کے نزدیک یہی طے شدہ عقیدہ اور قول مختار ہے کہ حضرات انبیاء موت کا ذائقہ چکھنے کے حیات دنیوی کے ساتھ زندہ ہیں، (تیسیر القاری شرح بخاری: ۲۶۲/۳)

﴿۳۸﴾ حضرت علامہ قطب الدین خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، زندہ ہیں انبیاء کرام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کی وہاں حقیقی، جسمانی دنیا کی سی ہے، (مظاہر حق: ۱/۱: ۳۳۵)

﴿۳۹﴾ حضرت امام بدر الدین زکشی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کا ایک آن میں مختلف اقطار میں حاضر ہونا اور آپ کا دیدار برحق ہے، آپ اپنی قبر اقدس میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کیساتھ نماز ادا کرتے ہیں، کیونکہ آپ سورج ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراجا منیر افرمایا ہے، (زرقاتی: ۵/۳۹۵)

﴿۴۰﴾ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، بے شک رسالت موت کیساتھ منقطع نہیں ہوتی، اور اس طرح ولایت اور جمیع مکارم دینی بھی منقطع نہیں ہوتے، نبوت کیسے منقطع ہو سکتی ہے، جب انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، (مدۃ الرعایہ: ۲/۳۷۷)

یاد رکھیں کہ اس عالم دنیا کے مقابلے میں جہان برزخ اتنا وسیع و عریض ہے جتنا شکم مادر کے برعکس، عالم دنیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کے سامنے جہان برزخ کے عجیب و غریب مناظر کھول کر رکھ دیئے ہیں تاکہ وہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں دنیا کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیں، مخلوق خدا کو عذاب سے ڈرائیں اور ثواب کی ترغیب دلائیں، اس حقیقت کا انکار ہرگز درست نہیں، ایک نابینا انسان کو سورج کی چمک دمک کا مشاہدہ نہیں، چاندنی رات کے کیف اور لمحات کا احساس نہیں، پھولوں کی رنگینی اور کلیوں کی بو قلمونی کا ادراک نہیں، لیکن ان فطری حقائق کا انکار کرتا پھرے، اور لوگوں کو

بھی اس پر اکساتا رہے تو کتنا بڑا ظلم ہے۔ کیا چشم بینا اس ظلم کی تصدیق کر سکتی ہے، یہی حال اس بد نصیب کا ہے جس نے جہان غیب کے ایک ذرے کو بھی نہیں دیکھا مگر اس کے سارے نظاروں کی تردید کر رہا ہے، اسے چاہئے کہ ان دیکھنے والوں پر اعتبار کرے، جس کے کردار میں کوئی عیب نہیں اور گفتار میں کوئی ریب نہیں، گویا۔

حادثہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے

عکس اس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے

تاریخ اسلام ایسے بے شمار واقعات اور لا تعداد مشاہدات سے لبریز ہے بزرگان دین کا جیسے عالم دنیا سے رابطہ ہے، ویسے ہی جہان برزخ سے بھی تعلق ہے۔ وہ جہاں رہ کر وہاں دیکھتے ہیں اور وہاں جا کر یہاں کی خبر رکھتے ہیں۔

فصلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم

الی یوم القیام والدین



## مسلمان کا عقیدہ

سرچشمہ ایماں ہے مسلمان کا عقیدہ  
سرکار کا احساں ہے مسلمان کا عقیدہ  
اللہ کے مظہر ہیں نبی سرور عالم ﷺ  
یہ حاصل عرفاں ہے مسلمان کا عقیدہ  
توحید یہ قربان دل و جاں کے خزانے  
یہ جذب فراواں ہے مسلمان کا عقیدہ  
کیا قبر کی رات اور کہاں حشر کی وحشت  
ہر ورد کا درماں ہے مسلمان کا عقیدہ  
محبوب بچائیں گے شبِ غم سے یقیناً  
امید سے تاباں ہے مسلمان کا عقیدہ

(علامہ غلام مصطفیٰ مجددی)



[illegible]

المسلمون  
الطاهرين

حداقل شش

تفہیم القرآن  
مفت محمد عابدی

مذکورہ

مجموعات رسول

الطائفة  
احباب بہار  
فیوض غوث یزدانی  
ترجمہ النفع الربانی



شان عیوب المعتم  
روایت المسلم

مولانا نورانی سہی  
بارہ قسطیں



مدرسة الاولياء

ایمان کی گہوڑیاں  
اور ان کا علاج

امین العلوم

دار الفکر

تقریریں  
اور  
تقریریں



الحمد لله رب العالمين

پیش

قادر رضوی کے تخلص

تلفون: 042-7213575

فتوح العجيب

